مقالاتِ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر حافظ سیّد خالد محمود ترمذی

Marfat.com

مقالاتِ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنّف

ڈاکٹر حافظ سیّد خالد محمود ترمذی

HUSN-E-QALAM
PUBLICATIONS
Lahore Pakistan.Cell:0300 47 17 801

Marfat.com

7971,9221
1966
1244

کتابوں کی معیاری اشاعت کا مرکز

Maqalat-e-Serat-e-Mustafa

(By Dr. Hafiz Syed Khalid Mehmood Trimzi)

Published by:
HUSN-E-QALAM PUBLICATIONS
Jamshed Plaza(Near Shama Chowk)
100-Main Ferozpur Road,Ichra, Lahore Pakistan
Tel:042- 374 222 53 Cell: **0300 47 17 801**
email:husneqalam@hotmail.com
www.husneqalam.com

ISBN 978-969-622-013-8

کتاب	:	مقالاتِ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ
مصنف	:	ڈاکٹر حافظ سید خالد محمود ترمذی
ناشر	:	حُسنِ قلم پبلی کیشنز لاہور
اشاعت اوّل	:	ستمبر 2015ء
مطبع	:	ایچ کیو پرنٹرز لاہور
تعداد	:	500
قیمت	:	500 روپے

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

Marfat.com

انتساب

سُنّتِ رسول ﷺ
سے محبت کرنے والوں
کے نام

Marfat.com

ضروری نوٹ:

اسلامی موضوعات پر شائع ہونے ولی کتب میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی عربی املاء نہایت توجہ سے دیکھی جاتی ہے، اس کے باوجود کسی غلطی کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ ازراہِ کرم اگر کوئی ایسی املاء کی غلطی آپ کے علم میں آئے تو ہمیں آگاہ ضرور کیجیے، تا کہ اس غلطی کو دور کیا جاسکے۔ ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔ ادارہ

مصنف کی دیگر کتب

- سنوسی تحریک (مقالہ پی ایچ ڈی)
- مضامینِ خالد ترمذی

(اخبارات و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین)

رابطہ مصنف

90۔ایل، ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

Marfat.com

حُسنِ ترتیب

☆۔ابتدائیہ 9

☆۔سرکاری مناصب، ذرائع و وسائل کا ذمہ دارانہ استعمال تعلیمات نبوی ﷺ
کی روشنی میں 11

☆۔عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں 42

☆۔تعلیمات نبوی ﷺ اور عالمگیر تہذیب کا تصور 67

☆۔دور جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت و ہم آہنگی کا تصور اس کی
ضرورت و اہمیت تعلیمات اسلامی اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں 95

☆۔خدمت خلق سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں 127

☆۔عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ 140

☆۔اسوۂ رسول ﷺ اور فلاح انسانیت 165

☆۔حضور ﷺ بحیثیت داعی امن و اُخوت 181

☆۔اسلام کا نظام عدل و احسان اور برائیوں کا انسداد 201

Marfat.com

☆۔سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ اور اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں، ازواج مطہرات کے اسوۂ مبارکہ کی روشنی میں 216

☆۔نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں 229

☆۔پاکستان کے لئے مثالی نظام کی تشکیل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں 250

☆۔رسول اکرم ﷺ کی رفاہی منصوبہ بندی اور اس کی عہد حاضر میں ضرورت 266

Marfat.com

ابتدائیہ

جیسا کہ میری اِس کتاب کے نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ سیرتِ مصطفیٰ کے حوالے سے لکھے گئے مقالات پر مشتمل ہے۔اِس کتاب میں زیادہ تر وہ مقالات شامل ہیں جو وزارتِ مذہبی امور کے زیرِ انتظام منعقد ہونے والی قومی سیرت کانفرنس میں پڑھے گئے۔ قومی سیرت کانفرنس کا باقاعدہ آغاز 1974ء میں اِس وقت کے وزیرِ مذہبی امور جناب مولانا کوثر نیازی نے کیا تھا۔ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں سیرت کے کسی ایک عنوان کے تحت مقالات لکھنے کی دعوت دی جانے لگی اور اِس کے دائرہ کار کو کسی حد تک وسعت دی گئی۔صوبائی سطح پر بھی انعامات کا سلسلہ شروع کیا گیا،جن میں ایک اوّل جب کہ ایک دوم انعام شامل تھا۔چاروں صوبوں کے علاوہ مرکز اور آزاد کشمیر کے دو دو الگ انعامات رکھے گئے۔ساتھ ہی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کو مقالاتِ سیرت کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا جانے لگا۔جو ایک مستحسن اقدام ہے۔

قومی سیرت کانفرنس کے حوالے سے مقالات لکھنے والوں میں علماء،اساتذہ،محققین اور دانش ور شامل ہیں۔ان صاحب الرائے شخصیات نے حکومتِ پاکستان کو قومی سیرت کانفرنس کے حوالے سے متعدد تجاویز دیں لیکن ان معاشی،معاشرتی اور تعلیمی حوالے سے دی جانے والی وقیع اور انتہائی مفید تجاویز پر عمل درآمد کرنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی گئی،جو قابلِ افسوس بات ہے۔کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان تجاویز پر مکمل یا جزوی

Marfat.com

طور پر بھی عمل درآمد کرلیا جاتا تو آج ہمارے ملک کے حالات ومعاملات کچھ اور ہوتے۔

ایک اور بات کا بطور خاص میں ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مقالات سیرت پر دی جانے والی انعامی رقوم شروع سے ہی انتہائی قلیل چلی آ رہی ہیں اور آج بھی یہ نا قابل بیان حد تک کم ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِن کو فوری طور پر بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ اگرچہ کوئی بھی مقالہ نگار کسی انعامی رقم کے حصول کے لیے سیرت پر کام نہیں کرتا بل کہ اِس کام کو ایک سعادت سمجھ کر کرتا ہے۔ تاہم اِس باسعادت کام کو کرنے والوں میں جن کو اوّل اور دوم انعام کا حق دار ٹھہرایا جائے۔ چھوٹی چھوٹی انعامی رقوم دے کر ٹرخانے کی بجائے حکومت کی جانب سے اِن کو بالترتیب حج اور عمرہ کروایا جانا چاہیے اور یہ کام حکومت کے لیے مشکل نہیں ہے۔

اپنی کتاب کے اشاعت کے موقع پر مجھے اپنے ایک نہایت شفیق اور مہربان استاد حافظ محمد صادق بہت یاد آ رہے ہیں، جن سے میں نے قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی اور میری دین کی طرف رغبت میں اُن کا کردار بہت اہم ہے۔ آج وہ ہمارے درمیان نہ ہو کر بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت عبداللہ جان نقشبندی چشتی قادری محترم المقام کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ جنہوں نے میری تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جن کے باعث مجھ پر تصوف کے بہت سارے اسرار و رموز عیاں ہوئے۔ اللہ پاک اُن کو سلامت رکھے۔ آمین

ڈاکٹر حافظ سید خالد محمود ترمذی

Marfat.com

سرکاری مناصب، ذرائع ووسائل کا ذمہ دارانہ استعمال
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی الہ و اصحابہ اجمعین الی یوم الدین

منصب کی تعریف: عربی لغت میں منصب کا لفظ ''ص'' کی زیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اردو میں ''ص'' کی زبر کے ساتھ یہ غلط العام ہو گیا ہے معنی ہیں درجہ، مرتب، عہدہ، اسامی پوسٹ جمع جمع مناصب۔

ذرائع کی تعریف: فرعون مصر کے درباری جب اس کے خواب کی تعبیر بتانے سے قاصر ہو گئے تو حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ اس کے دل کو لگی تو وہ آپؑ کے علم حلم اور کردار کی پاکیزگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ آپؑ کو اپنی حکومت وسلطنت میں اہم منصب دینے کی خواہش ظاہر کی جیسا کہ سورۂ مبارکہ یوسف کی حسب ذیل آیت سے واضح ہے۔

وقال الملك ائتونی به استخلصه لنفسی فلما كلمه قال انك اليوم لدينا مكين امين (سورۃ مبارکہ یوسف : آیت ۵۴)

Marfat.com

''اور بادشاہ نے کہا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں (حضرت یوسفؑ کو) اپنے لئے چن لوں پھر جب ان (یوسفؑ) سے بات کی، کہا، بے شک آپؑ ہمارے ہاں معزز، معتمد ہیں۔ جس پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

قال اجعلنی علی خزآئن الارض انی حفیظ علیم ٥ و کذلک مکنالیوسف فی الارض یتبوا منها حیث یشآء

(سورئه مبارکه یوسف: آیات ٥٥، ٥٦)

''یوسفؑ نے کہا: مجھے ملک کے خزانوں پر حاکم بنا دے یقیناً میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس سرزمین میں اقتدار عطا کیا اور وہاں جس جگہ بھی چاہتا اپنی جگہ بنا سکتا تھا''۔

یہاں ''خزآئن الارض'' پر علماء میں یہ بحث رہی ہے کہ آیا حضرت یوسفؑ نے مصر کے صرف وزیر خزانہ کا عہدہ طلب کیا تھا لیکن مولانا مودودی اس سے مراد ملک کے تمام ذرائع' وسائل لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں، حضرت یوسفؑ کا مطالبہ یہ تھا کہ سلطنت مصر کے تمام ذرائع و وسائل (Resources) میرے ہاتھ میں دے دیئے جائیں اور اس کے نتیجے میں جو اختیارات انہیں ملے وہ ایسے تھے کہ پھر ساری زمین مصر ان کی تھی ''یتنبوا منها حیث یشاء'' کو بھی لوگوں نے محدود معنوں میں لیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کا مفہوم بس اتنا ہے کہ حضرت یوسفؑ ہر جگہ مکان بنا لینے یا قیام کرنے کے مجاز تھے حالانکہ اس فقرے سے یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ اس سرزمین پر حضرت یوسفؑ کا اقتدار ویسا ہی تھا جیسا ایک زمین کے مالک کو اپنی زمین پر ہوتا ہے۔

مولانا کی یہ دلیل قرآن کریم میں کہیں بھی لفظ ''خزائن الارض'' مالیات کے معنوں میں نہیں آیا ہے بلکہ اس کا مفہوم وہی ہے جو ذرائع و وسائل کا مفہوم ہے کسی شخص کے

Marfat.com

ہاتھ میں ملک کے تمام ذرائع ووسائل کا ہونا اس کا ملک کے تمام سیاہ وسپید پر متصرف ہو جانا ہے، مثلاً

ولله خزائن السموت والارض (سورۂ مبارکہ منافقون: آیت ۷)

''اور آسمان وزمین کے کل خزائن اللہ کی ملکیت ہیں''

ام عندهم خزائن ربك (سورۂ مبارکہ طور: آیت ۳۷)

''کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا کیا ان خزانوں کے یہ داروغہ ہیں؟''

وقال الذين فى النار لخزنة جهنم (سورۂ مبارکہ مومن: آیت ۴۹)

''اور تمام جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے''۔

مولانا مزید فرماتے ہیں: اس بات کی تصدیق بائبل سے بھی ہوتی ہے۔ بائبل میں سیدنا یوسفؑ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرعون کی گفتگو ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

''سو فرعون نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے مل سکتا ہے؟ اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ دیا ہے اس لئے تیرے مانند دانشور اور عقل مند کوئی نہیں ہے سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی صرف تخت کا مالک ہونے کے سبب میں بزرگ تر ہوں گا اور اس نے اسے سارے ملک مصر کا حاکم بنا دیا اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس ملک مصر میں اپنا ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پائے گا۔'' (۱)

آپ کو چونکہ عزیز مصر (جو غالباً وزیراعظم کے برابر عہدہ ہوتا ہوگا) نے خریدا تھا اور اسی کے محل میں آپ پلے بڑھے تھے اور حکومت وسیاست کے رموز واسرار سے واقف ہوئے

Marfat.com

تھے اور فرعون نے عزیز مصر کی موت کے بعد آپ کو عزیز مصر بنا دیا تھا لہذا آپ کلی اختیارات کے مالک تھے۔

بعثت نبوی سے قبل عرب کی مشہور حکومتیں: بعثت نبوی سے قبل عربوں کی جہالت کے ذیل میں ہم یہ پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ عرب حکومت نام کی کسی شے سے بالکل نا آشنا، جاہل اور کسی کا حکم ماننے سے قطعی گریزاں ایک قوم تھی لیکن تاریخ اس کے بالکل برعکس شہادت دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب کی تہذیب اور تاریخ اتنی ہی پرانی اور قدیم ہے جتنی کہ اس خطہ اراضی پر انسانی آبادی کیونکہ یہ خطہ امم سامیہ کا مسکن اور عرصہ دراز سے مختلف اقوام وملل کی آماجگاہ اور ان کے عروج وزوال کا امین رہا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ''عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے۔ تاریخ نے چار بار اس دریا میں طوفان آتے دیکھا ایک مسیح سے ڈھائی یا تین ہزار سال پہلے جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل واسیریا' مصر وفینیشاء (کنعان) میں پھیل گیا۔ اس سیلاب کا زور کم ہو رہا تھا کہ ۱۵۰۰ ق م میں ایک اور طوفان آدومی موآبی اور مدیانی قبائل کا اٹھا اور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا۔ تیسری بار معینی' سبائی وغیرہ اٹھے اور پھیلے لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیح سے چھ سو برس بعد اٹھا وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحر محیط سے''(۱)

طوفان نوح سے قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں سب سے پہلے مقتدر اور حکمران جماعت ظاہر ہوئی۔ قرآن کریم میں اس کا نام عاد مذکور ہے۔ جس کا تعلق عرب مورخین کے نزدیک امم بائدہ (برباد ہو جانے والے قبائل) سے ہے لیکن عاد محض ایک قبیلہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ ایشیاء اور افریقہ کا کثیر حصہ اس

Marfat.com

کے زور بازو کا جولاں گاہ تھا۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کی صنعت کا نتیجہ تھیں اس لئے قرآن کریم نے بار باراس کی عبرت ناک داستان دہرائی۔ عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہے اور صالحین عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا۔ عاد کی مرکزی آبادی یمن اور حضر موت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ان کی طرف حضرت ہودؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ والی عاد اخاهم هودا (سورۃ مبارکہ ھود: آیت ۵۰)

مگر اپنی نخوت وغرور، قوت وسطوت، ظلم جور اور پرستش باطل کی بنا پر قوم عاد نے ان کی تکذیب کی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب نازل کیا جو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا (الحاقہ: ۷)۔

عاد کی سیاسی جانشیں قوم ثمود بنی: ثمود عرب کے شمالی ومغربی علاقے پر حاکم تھے جس کا نام اس زمانے میں وادی القری تھا، ثمود کا دارالحکومت الحجر تھا، یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ ثمود حضرت صالحؑ کی قوم تھی جس کے سیاسی حالات کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب میں حاکم تھی جو فن تعمیر میں عاد کی طرح بڑی مہارت رکھتی تھی۔ پہاڑوں کو تراش کر مکانات بنانے، پتھروں کی عمارات ومقابر تیار کرنے میں اس قوم کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

قرآن کریم میں ہے: وتنحتون من الجبال بیوتا فرهین (سورۃ الشعراء: آیت ۱۴۹) ''اورتم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو''

یہ یادگاریں ابھی تک باقی ہیں۔ ان کا زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ ق م سے ۱۶۰۰ ق م تک ہے اس قوم کی اصلاح وتعلیم کے لئے حضرت صالحؑ کو معبوث کیا گیا تھا۔ والـــــــــی

Marfat.com

ثمود اخاھم صلحا (سورۂ مبارکہ الحاقہ: آیت ۵) لیکن جب ثمود نے انکی تعلیمات کو جھٹلایا تو نتیجتاً وہ بے حد خوفناک (اور اونچی) آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔ فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیہ (سورۂ مبارکہ الحاقہ: آیت ۵)

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام ونشان تک نہ تھا۔ یہاں قبائل جہینہ' ولی اور یہود اس وقت آباد تھے۔ عرب کے سلسلے میں ان قدیم صداقتوں سے یہ حقائق عیاں ہوتے ہیں۔

ا۔عرب کا علاقہ ازمنہ قدیم سے تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے اور اپنے فنی ثقافتی اثرات اس نے دنیا کے دوسرے حصوں تک منتقل کئے۔

۲۔اہل عرب ابتدائے عہد تاریخ سے تمدن وحضارت اور حکومت وسلطنت سے واقف رہے ہیں اور ان میں سیاست کا واضح تصور اور شعور موجود رہا ہے اور شاید اسی لئے مارگولیتھ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ

''کتبات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں منظّم ریاستوں کا ایک سلسلہ نامعلوم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ مزید برآں وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے سے ایک منظّم سیاسی تنظیم کی یادیں وابستہ ہیں جو اپنی روایات ورسوم رکھتی ہیں اور جن کے پیچھے ایک تاریخ موجود ہے'' (۱)

۳۔عرب میں اگرچہ ریاستوں کا وجود قدیم ہے لیکن کسی زمانے میں بھی کوئی ایک ہمہ گیر، ملک گیر اور متحدہ عرب ریاست قائم نہ ہوسکی اور نہ کبھی پورا عرب ایک پرچم تلے جمع ہوا، بہر صورت رفتہ رفتہ تمام قدیم حکومتیں تباہ وبرباد ہوگئیں۔

البتہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے چند حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں باقی تھیں۔ پہلے مرحلے میں ان حکومتوں کا مختصر سا جائزہ ضروری ہے، مثلاً حیرہ وعراق میں آل منذر (لخمیوں) کی موروثی حکومت تھی جو سلطنت فارس کے ماتحت تھی اور عرب اور ایران کے درمیان ایک طفیلی

Marfat.com

ریاست (BUFFER STATE) کی حیثیت سے قائم تھی' آل منذر نے ساسانی دور میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔

۲۔عرب کے شمال میں شام کی سرحد پر آل غسان (بنو جفنہ) کی حکومت قائم تھی اور مدت دراز سے چلی آ رہی تھی یہ ریاست قیصر روم کے ماتحت تھی۔

۳۔یمن کی تاریخ انتہائی طویل اور قدیم ہے۔یہ علاقہ ایک عرصہ تک بڑی تہذیبوں اور حکومت وسیاست کا گہوارہ رہا ہے۔یمن کے فاتح اور پہلے حبشی حکمران کا نام مسلمان مورخین نے ارياط لکھا ہے جسے ابرہہ نے قتل کر کے حکومت پر قبضہ جمالیا۔اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ (جس میں ہاتھی بھی بڑی تعداد میں تھے) عبدالمطلب کے عہد میں مکہ پر چڑھائی کی تھی جس کا ذکر سورۂ مبارکہ فیل میں ملتا ہے۔ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یکسوم اور پھر مسروق جانشین ہوا۔اس کے عہد میں حالات خراب ہوئے تو ایک شخص سیف ذی یزن حمیری کنیت ابومرۃ کسری کی افواج کی مدد سے اقتدار پر قابض ہو گیا۔سیف کے بعد وھرز نے حکومت کی پھر ابن وھرز تینجان بن مرزمبان اور باذان کسری کی طرف سے یمن کا گورنر بنا اور یہ حضور ﷺ کی صداقت سے متاثر ہو کر اسلام لے آیا۔اپنے اسلام کی اطلاع باذان نے حضور ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

انتم منا والینا اھل البیت ''اب تم میری طرف منسوب ہو اور اہل بیت ہو''

اعیانیت: دوسرے مرحلے میں ان بادشاہتوں اور حکومتوں کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں اعیانت بھی مکمل یا نامکمل صورت میں موجود تھی یعنی وہ روٗسا قبائل جو اپنے قبائل کے سردار اور امیر مانے جاتے تھے اور انہوں نے کہیں کہیں کسی حد تک خودمختار اور آزاد چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔چنانچہ مکہ' مدینہ' جرش' عدن' صحار' لہامہ' دومتہ الجندل' ینبوع' فدک' ایلہ اور مشرقی ساحل پر آباد بستیاں شہری ریاستیں (Civil States) کہی

Marfat.com

جاسکتی ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ معروف ومشہور اہم اور منظم ترین مکہ کی شہری مملکت تھی جسے حضور ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے مکہ پر قبضہ کر کے ۴۴۰ء میں قائم کیا تھا۔ جس کے بارے میں علامہ ندوی لکھتے ہیں: ''قصی نے مکہ میں جو چھوٹی سی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی جو یونان کے شہر ایتھنز اور سپارٹا کے طرز حکومت کا ایک دھندلا سا خاکہ قریش کی سرزمین میں نظر آتا ہے۔'' قصی نے مکہ کا نظم ونسق چلانے کے لئے مختلف محکمے بھی قائم کیے جن میں قصی کے مرنے کے بعد اضافے بھی ہوتے رہے، قبل از بعثت عربوں میں درج ذیل عہدوں کا سراغ ملتا ہے :

حجابہ	:	خانہ کعبہ کی دربانی
سقایہ	:	حاجیوں کو پانی پلانا
رفاوہ	:	حاجیوں کے کھانے کا انتظام اور مالی بندوبست
لواء	:	جھنڈا۔ جنگی عہدہ
ندوہ	:	اجتماع گاہ' مشورت گاہ
مشورہ	:	امور مہمہ میں مشورہ
قیادہ	:	جنگ میں لشکر کی قیادت
قبہ	:	شامیانہ' فوجی معسکر کا انتظام
اعنہ	:	گھوڑے کی لگام' سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری
اموال المحجرہ	:	بتوں کے چڑھاوے' نذرانے اور جائیداد کا انتظام
ایسارہ ازلام	:	بتوں سے استخارہ

Marfat.com

اشناق	:	خون بہا جرمانے اور مالی تاوان' دیت وغیرہ کا انتظام
حکومتہ	:	مقدمات کا فیصلہ وغیرہ
سفارہ	:	سفارت
عقاب	:	جھنڈا' جنگ کے وقت نشان قومی کی علمبرداری
سدانہ	:	کعبہ کی دربانی' کلید برداری اور رکھوالی
افاضہ	:	
اجازہ	:	
نسئی	:	مہینے بدل دینا
حلوان النفر	:	بدلے میں دوسرا فوجی بھیج دینا، جنگی عہدہ

قبائل: تیسرے مرحلے میں عرب کی ایک تیسری اکائی ''قبائل'' کا ذکر بھی ضروری ہے۔عرب کے سیاسی جائزے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہاں اگرچہ ملوکیت، اعیانیت اور دوسری سیاسی تنصیبات وادارے موجود تھے لیکن یہ سب ادارے ''قبائل'' کے نظم کے ماتحت تھے یعنی حکومت سے زیادہ فرد اور قبیلہ کی اہمیت تھی۔ پورے عرب میں چھوٹے بڑے سینکڑوں قبائل آباد تھے، ہر قبیلہ آزاد وخود مختار تھا۔خون کے رشتوں پر اس کی بنیاد تھی۔اسی لئے حسب ونسب بہت اہمیت رکھتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا جو شیخ کہلاتا تھا۔قبیلہ کی سرداری اور سیادت کے لئے شیخ میں چند فطری خصوصیات کا ہونا ضروری تھا۔عرب چونکہ جمہوری مزاج رکھتے تھے اس لئے قبیلہ کا سردار اہل قبیلہ میں سے منتخب ہوتا تھا اور جمہوری اصول کے مطابق وہی اس منصب کا اہل ہوتا تھا جسے عمر، عزت، اولاد، مال اور قابلیت کے علاوہ عرب کی فطری خصوصیات میں دوسروں پر برتری حاصل ہو اور جس کے حامی و مددگار سب سے زیادہ ہوں۔اگر یہی خصوصیات کسی سردار یا شیخ قبیلہ

Marfat.com

کے بیٹے میں بھی موجود ہوتیں تو اسے بھی سرداری وراثت میں مل جاتی تھی۔ شیخ قبیلہ کے تمام سیاسی وانتظامی امور کے علاوہ قانونی معاملات میں بھی مختار کل تھا، وہیں قانون بناتا یا پہلے سے بنے ہوئے قوانین یا شریعت سے اخذ کرتا، ان کا نفاذ کرتا اور قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں جرمانہ اور سزا (مثلاً مکوں یا سلاخ کی ضربیں) بھی دے سکتا تھا۔ سرداروں کو قبیلہ میں حقوق کے اعتبار سے کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا لیکن ان کے فرائض سب سے زیادہ تھے ان کا سب سے بڑا فرض قبیلہ میں اتحاد و یکجہتی قائم رکھنا تھا۔ قبیلہ کے معاملات اجتماعی طور پر باہم مشاورت کے ذریعے ہی طے پاتے تھے۔

ہر معاشرے کی طرح عرب کی آبادی بھی حضری (شہری) اور بدوی (دیہاتی) میں تقسیم تھی۔ شہروں میں رہنے والوں کو حضری اور صحراؤں میں بسنے والوں کو خانہ بدوش یا بدوی کہتے تھے اور مستقل سیاسی زندگی اور سیاسی اہمیت حضری آبادی کو ہی حاصل تھی۔ حضری باشندوں کا ایک مستقل مقام اور مسکن تھا اور چونکہ عرب کے مختلف حصے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے مختلف تھے اس لئے ان کے شہری رواج و رسوم اور عادات و اطوار میں بھی اختلاف پایا جاتا تھا۔ صنعت و حرفت، تجارت و زراعت، نظم و حکومت اور ریاست و مملکت کے مراکز ''حضری آبادی'' میں ہی پائے جاتے تھے۔

شہروں میں جتنے محلے یعنی قبائلی آبادیاں تھیں اتنی ہی مجالس محلّہ بھی ہوتی تھیں، جن کو ''نادی'' کہا جاتا تھا۔ ان نادیوں یا قبائل کی مجلس محلّہ میں ہی اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعے مولا یعنی فرد خاندان بنانے کی رسم ادا کی جاتی تھی اور کسی فرد یا خاندان سے طرز و خلع وغیرہ کرنے کا اعلان بھی وہیں سے کیا جاتا تھا۔ شبانہ قصہ گوئی، انتظامی تجارتی معاملات، کاروانوں کی آمد و رفت وغیرہ قبائلی نادیوں سے ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر قبیلہ میں چند مناصب یا کچھ اہم اور ذمہ دار اشخاص بھی ہوتے تھے مثلاً

Marfat.com

۱۔ نقیب: جسے منادی یا موذن کہتے تھے۔ جس کا کام یہ تھا کہ مجالس کے انعقاد کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ کے سردار کے پاس اپنے خصوصی منادی بھی ہوتے تھے کسی تقریب یا دعوت کا بلاوا یا کسی خاندان یا فرد کے طرد وخلع کی اطلاع دوسرے محلوں کو کرنا بھی اسی کا کام تھا۔

۲۔ عریف: قبیلے اور محلے کے تمام امور کا انتظام اسی کے ذمہ ہوتا تھا۔ اہم لوگوں کے حالات اسی سے دریافت کئے جاتے تھے۔

۳۔ رائد: عرب کے ہر قبیلے کا ایک رائد ہوتا تھا جسے زمینوں اور پانیوں وغیرہ کے حالات کا تجربہ و واقفیت ہوتی تھی۔ پانی اور گھاس کی تلاش میں اپنی قوم سے پہلے ہراول دستہ کے طور پر جانا اس کی ذمہ داری تھی تاکہ اس کی قوم وہاں پہنچ کر اطمینان سے اتر سکے۔

۴۔ شاعر: عربوں کے یہاں ایک رواج یہ بھی تھا کہ جب ان کے کسی قبیلے میں شاعر کا ظہور ہوتا تو دیگر قبائل آ آ کر مبارکباد دیتے پھر دعوت ہوتی اور مجلس رقص و سرور جمتی، گویا شادی کی تقریب ہے پھر ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہتے اور بشارت دیتے تھے کیونکہ شاعر:

(۱) ان کی عزتوں کو بچانے والا (۲) ان کے حسب ونسب کا دفاع کرنے والا
(۳) ان کے کارناموں کو ہمیشگی اور دوام بخشنے والا اور (۴) ان کی شہرت کو بلند کرنے والا ہوتا تھا۔

عرب صرف تین مواقع پر ہی ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے لڑکے کی پیدائش پر، گھوڑے کے بچہ جننے پر اور شاعر کے ظاہر ہونے پر۔

۵۔ خطیب: ہر قبیلے میں ایک خطیب ہوتا تھا۔

Marfat.com

۶۔نساب: کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی ایسا نسب کا ماہر نہ ہو جو فرع کو اصل سے ملا دے اور ایسے لوگوں کو باہر نکال دے جو قبیلے میں سے نہ ہوں۔

۷۔منصف یا حاکم: ہر قبیلے کا ایک منصف ہوتا تھا جس سے وہ اپنے مقدمات کے فیصلے کراتے تھے، ان کی تعداد بے شمار تھی۔ بعض اوقات منصف کو اتنی مقبولیت حاصل ہو جاتی تھی کہ اپنی قابلیت واہلیت کی بنا پر وہ دوسروں کے لئے بھی واجب التسلیم بن جاتا تھا اوران پر بھی ان کا حکم نافذ ہوتا تھا۔ مشہور حکام میں اکثم بن صیفی بن رباح (بنی تمیم) حاجب بن زرارہ، اقرع بن حابس، ربیعہ بن مخاشن، ضمرہ بن ضمرہ (بنی تمیم) عاصر بن الظرب العدونی (قیس)، غیلان بن سلمہ ثقفی (قیس) اور ابوطالب بن عبدالمطلب (قریش) وغیرہ شامل ہیں۔ منصف و حاکم کے منصب پر نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی فائز ہوتی تھیں۔

ریاست مدینہ کی بنیاد: بیعت عقبہ ثانیہ رسول کریم ﷺ اور اہالیان مدینہ کے مابین ذی الحج ۱۲ نبوی کی بارہویں شب کو عقبہ (منی) کے مقام پر منعقد ہوئی۔ اس کے بعد فریقین کے درمیان جس اندازہ پیمانے پر سیاسی روابط استوار ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کی قیادت کو مکمل سمع و طاعت کے جذبے کے ساتھ جس طرح تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے بعد ضرورت صرف اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی قطعہ اراضی میسر آ جائے تو فوراً وہاں ایک ریاست قائم کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد تین اہم اقدامات اٹھائے، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر، مہاجرین و انصار کے مابین عقد مواخاۃ اور میثاق مدینہ کا نفاذ۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد جہاں عقد مواخات کے ذریعے مسلمانوں کو ایک منظّم معاشرہ کی شکل دی گئی۔ وہاں ایک سرزمین بھی حاصل ہوگئی جہاں نراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا۔ گویا ریاست کے کل عناصر لوازم میسر آ گئے تو آپ ﷺ نے بالکل اجنبی

۱۳۲۹۹۳

Marfat.com

ماحول میں باہم متضاد و منتشر عناصر کے تعاون سے' طاقت وتشدد یا جبر وظلم کے بل بوتے پر نہیں بلکہ محض ایک دستاویز کے ذریعے مدینہ میں ایک اسلامی نظریاتی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ نکلسن نے اسے The Beginning of a Muslim State کا عنوان دیا ہے۔

میثاق مدینہ یعنی منشور مدینہ: یہ نوشتہ یا دستاویز جس کے ذریعے مدینہ ایک مکمل شہری ریاست کی شکل اختیار کر گیا اور جس میں حکمران ریاست اور اس کی رعایا کے حقوق و فرائض اور دیگر فوری ضروریات کا تفصیلی ذکر ہے، عام معنوں میں کوئی تحریر یا معاہدہ نہ تھا۔ حضور ﷺ نے اہالیان مدینہ کے لئے جو دستاویز مرتب فرمائی اس کی نوعیت وہ نہیں ہے جو وہ حلیف قبیلوں کے درمیان محالفہ یا معاہدہ کی ہوتی ہے بلکہ اس کا انداز ہ صریحا اس منشور کا سا ہے جو حکمران کی طرف سے رعایا کے لئے جاری کیا جاتا ہے۔(۱)

یہاں اس دستاویز کی نوعیت و اہمیت پر نظر ڈالنا بہتر رہے گا۔ یہ منشور ۵۶ دفعات پر مشتمل تھا جس کی رو سے جہاں مدینہ میں آباد قبائل میں اب خونریزی، دنگا فساد، قتل و غارت گری کرنا سخت ممنوع ہو گیا اور وہیں لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت یعنی امن و امان کا قیام کسی ایک فرد یا قبیلہ کی نہیں بلکہ پورے معاشرہ کی ذمہ داری ہو گئی۔ عرب کے جاہلی معاشرہ میں یہ اتنا تعجب خیز انقلاب تھا جسے ہیل (Hell) سیاست نبوی ﷺ کا اعجاز قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

''ایک عرب باشندہ کو اپنے خاندان یا سرپرست کے علاوہ کسی اور کی پناہ یا تحفظ حاصل نہ تھا لیکن (حضرت) محمد ﷺ نے بیک جنبش اپنے آپ کو اس دائرہ سے نکال لیا اور اس قدیم جاہلی تصور سے بھی نجات پالی جس کے زیر اثر اہل مکہ ان کے خلاف جبر وتشدد کو انتہائی پالیسی اختیار کرنے سے ہچکچاتے رہے اور اس طرح انہوں نے پرانے رشتوں کو معطل کر دیا،

Marfat.com

قدیم خلیجوں کو پاٹ دیا اور ہر مسلمان کو پوری امت مسلمہ کا اجتماعی تحفظ عطا کیا"۔(۱)

اسی اجتماعیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے اگرچہ مدینہ کے سربرآوردہ اہم قبائل کے افراد اسلام قبول کر کے باہم متحد ہو گئے تھے اور پھر آمد رسول ﷺ کے بعد تو مسلمانوں کا ایک مضبوط و مستحکم معاشرہ بھی بن گیا تھا لیکن مدینہ کی کثیر الاجناس آبادی اور اس کے تمام متفرق و منتشر عناصر میں ابھی ایک وحدت قائم نہ ہوئی تھی۔

اس ضرورت کو منشور مدینہ نے پورا کیا اور اس کی وجہ سے جہاں قبائلی طوائف الملوکی کا خاتمہ ہوا اور نسلی و مذہبی لحاظ سے بے حد متضاد و منتشر افراد ایک لڑی میں پرو دیئے گئے وہاں تاریخ عرب میں پہلی بار اتحاد و سالمیت کا عجیب و غریب مظاہرہ مشاہدے میں آیا کہ منشور مدینہ نے ایسے لوگوں کو جنہوں نے کبھی کسی حکومت و سیادت کو تسلیم کیا تھا اور نہ کسی مرکزی نظم و اقتدار کی پابندیاں قبول کی تھیں، ایک قانون' ایک ضابطے اور ایک نظم پر متفق و متحد کر دیا، تمام مرکز گریز قوتیں ایک کل میں ضم ہو گئیں۔ سارے امتیازات جاہلیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام باشندوں کے حقوق مساوی اور ان کے فرائض و واجبات متعین کر دیئے۔ لہذا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا یہ صائب تبصرہ ہے کہ "ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلمون و کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچکدار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا کہ وہ بعد میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین برا ☆ں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی دقت کے صدر مقام بھی بن گیا"۔(۱) ولہازن لکھتا ہے۔

"The first Arabic community with sovereign power was established by Mohammad (PBUH) in the

Marfat.com

city of Madina,

not upon the basis of blood which naturally tends to diversity, but upon that of religion which is equally binding on all-"

"مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ (حضرت) محمد ﷺ کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لامحالہ اختلافات کو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر، جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے۔ "زیر نظر دستاویز ایک معاہدے کی شکل میں نہیں بلکہ ایک فرض اور حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی (ص ۸۳) ولہازن بھی اسے معاہدہ کی بجائے (Decree) فرمان قرار دیتا ہے۔ R.A نکلسن اسے منشور (Charter) کہتا ہے" Nicholson R.A, A Literary History of Arabs, University Press Cambridge, 1962, P.173-

Joseph Hell اسے حکم نامہ (Ordinance) کا نام دیتا ہے (ص ۲۵ تا ۲۶)

اگرچہ سیرت طیبہ کے قدیم و جدید مصنفین منشور مدینہ کو رسول کریم ﷺ اور یہود کے مابین ایک معاہدہ ہی قرار دیتے ہیں مثلاً ابن ہشام، ابن سید الناس وغیرہ۔

میثاق مدینہ جسے کہ ایک معاہدہ عمرانی (۱) کہا جا سکتا ہے، کی رو سے آپ ﷺ کو مدینہ کے ایسے حکمران یا سربراہ ریاست کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کرنے پر مامور تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سربراہ مملکت ریاست کے تمام امور تنہا انجام نہیں دے سکتا لہذا مختلف امور سرانجام دینے میں اہل افسروں کی مدد و اعانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حکمران کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی

Marfat.com

مناصب پر ایسے قابل افسروں کا انتخاب کرے جو ریاست کے مقصد وجود کو سمجھتے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے اپنے مناصب سے، اپنی ذمہ داریوں سے انصاف کے ساتھ عہدہ برآ ہوں۔ لہذا رسول کریم ﷺ نے بحیثیت سربراہ حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے خدا ترس' باصلاحیت' بے لوث' پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو اسلام کی روح سے واقف' دین کے مزاج شناس' راہ حق میں شدائد برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور تربیت یافتہ تھے۔ ان کارکنان ریاست کے ذہنوں میں آپ ﷺ نے یہ بات بٹھا دی تھی کہ حکومت کے عہدے اور مناصب حصول عزت و جاہ اور کسب دنیا کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ خدمت کا ذریعہ ہیں اس لئے ان کو حاصل کرنے کی تگ ودو قابل تحسین نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان مناصب کا رشتہ اخلاق سے جوڑا اور یہ فرمادیا۔

سید القوم خادمھم ''قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے'' نیز فرمایا۔

انالانولی علی ھذا من سائلہ ولا من حرص علیہ (متفق علیہ)

''ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو'' (۱)

۱۔ معاہدہ عمرانی: یہ ایک سیاسی نظریہ ہے۔ اس ضمن میں ہابس، لاک اور روس کے نظریات قابل ذکر ہیں۔ معاہدہ عمرانی کا مقصد قدرتی زمانہ جنگ اور نراجیت سے آزادی حاصل کر کے غیر سیاسی معاشرے سے سیاسی معاشرے کی طرف سفر ہے اور آخر کار ایک ریاست کی تاسیس ہے اور اس طرح افراد کا اپنے اختیارات کو برضا و رغبت کسی فرد واحد یا مجموعہ افراد یا معاشرے یا ارادۂ عامہ کو سونپ دینا ہے۔ (۱)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان اخونکم عندنا من طلبہ

Marfat.com

''ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس کا خود طالب ہو''

ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو رسول اللہ نے اس طرح ہدایت فرمائی۔

''اے عبدالرحمٰن! امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اس کو خود مانگ کر حاصل کرو گے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا''

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے حکومت کے کسی عہدے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ابوذرؓ! یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگی مگر اس شخص کے لئے نہیں جو اس کے حق کے ساتھ اس کو اٹھائے اور اس سلسلے میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں ان کو ادا کرے''۔

پبلک سروس کمیشن کا کردار: امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جدید ریاستوں کا نظام بڑا وسیع، ترقی پذیر اور پیچیدہ ترین ہوتا گیا ہے اور ان کو انجام دینے کے لئے بے شمار محکمے اور شعبے وجود میں آگئے ہیں۔ ان کے لئے ظاہر ہے موزوں سٹاف (افسر اور اہلکار) درکار ہوتے ہیں ان کا تقرر ظاہر ہے ایک حکمران یعنی صدر مملکت یا اس کے مقرر کردہ گورنر اکیلے انجام نہیں دے سکتے اس غرض کے لئے آج کل پبلک سروس کمیشن تشکیل دیئے گئے ہیں جو یہ بھرتیاں کرتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ مختلف محکمے اپنی ضرورت سٹاف Requirement متعلقہ پبلک سروس کمیشن کو ارسال کر دیتے ہیں چونکہ حکومت بھی مرکزی اور صوبائی میں تقسیم ہوتی ہے، ان کی اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں لہذا مرکزی حکومت کے عہدیداروں اور مناصب کے موزوں انتخاب اور بھرتی کے لئے فیڈرل پبلک سروس کمیشن صدر مملکت تشکیل دیتے ہیں اور صوبائی پبلک سروس کمیشن صوبائی گورنرز تشکیل دیتے ہیں۔ صوبائی محکمے اپنی ضروریات یعنی

Marfat.com

اپنی افسروں اور دیگر اہلکاروں کی بھرتی کے لئے صوبائی پبلک سروس کمیشن کو اپنی Requirement بھجواتے ہیں اور مرکزی محکمے فیڈرل پبلک سروس کمیشن کو۔ ہر کمیشن ایک چیئر مین اور چند ممبرز پر مشتمل ہوتا ہے۔ مرکزی کمیشن کے چیئر مین اور ارکان کا تقرر صدر مملکت کرتے ہیں اور صوبائی کمیشن کے چیئر مین اور ارکان کا تقرر متعلقہ گورنرز کرتے ہیں۔ ہر ممبر کو متعدد محکمے دیئے جاتے ہیں۔ کمیشن کی طرف سے متعلقہ افسران پر تقرری کے لئے اشتہار ملک کے مختلف اخبارات میں دیئے جاتے ہیں۔ محکمے نے چونکہ اپنے اپنے محکمانہ (Rules) قواعد وضوابط کی کاپی بھی اپنی Requirement کے ساتھ منسلک کی ہوتی ہے جس میں متعلقہ پوسٹ کے لئے مطلوبہ عمر، تعلیم اور تجربہ مذکور ہوتا ہے، وہ اشتہارات میں مشتہر کیا جاتا ہے۔ مذکورہ تعلیم اور تجربہ کے حامل افراد اپنی درخواستیں متعلقہ پبلک سروس کمیشن کو بھجوادیتے ہیں۔ وہ اپنے تمام درخواست گزاروں میں سے جو اہل ہوتے ہیں یعنی متعلقہ آسامی پر تقرری کے اہل ہوتے ہیں، انٹرویو کے لئے بلاتا ہے۔ انٹرویو میں چیئر مین اور کمیشن کے دو چار ارکان جو اس آسامی کے لئے مطلوبہ تعلیم اور تجربے کی افادیت سے آگاہ ہوتے ہیں شامل ہوتے ہیں۔ متعلقہ محکمے کا ایک ذمہ دار افسر ڈائریکٹر یا ڈپٹی ڈائریکٹر محکمے کی نمائندگی کرتا ہے نیز عموماً یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو جس شعبے سے امیدوار نے ڈگری لی ہو وہ ماہر مضمون کے طور پر بلاتے ہیں وہ امیدواروں کے مضامین سے متعلقہ سوالات کرتے ہیں۔ ارکان میں جنہوں نے وہ ڈگری لے رکھی ہے وہ بھی سوال کرتے ہیں باقی ارکان عمومی قسم کے سوالات کر کے امیدوار کا جنرل نالج دیکھتے ہیں اور اس طرح ان انٹرویوز میں جو امیدوار سب سے زیادہ نمبر حاصل کرتے ہیں وہ اپنے اپنے ضلع کے کوٹے اور انٹرویو میں حاصل کردہ نمبروں کی بنیاد پر مشتہرہ آسامیوں پر تقرری کے لئے سفارش متعلقہ محکمے کو بھجوادی جاتی ہے ان کی تقرری کے احکامات متعلقہ محکمے کا مجاز افسر ہی جاری کرتا

Marfat.com

ہے۔ ہر کمیشن صرف سفارش Recommend ہی کر سکتا ہے لیکن محکمہ ان سفارشات کو قبول کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تودو الامنت الی اھلھا (سورۂ مبارکہ نساء: آیت ۵۸)

''اے اہل ایمان! نہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم ان باتوں کو جانتے ہو''۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔

''چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر آ سکتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا کسی دوسرے شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور مومنوں سے خیانت کی''۔(۱)

یہ درست ہے کہ سب کچھ ایک سربراہ مملکت (صدر) یا سربراہ حکومت (وزیر اعظم) نہیں کر سکتا لیکن تو یہ ممکن ہے کہ سربراہ حکومت صوبوں پر ایسے خدا ترس اور قابل صائب الرائے گورنر مقرر کریں جو اپنے صوبے میں کم از کم امن و امان تو قائم کریں۔ یہ کیا Good Governess یعنی اچھا انتظام ہے کہ ایک صوبے میں ۱۰/۱۲ سال سے ایک گورنر ہے اور وزیر اعلیٰ بھی تیسری باری لے رہے ہیں اور روزانہ ۱۰/۱۲ لاشیں گرنا معمول بن گیا ہے۔ نہ صدر، وزیر اعظم، نہ وزیر داخلہ اور نہ پولیس کے آئی جی صاحبان کے کانوں پر جوں تک رینگتی ہے نہ ان کے دل پر کچھ گزرتی ہے۔ نہ یہ استعفے دیتے ہیں کہ یہ امن و امان قائم کرنے سے قاصر ہیں تو کوئی دوسرا اہل تر یہ کام سرانجام دے۔ کیا یہ سب منصب دار حدیث (ان خونکم عندنا من طلبه) کے ذیل میں نہیں آتے؟ ان کے آنے سے پہلے بھی تو آخر

Marfat.com

اس شہر ناپُرساں کا یہ حال نہیں تھا بلکہ امن وامان تھا۔

رسول کریم ﷺ کے عہدیداروں کی خصوصیات: ارباب حل وعقد کے تقرر اور اولی الامر کے تعین میں رسول کریم ﷺ کا طریقہ کار اور سنت یہ تھی کہ آپ ﷺ اہم کلیدی مناصب پر صرف ان اشخاص کو مقرر فرماتے تھے جو واقعی اس بار امانت کے اٹھانے کے اہل ہوں' صاحب ایمان ہوں اور ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (سورۂ مبارکہ حجرات: آیت ۱۳) ''اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے'' کی روشنی میں تقوی شعار ہوں' دین وشریعت کے عالم' صاحب بصیرت' بےلوث وبےغرض' امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عامل' ریاست اور عوام دونوں کے بہی خواہ ہوں اور معاملات کو عدل وانصاف سے سرانجام دینے کے قابل ہوں۔ حکومت وسیادت کے خالص مادی ودنیوی مناصب پر انتخاب کے یہ منفرد اصول جہاں رسول کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت، نکتہ رسی، معاملہ فہمی اور افراد کے ذہنی ونفسیاتی مطالعہ پر دال ہیں ساتھ ہی وہیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ دین و سیاست کے مابین کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ ان کا امتزاج اچھے سیاست دان اور اچھے منتظم پیدا کرنے کا باعث ہے۔

حضور ﷺ کے نائبین: نظم ونسق ریاست کے سلسلے میں مختلف انتظامی مناصب پر محتاط افراد کی تقرری اور امور ریاست کی احساس ذمہ داری کے ساتھ کڑی نگرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ ریاست نبوی ﷺ کو ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ بہم ہوگیا اور معاملات ریاست جس طرح رسول کریم ﷺ کی دارالحکومت میں موجودگی میں چلتے تھے اسی طرح آپ ﷺ کی مدینہ میں عدم موجودگی میں بھی جاری رہتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنا ایک نائب اور قائم مقام بھی مقرر فرما

Marfat.com

دیتے تھے تاکہ نظم ونسق کے بغیر کسی قسم کی بدنظمی، خلل تاخیر یا تعطل کے چلتا رہے، رسول کریم ﷺ کے ان نائبین میں سے بیشتر حضرت معمر، تجربہ کار، تربیت یافتہ اور مہاجرین میں سے ہوتے تھے۔ کسی نائب یا قائم مقام کا تقرر آپ ﷺ کا مستقل انتظام تھا خواہ وہ موقع جنگ کا ہو یا صلح کا، حج کا ہو یا عمرہ کا۔

حضورؐ کا سیکرٹریٹ: کسی بھی ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لئے افرادکار کے علاوہ اس کا سیکرٹریٹ یا ایک مرکزی دفتری نظام بھی ازبس ضروری ہے خواہ اس کی ہیئت اور شکل کچھ بھی ہو کیونکہ سیکرٹریٹ ریاست کا مرکز ثقل اور اس کے سربراہ کا حافظہ ہے اور جس طرح حافظہ کے بغیر انسانی زندگی منظم نہیں رہ سکتی اسی طرح سیکرٹریٹ یعنی نظام دفاتر کے بغیر ریاست کا نظم ونسق بااحسن چلانا بھی ناممکن ہے۔ رسول کریم ﷺ اس کی اہمیت کا اندازہ عہد نبوت ﷺ کے آغاز میں ہی کر لیا تھا لہذا جیسے ہی وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی املاء وکتابت کا انتظام بھی فرما دیا اور ایسے معتمد علیہ، امانت دار اور ہنرمند افراد کو اس پر متعین کیا جنہوں نے اس فریضہ کو بااحسن وخوبی انجام دیا۔ اصطلاحی طور پر ایسے افراد کو کاتبان وحی کہا جاتا ہے، جن کی تعداد تقریباً چالیس ہے۔ کتابت وحی کے نتیجہ میں قرآن اور وہ قانون بھی مدون ومحفوظ ہوتا چلا گیا جو سیاست دین ودنیا کا اولین مآخذ ہے۔

حضور ﷺ کے سیکرٹریز: رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سیکرٹریٹ کی وہ ہیئت تو نہیں تھی جو بعد کے ادوار میں ظہور پذیر ہوئی البتہ ہر شعبے کے امور کے لئے الگ الگ منصب دار متعین تھے جو متعلقہ شعبہ کا ریکارڈ رکھتے، سربراہ ریاست کے احکامات کو لکھنے کے علاوہ ان کو متعلقہ افراد تک پہنچانا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ اس قسم کا تمام دفتری اور تحریرات کا کام کاتبین اور سیکرٹریوں کی ایک باصلاحیت اور ذمہ دار جماعت سرانجام دیتی تھی۔ اس جماعت

Marfat.com

میں شامل جملہ افراد کے نام اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل تاریخی مآخذ سے جو کچھ بہم ہوئی ہے وہ درج ذیل ہے۔

ا۔ صیغہء خاص: رسول کریم ﷺ ایک ایسی حکومت کے سربراہ تھے جس کی حدود میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہوا اور انتہائی کم مدت میں تمام عرب میں ریاست نبوی ﷺ کا پھریرا لہرانے لگا۔ پھر اس ریاست کے امور وظائف میں بھی اس تیز رفتاری کے ساتھ ترقی ہوئی۔ چونکہ رسول کریم ﷺ کی مصروفیات اپنی مختلف حیثیتوں میں روز بروز بڑھتی چلی گئیں۔ اس لئے آپ کے ذاتی ونجی معاملات اور شخصی امور مختلف صحابہؓ میں تقسیم ہوتے گئے۔ لہذا اس کی نوعیت کے پیش نظر اس صیغہ کو پرسنل ڈیپارٹمنٹ کہا جاسکتا ہے۔

ان امور کی انجام دہی کے لئے جو افسران آپ ﷺ نے مقرر فرمائے وہ مندرجہ ذیل ذمہ داریاں نبھاتے تھے۔

(۱) آپ ﷺ کی ذاتی اشیاء کی حفاظت ونگرانی: یہ منصب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذمہ تھا وہ آپ ﷺ کی مسواک' جوتوں اور لباس کا خیال رکھتے تھے اور عصا لے کر آپ ﷺ کے آگے چلتے تھے۔ (۱)

(۲) آپ ﷺ کے اسفار کا انتظام: عقبہ بن عامر اس کا انتظام کرتے تھے۔ (۲)

(۳) آپ ﷺ کے لئے سواری کا بندوبست: اسقع بن شریک اس کے منتظم تھے۔ (۳)

(۴) رازداری اور خفیہ خبریں پہنچانے کا انتظام: حضرت حذیفہ بن ایمان آپ ﷺ کے صاحب السر تھے۔ (۴)

حضرت عثمان ابن عفان بھی آپ ﷺ کے ''کاتب السر'' تھے یعنی وہ امور لکھا کرتے تھے جن کو لوگوں سے مخفی (Confidential) رکھنا مطلوب تھا۔

Marfat.com

(۵) ذاتی معتمد یا پرسنل سیکرٹری: جس کا کام یہ تھا کہ وہ ہمیشہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہے اور اگر آپ ﷺ کسی کام کو کرنا بھول جائیں تو آپ ﷺ کو یاد دلا دے۔ اگر کوئی کاتب یا سیکرٹری کسی وجہ سے غیر حاضر ہوتا تو اس کے فرائض منصبی بھی ادا کرے۔

(۶) سرکاری مہر کی حفاظت و نگرانی: حنظہ بن الربیع آپ ﷺ کے مہر بردار تھے۔

(۷) حجابت یعنی رسول کریم ﷺ کے اجلاس میں لوگوں کو پیش کرنا: آپ ﷺ کے مولیٰ انسہ اس خدمت پر مامور تھے۔ ابن سعد کے مطابق آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ بعد ظہر آپ ﷺ ہر شخص سے عام ملاقات فرماتے تھے۔

(۸) آنحضرت ﷺ کی ذاتی و نجی مراسلت: حضرت معاویہ اور زید بن حارث ثابت کے ذمہ تھی۔

(۹) رسول کریم ﷺ کے اخراجات کی دیکھ بھال: اس شعبے کے افسر حضرت بلالؓ تھے۔

(۱۰) کاشانہ رسالت یا ازواج مطہرات کی حفاظت و نگرانی: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ابو اسید بن الساعدی۔

(۱۱) مجرموں کی گردن مارنے کے لئے جلاد: حضرت علیؓ زبیرؓ مقداد محمد بن مسلمہ اور عاصم بن ثابت۔

(۱۲) آپ کی حفاظت و پہرہ داری: سعد بن معاذؓ محمد بن مسلمہؓ، زبیر بن العوامؓ ابو ایوب انصاری اس شعبے کے افسران تھے۔

(۱۳) کسی خبر یا حکم کا اعلان یعنی منادی

Marfat.com

سرکاری افسروں اور ملازمین میں رشوت اور تحائف کا چلن: سرکاری ملازمین میں رشوت کا چلن اتنا ہی پرانا ہے جتنا انسانیت کی تاریخ میں حکومتی نظام اور پاکستان میں بھی پہلے رشوت اتنی عام نہیں تھی جتنی آج ہے اور پہلے صرف اس کا چلن محکمہ مال اور P.W.D میں ہوا اور وہ بھی کمیشن کے نام سے اور چھپ چھپا کر لی جاتی تھی لیکن آج تو کھلم کھلا اور بے دھڑک بلکہ جبراً لی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ مقولہ عام ہو گیا ہے کہ ''فائل کو چلانے کے لئے (یعنی متعلقہ افسر کی میز تک پہنچانے کے لئے) پہیے (پیسے) لگائیں'' اسے ''چائے پانی'' کا نام دیا گیا ہے اور اب تو Peon سے لے کر چیئرمین تک کا حصہ رسدی مقرر ہے۔ لیتا نائب قاصد یا پٹواری یا کلرک ہے اور لیتا ہوا پکڑا جائے تو وہی برخاست یا معطل کیا جاتا ہے (بعد میں پھر بحال بھی ہو جاتا ہے) لیکن چیئرمین پکڑا جائے تو اسے ملک سے فرار کرا دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے ''پردہ نشینوں'' کے نام آتے ہیں نیز پہلے غبن لاکھوں یا کروڑوں میں ہوتے تھے اب تو اربوں میں ہوتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ اعلیٰ حکام، وزراء، گورنرز اور وزیراعظم کا سادگی کی بجائے اپنے لئے قومی خزانے سے پرتعیش رہائشوں اور دفاتر کے لئے بے دریغ خرچ کرنا ہے جس کا کوئی احتساب نہیں ہوتا جو ان کی اپنی صوابدید پر ہوتا ہے، نہ اسمبلی سے اس کی منظوری کی ضرورت ہے، نہ کسی اور اتھارٹی سے اور پھر بھی جمہوریت کا الاپ ہے حالانکہ نہ ان کی سیاسی جماعتوں میں اور نہ دینی جماعتوں میں جمہوریت ہے بلکہ موروثیت ہے۔ ایک شخص عرصے سے صدر یا چیئرمین چلا آ رہا ہے وہ فوت یا قتل ہوتا ہے تو اس کے بیٹے، بھائی یا بیوی کو صدارت / چیئرمینی مل جاتی ہے، وہ قتل کر دی جاتی ہے تو خاوند / بیٹا چیئرمین۔ یہ کیسی جمہوریت ہے؟ نہ ان کے الیکشن جمہوری ہیں، نہ ان کی حکومتیں جمہوری ہیں اور پھر بھی جمہوریت کا دعویٰ ہے۔ یہ عوام کو اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اس کے برعکس حضرت عمرؓ اور علیؓ کا عمل ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیت المال قیصر و کسری کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا لیکن آپؓ اس میں سے بقدر کفایت روزینہ کے سوا کسی ادنی چیز کا لینا اپنے لئے حرام سمجھتے تھے۔ ایک بیماری میں طبیب نے دوا میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا' لیکن بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینا گوارا نہ کیا مسجد نبوی ﷺ میں مسلمانوں سے شہد کے استعمال کی باقاعدہ اجازت لی۔ اس لئے کہ بیت المال کو مسلمانوں کی امانت گردانتے تھے' اپنی ذاتی جاگیر نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے غلام ابو رافع بیت المال کے نگران تھے انہوں نے بیت المال کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا ہے' میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کروں گا۔ ابو رافع نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا' تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اسی پر مویشی کو چارا دیتا تھا ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔

الناس علی دین ملوکھم

عوام اپنے بادشاہوں کے چال چلن ہی اپناتے ہیں۔ تحائف کا چلن تو حضور ﷺ کے عمال (افسروں) میں بھی دیکھنے کو ملا اور خلفائے راشدین کے عمال نے بھی اپنے اختیارات کا ناحق استعمال کیا لیکن اس کی فوری گوشمالی کی گئی۔ اس کی مثالیں آج کے جمہوری دور کی طرح نہیں کہ ایک وزیر بلکہ کئی وزراء اور اسمبلیوں کے ممبران اپنے پارٹی لیڈروں کی ہر حکمت عملی کا دفاع ٹی وی چینلز پر کرتے نظر آتے ہیں اور Paid صحافی اخبارات میں ان کے حق میں مضامین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ رشوت اور تحائف کی شرعی حیثیت کیا ہے اس پر

Marfat.com

بحث کی ضرورت ہے۔

رشوت کی تعریف: رشوت عربی لفظ رشاء سے ماخوذ ہے۔ رشاء ایسی رسی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ ڈول کر باندھ کر پانی نکالا جاتا ہے، رشوت دینے والا رشوت کے ذریعے اپنا کام نکالتا ہے۔ شریعت میں رشوت کی تعریف یہ ہے ۔

ایک تعریف یہ ہے۔

الرشوة مايعطى لابطال حق اولا حقاق باطل

''رشوت وہ چیز ہے جو کسی حق کے باطل کرنے یا کسی ناحق کو حق پر ثابت کرنے کے لئے دی جائے'' (التاج، ج ۳، ص ۵۵)

علامہ سید سلیمان ندوی نے رشوت کی تعریف ''مجمع البحار'' کے حوالے سے اس طرح کی ہے، رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے کسی ذی اختیار شخص کو کچھ دے کر اپنے موافق کر لے۔ (۱)

مفتی محمد شفیعؒ صاحب یہ تعریف کرتے ہیں، رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسران اور کلرک سرکاری ملازمت کے قواعد کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں وہ سائل سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ: حکام اور ججوں وغیرہ کو تحائف دینا بھی رشوت کے ذیل میں آتا ہے اور آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

هدايا العمال حرام كلها ''عمال کا ہدیہ قبول کرنا یکسر حرام ہے'' (۱)

هدايا السلطان سحت و غلول ''سلطان کا ہدیہ لینا خیانت اور حرام ہے''

Marfat.com

اخذ الاسیر الهدیته کفر و قبول القاضی الرشوۃ کفر

''امیر کا ہدیہ قبول کرنا اور قاضی کا رشوت لینا دونوں کفر کی طرح ہیں''(۳)

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عنداللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (سورۂ مبارکہ روم: آیت ۳۹)

''تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو کچھ صدقہ زکوۃ تم اللہ کا منہ دیکھتے (خوشنودی کیلئے) دو تو ایسے لوگ ہی نہیں اپنا دو چند کرنے والے۔''

یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور متعدد صحابہ و تابعین نے اس آیت میں ربا سے مراد سود (بیاج) نہیں بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی مالدار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو یعنی سرکاری ملازم اپنے افسر کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا یا کوئی نفع پہنچائے گا مثلاً ترقی (Promotion) اسے ربا سے اس لئے تعبیر کیا کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے تاہم اللہ کے ہاں اس پر کوئی اجر نہیں ہے (فلا یربوا عنداللہ) سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا ''جو تم عطیہ دو اس نیت سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں'' (ابن کثیر)۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام محکموں میں رشوت کے خاتمہ کے لئے تعلیمات نبوی ﷺ کو عام کیا جائے تا کہ عوام و ملازمین خوف خدا اور آخرت کی پکڑ سے ڈر کر رشوت

Marfat.com

لینا دینا چھوڑ دیں۔

لیکن اکثر نفوس ایسے ہوتے ہیں جن کی روحانیت حرام خوری سے مردہ ہو جاتی ہے اور وہ انتہائی قساوت قلبی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اب ان پر وعظ و نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔

اس لئے ایسے لوگوں کے لئے اسلام کے سخت قوانین کا نفاذ کرنا ہوگا تا کہ طاقت سے رشوت کا استیصال ہو کیونکہ

لن ینفع الوعظا قلبا قاسیا ابداً وھل یلین الواعظ حجراً

لن ترجع النفس عن غیھا مالم یکن منھا لھا ذاجمراً

اس لئے تعلیمات نبوی ﷺ یہ ہیں کہ عمال و حکام اور ملازمین کی اچھی تنخواہیں ہوں، ان کی جائز ضروریات پوری کرنے کا انتظام ہو، اس کے باوجود اگر وہ اپنے مناصب اور اختیارات کا ناجائز استعمال کریں تو انہیں سخت سزا دی جائے۔

انسداد رشوت کا واحد راستہ: اس لئے اگر حکومت کی طرف سے کچھ رشوت خوروں کا کڑا احتساب ہو جائے اور انہیں سر عام سزائیں دی جائیں تو بہت کم مدت میں اس برائی کا مکمل خاتمہ کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں اگر علی بن حمود کا سا طریقہ اختیار کیا جائے تو رشوت کا قلعہ قمع کیا جا سکتا ہے۔اندلس میں جب علی بن حمود نے زمام اقتدار سنبھالی تو وہاں بھی رشوت کا اسی طرح چلن تھا جس طرح آج پاکستان میں ہے۔علی بن حمود نے اقتدار سنبھالتے ہی منادی کرادی کہ جو بھی رشوت لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔کچھ دنوں کے بعد علی بن حمود یہ دیکھنے کے لئے نکلا کہ اس کی ہدایات پر کتنا عمل ہو رہا ہے تو ایک سپاہی کو دیکھا کہ انگوروں کا ایک ٹوکرا سر پر اٹھائے چلا آ رہا ہے اسے روک کر پوچھا، یہ انگور کہاں سے لائے ہو؟ سپاہی نے دو بدو جواب دیا، جہاں سے ایک سپاہی لا سکتا ہے، چونکہ رشوت عام تھی اس لئے سپاہی نے اس کو چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔علی بن حمود نے حکم دیا اس سپاہی

Marfat.com

کی گردن اُتار کر ٹوکری میں رکھ دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ علی بن حمود نے اسی طرح دو چار سرکاری ملازمین کی قربانی دی اور تاریخ گواہ ہے کہ رشوت کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیا۔

امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ جب حاکم رشوت لے تو اس کو فوراً معزول کر دیا جائے۔

اذا ارتشی الحاکم یعزل فی الوقت

جیسا کہ آپ ﷺ نے ابوالولید کو صدقات کی وصولی کے لئے ایک علاقے میں بھیجا تو جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے، یہ ریاست کا حق ہے اور یہ میرا حق ہے یعنی ہدیہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے گھر بیٹھے رہتے تو میں دیکھتا تمہیں کون ہدیہ دیتا؟''

اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشن ہدایات کے مدینہ کی اسلامی ریاست کا اخلاق کی طاقت کے زور پر حسن انتظام نے اسلامی ریاست کو طاقت وقوت کو سب نے ذہنی طور پر تسلیم کر لیا تھا اور اسی طرح اسلامی نظام حکومت کے باعث اسلامی ریاست میں وہ سیاسی استحکام پیدا ہوا جس نے مسلمانوں کو ایک قوت بنا دیا جسے عصری طاقتیں عہد اموی وعباسی اور عثمانی کی عصری طاقتیں بھی ماننے پر مجبور تھیں اور تاریخ گواہ ہے کہ جب تک تمام مسلمان جسد واحد کی طرح متحد ومنظم تھے تب تک وقت کی عظیم ترین سلطنتوں نے اسلام کی سیاسی قوت وحشمت کے سامنے سر تسلیم خم کئے رکھا اور جب ان میں مغربی طاقتوں نے اختلاف و افتراق پیدا کیا ان کی قوت وحشمت تعداد میں بے شمار ہونے کے باوجود گہنا گئی اور اب یہود وہنود اور امریکہ پہلے افغانستان پھر عراق کے بعد شام پر حملے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔ جب تک تمام مسلمان تعلیمات نبوی ﷺ کو عملاً اپنا رہبر ورہنما نہیں بنائیں گے اس زوال کی کیفیت سے چھٹکارا محال ہے۔

اللہ کریم تمام مسلمانوں کو تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر دوبارہ عروج کی منازل

Marfat.com

طے کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے (آمین)

ہم اگر پھر اسی رہبر ﷺ کا چلن اپنا لیں
اپنی قسمت میں گھٹا ٹوپ سیاہی نہ رہے
اپنی منزل پہ پہنچ جائیں مسافر سارے
ایک بھی راہ میں بھٹکا ہوا راہی نہ رہے

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا يارب العلمين (آمين)

حوالہ جات

(۱) المنجد، ص۱۰۲۰، القاموس الاصطلاحی الجدید صفحہ ۴۸ دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ۱۹۸۷ء

(۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، ص ۱۰۲،۳۔ مکتبہ العلمیہ پریس لاہور ۱۹۹۸ء

(۳) ندوی، سید سلیمان، ارض القرآن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۵ء، جلد اول، ص ۱۱۶

Margolioth D.S. The relations between Arabs & Israelites Prior to the Rise of Islam, Oxford University Press, London, 1924, P.24-

(۵) حمید اللہ، ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۰۴۔

(۶) سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۲۷۔۱۲۸ نیز ارض القرآن، ص ۳۳

(۷) اس دستاویز کے مکمل متن کے لئے دیکھئے: ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، المکتبۃ التجاریہ الکبری (مصر)، ۱۳۵۳ھ، جلد دوم، ص ۲۰۲ تا ۲۰۵۔ نیز ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۴۱ تا ۱۵۰۔

(۸) The Arab Civilization, Joseph Hell، ترجمہ ایس خدا بخش، شیخ

Marfat.com

محمد اشرف لاہور۱۹۴۳ء ص ۲۵۔

(۹) حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۹۹

- Wellhausen,The Historian's of the world, Vol. VIII,

P.291

(۱۱) ابوداؤد، ج ۲، ص ۴۰۶، کتاب الخراج والفے والامارہ

(۱۲) البخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۸، کتاب الایمان والنذور

Ilyas Ahmad, The Social Contract & the Islamic

State,

Urdu Publishing House Allahabad, 1944, P.130-

(۱۴) السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الرعائی والرعیتہ مکتبہ انصار السنتہ المحمدیہ مطبع

دارالجہاد، قاہرہ، ۱۹۶۱، ص ۱۰

(۱۵) السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الرعائی والرعیتہ مکتبہ انصار النستہ المحمدیہ

دارالجہاد، قاہرہ، ۱۶۹۱، ص ۱۰

(۱۶) ۱۸۱۷ الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، مکتبۃ التجاریہ،

قاہرہ، ۱۹۶۲، ج ۳، ص ۳۶۴

(۱۹) ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، المکتبۃ التجاریہ الکبری،

قاہرہ، ۱۹۳۹، ج ۱، ص ۳۵۹

(۲۰) سیرت النبی ﷺ، ج ۶، ص ۳۱۹-۳۱۸

(۲۱) ابوداؤد کتاب الخراج باب ارزاق العمال، ج ۲، ص ۵۲

O......O

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

الحمدالله وحده والصلوة على من لانبی بعده

عدل اجتماعی کی تعریف: عدل اجتماعی وہ عدل ہے جو معاشرہ اپنے مختلف طبقات کے درمیان قائم کرتا ہے۔ایسا معاشرہ مساوات اور ملی یکجہتی کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے نیز حقوق انسانی کے پیش نظر وہ ہر انسان کو قابل احترام گردانتا ہے۔حقوق انسانی اور مساوات اس کی بنیادیں ہیں۔نیز معاشرے کی ترقی کیلئے ٹیکس لگا کر نہ صرف آمدنیوں کی بلکہ جائیداد کی بھی مساویانہ تقسیم کر کے بہت حد تک معاشی مساوات قائم کرنے کا متقاضی ہے جس میں معاشرے کے ہر فرد کو ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوں اور جس معاشرے میں معاشی تفاوت اور فرق موجود ہو تو اس معاشرے میں معاشی تحفظات دور کرنا اس کا ہدف ہے۔عربی میں اسے عدالت اجتماعیہ کہتے ہیں۔تعریف یوں ہے۔

هی نظام اقتصادی یهدف الی ازالة الفوارق الاقتصادية الكبيره بين طبقات المجتمع (۱)

مختلف مذاہب میں عدل اجتماعی کا تصور:

یہودیت: ربی جوناتھن ساکس Jonathan sacks کہتا ہے کہ یہودیت میں

Marfat.com

عدل اجتماعی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ یہودیت کے بہت اہم اور نمایاں نظریات میں سے ایک ''احساس ذمہ داری'' ہے جس کی عکاسی ان تصورات میں ہوتی۔ خوشی اور مسرت سمکہ (Simcha)، صدقہ (Tzedakah) یعنی صدقہ وخیرات اور لوگوں سے ہر طرح کی ہمدردی وایثار کرنا ان کے ساتھ مہربانی ومروت اور غم وآلام میں مبتلا دنیا کو غم سے نجات دلانا ایک یہودی کا مذہبی فریضہ ہے۔

عیسائیت: کیتھولک فرقے کی تعلیمات کا ایک اہم اور نمایاں پہلو معاشرے کے غریب ترین، نادار اور وسائل سے محروم افراد کا بہت خیال رکھنا ہے، ان کی سات کلیدی تعلیمات میں سے دو کا تعلق عدل اجتماعی سے ہے جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ انسانی زندگی اور عزت وآبرو کی حرمت اور احترام تمام قیمتی مادی وسائل سے بڑھ کر ہے یہ تمام کیتھولک معاشرتی تعلیمات کا بنیادی نکتہ ہے۔

۲۔ معاشرے کے تمام حاجت منداور مفلوک الحال افراد کے ساتھ ترجیحی طور پر بہتر سلوک کرنا اور قولاً وفعلاً ان افراد سے ہمدردی واظہار یکجہتی کرنا۔ اس کی بنیاد دراصل کیتھولک عیسائیوں کا یہ عقیدہ حضرت عیسیٰؑ کی اس تعلیم پر ہے کہ روز محشر اللہ تعالی ہر شخص سے پوچھے گا کہ اس نے دنیا میں اس کے ضرورت مند اور نادار بندوں کی کیا مدد کی تھی۔

''میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ اگر تم میرے ان مفلس ونادار بھائیوں کی مدد کرو گے تو گویا میری مدد کرو گے۔''

میتھوڈسٹ چرچ کی تو بنیاد ہی عدل اجتماعی پر ہے جس میں قیدیوں کی فلاح وبہبود اور غلاموں کی آزادی بھی شامل ہے۔ میتھوڈسٹ چرچ کے اصول وضوابط کی کتاب The Book Discipline میں رقم ہے۔ ''حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو صحت کی سہولتیں فراہم

Marfat.com

کرے۔"

ہندومت: قدیم ہندو معاشرے کی بنیاد مساوات پر رکھی گئی تھی۔ مرور زمانہ خصوصاً آٹھویں صدی عیسوی میں غیر ہندو حکمرانوں نے اسے چار ذاتوں اور جاتیوں میں برہمن ویش کھشتری اور شودر میں تقسیم کردیا۔ آج کل ہندو معاشرے میں اس ناروا تقسیم کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں اور لوگ اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ (۲)

عدل اجتماعی کا سرمایہ دارانہ نقطہ نظر: سرمایہ دارانہ نظام میں چونکہ انفرادی آزادی یا حریت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی قدغن نہیں ہے حتی کہ وہ مذہب کے معاملے میں بھی آزاد ہے۔ یہ بھی اس کا ذاتی فعل ہے۔ دولت کے انبار لگانے میں بھی وہ حدود و قیود کا پابند نہیں ہے۔ سودی معیشت (جو ہر مذہب میں حتی کہ یہودیت و عیسائیت میں بھی حرام ہے) سرمایہ داری بنیاد ہے سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات جب حصول زر کا ذریعہ ہی حرام ہو تو زردار یا سرمایہ دار اپنی دولت میں دوسرے کی شرکت کیسے گوارا کرسکتا ہے اور اگر وہ بادل ناخواستہ کچھ دان پن اور صدقہ و خیرات کرے گا بھی تو اس سے معاشرے میں کیا فلاح و بہبود رونما ہوسکتی ہے؟۔

عدل اجتماعی اور اشتراکیت: عدل اجتماعی کو اشتراکیت کے مترادف قرار دیا جاتا ہے اور یہ معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم کی داعی تو ہے لیکن آج کوئی اشتراکی نظام اپنے زیر اقتدار ممالک (مثلاً روس اور چین اور کیوبا) کیوبا میں معاشی مساوات قائم نہیں کرسکا میں نے دوران تعلیم ۱۹۶۸ء کی بات ہے جب میں ایم اے عربی کر رہا تھا) ایک چینی پروفیسر سے (جو پشاور یونیورسٹی میں شعبہ عربی سے متصل نئے کھلنے والے چینی زبان و ثقافت کے شعبے میں پروفیسر تھے) پوچھا تھا پہلا سوال خدا کے بارے میں تھا ظاہر ہے خدا

Marfat.com

کے وہ قائل نہیں تھے۔دوسرا سوال میں نے پوچھا آپ معاشی مساوات کے دعویدار ہیں کیا چیئرمین ماؤزے تنگ' چواین لائیں اور عام سرکاری ملازم کے مشاہرے اور دیگر سہولیات یکساں ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تھا(There is Differencee) پھر میں نے پوچھا'' کیا ماؤزے تنگ جو لباس زیب تن کرتا ہے اور عام کسان کے لباس (جس کی بظاہر وضع قطع تو ایک جیسی ہے) کا میٹریل ایک جیسا ہوتا ہے اس کا جواب تھا کہ اس میں بھی فرق ہے چیئرمین کے لباس کا میٹریل عمدہ ہوتا ہے میں نے کہا پھر یہ کیسی معاشی مساوات ہے؟ اس کے باوجود کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے اس کے خلاف زبان کھولنے کا یارا نہیں جبکہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دینے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک بدو بآواز بلند کہتا ہے'' لانسمع ولانطیع'' حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا چندروز قبل جو یمنی چادریں تقسیم ہوئی تھیں۔ ہر ایک کے حصہ میں ایک ایک یمنی چادر آئی تھی، میرے حصے میں ایک چادر آئی تھی اس میں میرا کرتہ تو نہیں بنا۔ آپ کا کرتہ کیسے بن گیا حالانکہ آپ مجھ سے قدآور ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر بابا کو دے دی تھی تاکہ ان کا کرتہ تو بن جائے۔ تو وہ بدو کہتا ہے ''الان نسمع و نطیع'' اظہار کی ایسی آزادی کسی معاشرے میں ممکن ہے؟

سرمایہ داری اور اشتراکیت کی خامیاں: جس طرح حریت فرد، روشن خیالی اور سرمایہ داری پر مبنی لادین جمہوریت کا وہ نظام عدل اجتماعی کے منافی ہے جو انقلاب فرانس کے نتیجے میں دنیا کے اکثر غیر مسلم ممالک بلکہ مسلمان ملکوں میں بھی قائم ہے۔ اسی طرح کارل مارکس اور اینجلز کے نظریات پر مبنی اشتراکیت (سوشلزم اور کمیونزم) بھی عدل اجتماعی کے منافی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خامی یہ ہے کہ اس نے فرد کو حد سے زیادہ دے کر خاندان قبیلے،

Marfat.com

برادری، معاشرے اور قوم پر تعدی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی اور اسی سے اجتماعی فلاح کی خدمت لینے کے لئے معاشرے کی قوت ضابطہ کو بہت کمزور اور ڈھیلا کر دیا جبکہ اشتراکیت کا قصور یہ ہے کہ اس نے ریاست کو حد سے زیادہ طاقتور بنا کر افراد، خاندانوں، قبیلوں اور برادریوں کی آزادی بالکل سلب کرلی اور افراد سے معاشرے کی خدمت لینے کے لئے تو مطلق انسان اقتدار دے دیا کہ افراد ذی روح انسانوں کے بجائے مشین کے بے روح پرزے بن کر رہ گئے اور اشتراکیت عدل اجتماعی کی مترادف نہیں بلکہ ظلم اجتماعی کی بدترین شکل بن گئی۔

اسلام میں عدل اجتماعی کا تصور: انسان کو اللہ کریم نے احسن تقویم پر ہملا کیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین:۴) لیکن وہ شیطان کے دھوکے میں آ کر اسفل السافلین بن جاتا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا وسور کم فاحسن مسور کم۔ لیکن شیطان کے دھوکے میں آ کر وہ اسفلا لافلین بن جاتا ہے اور شیطان اپنے فتنہ وفساد کو صلاح وخیر کا دلفریب لباس پہنا کر ہی حضرت انسان کو دھوکہ دیتا ہے جنت میں حضرت آدمؑ کو یہ کہہ کر بہکایا۔ ھل ادلك علی شجرۃ الخلد و ملك لایبلی (کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جو حیات ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے) (طہٰ:۱۲۰)

آج بھی انسان کو شیطان جتنی غلطیوں اور حماقتوں میں مبتلا کر رہا ہے وہ کسی نہ کسی پرفریب نعرے اور لباس زور کے سہارے اسے گمراہ کر رہا ہے، انہی فریبوں میں سے ایک بہت بڑا فریب وہ ہے جو موجودہ دور میں عدل اجتماعی کے نام سے انسانیت کو دیا جارہا ہے۔ شیطان پہلے ایک عرصے تک دنیا کو حریت فکر، حریت فرد اور روشن خیالی کے نام سے فریب دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارویں صدی عیسوی میں سرمایہ داری پر مبنی بے دین

Marfat.com

جمہوریت کا نظام قائم کرایا۔اس وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک حتیٰ کہ اسلامی ممالک تک اس کے خونیں شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دنیا اسے ترقی کا حرف آخر سمجھتی ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں اگر کوئی نظام ہے تو بس یہی سرمایہ دارانہ نظام اور بے دین جمہوری نظام ہے جس کا مغرب ومشرق میں ڈنکا بج رہا ہے۔

پھر یوں ہوا کہ دنیا کو یہ احساس ہوا کہ اس شیطانی نظام نے دنیا کو ظلم وجود سے بھر دیا پھر اس کا ردعمل شروع ہے (وال سٹریٹ پر محلوم عوام کا قبضہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔اس سے قبل زیادہ دیرنہ گزری تھی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب عدل اجتماعی اشتراکیت کے نام سے گھڑ لایا اور اس لباس زور نے اس نے دوسرا نظام برپا کروایا۔اس نئے نظام نے بھی دنیا کے متعدد ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے کر انہیں ایسے ظلم عظیم سے بہریز کردیا جس کی تاریخ انسانی میں نظیر محال ہے لیکن اس کے زور اور تاثیر کا یہ حال ہے کہ بہت سے ممالک اسے ترقی کا حرف آخر سمجھ کر قبول کئے ہوئے ہیں ان میں کیوبا اور تیونس جیسے اسلامی ممالک بھی شامل تھے۔اس فریب کا پردہ اس وقت چاک ہوا جب ۱۹۷۹ء سوشلسٹ روجیسی سپر پاور نے افغانستان جیسے پسماندہ ملک پر اپنی افواج قاہرہ چڑھا دیں۔ (گرم پانی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے) لیکن وہ دس سال تک افغانستان کے چٹیل پہاڑوں سے سر ٹکرا کر خود ہی پاش پاش ہوا اور ۱۹۸۹ء میں اس کی افواج خاسب ونامراد ہو کر افغانستان سے بھاگنے پر مجبور ہو گئیں۔چین جو دوسرا بڑا اشتراکی ملک ہے رفتہ رفتہ پھر سرمایہ دارانہ نظام کی طرف لوٹ رہا ہے۔

چاک کر دی ہے ترک نادان نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

Marfat.com

۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے اغیار کی ریشہ دوانیوں اور اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں زوال کے بلامسلمانوں کو ہر شعبے میں ایسا زوال شروع ہوا کہ ان کے پاس اپنا ایک وحی الٰہی یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ایک واضح اور عادلانہ نظام موجود ہے جس میں معاشرت، معیشت، ریاست، عبادات اور معاملات کے بارے میں روشن اور واضح ہدایات موجود ہیں۔اس کے باوجود یہ بے دین جمہوریت اور لادین اشتراکیت جیسے نظاموں سے مرعوب ہوتے رہے یا اغیار کے گماشتوں نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس سے ظاہر ہے کہ روس کے تتر بتر ہونے پر ترتمستان کرغیستان، آذربائیجان جیسے کئی متعدد مسلمان ممالک جن پر روس نے بزور تسلط جمالیا تھا اور ان پر اشتراکیت کو بھی مسلط کر رکھا تھا آزاد ہو گئے لیکن وہاں دوبارہ اسلامی نظام خلافت قائم نہیں ہو سکا۔ (یہ ممالک بھی خلافت عثمایہ کا حصہ تھے) بلکہ اب وہ جمہوریت کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں۔

اب عربوں میں بہار انقلاب (جیسے اغیار عرب سپرنگ کا نام دیتے ہیں) کے بعد کچھ بیداری کے آثار پھر نمایاں ہوئے تو ہیں لیکن خدشہ ہے کہ وہ خلافت یعنی اسلامی نظام کی بجائے پھر نام نہاد جمہوریت (جو مسلمان ممالک میں اکثر فوجی آمریت میں بدل جاتی ہے) کا شکار نہ ہو جائیں اس کی بنیادی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے دین سے غافل اور مغربی تہذیب وثقافت کی یلغار سے مرعوب ایک ایسا طبقہ ہمیشہ موجود رہا ہے کہ مغربی کیمپ سے جو صدا یا نعرہ بلند ہوتا ہے یہ مغرب زدہ طبقہ وہی نعرہ لگانا شروع کر دیتا ہے۔ جب انقلاب فرانس کا شور غوغا اٹھا تو یہ مغرب زدہ طبقہ موقع بے موقع انہی افکار کا اظہار کرنے لگا اس خوف سے کہ کہیں اسے رجعت پسند نہ قرار دیا جائے۔ جیسا اشتراکیت کا غلغلہ بلند ہوا تو اس طبقے نے عدل اجتماعی اور اشتراکیت کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ طبقہ اپنے -کی ہر تبدیلی کے ساتھ چاہتا ہے کہ دین رجعی، کے الزام سے بچنے کے

Marfat.com

لئے اسلام بھی اپنا قبلہ تبدیل کرے۔ پہلے ثابت کرنے کی کوشش ہوتی رہی کہ انفرادی آزادی، روشن خیال اور لادین جمہوریت عین اسلامی ہے۔ پھر یہ ثابت کرنے پر باور از ور صرف کیا جاتا رہا کہ اسلام میں بھی اشترا کی طرز عدل اجتماعی موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی کیمپ نے 9/11 کے سانحے کی آڑ لے کر (جسے آج تک ثابت نہیں کیا جاسکا کہ اس کے ذمہ دار مسلمان (اسامہ بن لادن) ہی تھے۔ تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے دیا۔ حالانکہ 9/11 کے بعد اس دہشت گردی کا شکار تو مسلمان ممالک ہی ہو رہے ہیں۔ عراق کے بعد افغانستان اور پاکستان جہاں خودکش دھماکے آئے روز کا معمول بن چکے ہیں حتی کہ کہیں (بلدیہ ٹاؤن) جیسی آتشزدگی بھی ہوتو ذمہ دار اہل اقتدار اپنی نااہلی چھپانے کے لئے اس میں بھی دہشت گردی کا عنصر تلاش کرنے لگ جاتے ہیں سوال یہ ہے کہ دہشت گردی کو روکنا کس کی ذمہ داری ہے محض بیانات داغنے سے تو دہشت گردی ختم نہیں ہوتی۔

گذشتہ دنوں ملعون امریکی پادری ٹیری جونز کی ۲۰۱۰ء میں قرآن کریم کے مقدس اوراق کو نذر آتش کرنے کے بعد دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی حیات پر گستاخانہ فلم بنانے اور یوٹیوب پر چلانے جیسی گری ہوئی حرکت پر امریکہ کی شہہ پر اقتدار پر براجمان مسلمان حکمرانوں نے ایسی چپ سادھ لی ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ان کا کوئی مذمتی بیان تک اخبارات کی زینت نہیں بنا حالانکہ ان کے بیانات اخبارات کی شہ سرخیاں بنتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ سلطنت عثمانیہ (جسے اہل یورپ نے مردہ بیمار کا لقب دیا تھا) کے سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں بھی پیش آیا تھا۔ اس کے بارے میں موجودہ ترکی کے ایک مصلح محمد فتح اللہ گولن اپنی کتاب ''اسلام اور دور حاضر میں'' رقمطراز ہیں ''عثمانیوں سے عداوت اہل مغرب کے ہماری اور ہمارے ہاں مغرب کی اندھی تقلید کرنے والوں کی غفلت سے فائدہ

Marfat.com

اٹھانے کا نتیجہ ہے۔مثلاً ایک دور میں فرانسیسیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو ''(Le-sultan ruj) (خونی بادشاہ) کا لقب دیا تھا۔ان کی دیکھا دیکھی ہمارے صحافیوں نے بھی اس لقب کو اپنے اخبارات میں جلی حروف کے ساتھ شائع کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کے بارے میں تمام ناپسندیدہ القاب مغرب سے درآمد کردہ ہیں۔ یہی وجہ ہے ہمارے عظیم ہیروں کیلئے استعمال ہونے والے کسی بھی بڑے لقب کا ہماری زبان سے تعلق نہیں بلکہ سب کی کڑیاں یورپ سے جاملتی ہیں۔''

پھر لکھتے ہیں، عثمانیوں نے اپنے زوال کے بدترین ادوار میں بھی دین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا فرانسیسی ادیب والٹیر نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک گستاخانہ ڈرامہ لکھا حکومت فرانس اس ڈرامے کو سٹیج پر دکھانا چاہتی تھی، جب ترکی کو مرد بیمار کہا جاتا تھا لیکن جب سلطان عبدالحمید جس پر (Le sultan ruj) (خونی بادشاہ) ہونے کا الزام لگایا جاتا تھا کو سرورانبیاء کرام ﷺ کی شخصیت پر اس حملے کی اطلاع ملی تو اس زخمی شیر نے حکومت فرانس کو ٹیلی گرام بھیجا کہ اگر تم نے میرے اور تمام مسلمانوں کے رسول کی شخصیت کو نشانہ بنانے والے ڈرامہ کو سٹیج پر دکھایا تو میں تمام عربوں اور مسلمانوں کو تمہارے خلاف کھڑا کر دوں گا۔اس ٹیلی گرام سے فرانس میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور فرانس کی حکومت اس ڈرامے کو سٹیج پر دکھانے کی ہمت نہ کرسکی۔اس کے بعد برطانیہ نے بھی اس ڈرامے کو سٹیج پر دکھانا چاہا تو اس زخمی شیر نے اسے بھی دھمکی آمیز ٹیلی گرام بھیجا جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ بھی اپنے مذموم ارادے سے باز رہی ہمارے اسلاف اس قدر عظیم لوگ تھے جو دین کی حفاظت کرنا اپنا فرض منصبی جانتے تھے آج تو سیکولرازم یعنی لادینیت اور بے دینی کا عروج ہے اور اب

زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

ہمارے اسلاف عقاب تھے ان سے دنیا خائف تھے یہ زاغ ہیں دنیا سے ڈرتے ہیں،

Marfat.com

پہنچے ہیں۔ حالات پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ انہوں نے مخفی کر رکھے ہیں ذات ڈالر کے اور اخبارات میں اپنی تصویریں چھپوا کر ہیروؤں کی صورت میں اپنے بت آویزاں کر کے اپنے آپ کو غازی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حرمت رسول ﷺ کے تقاضے پورے کر دیے۔ مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں۔

نہ جب تک کٹ مروں میں رسول اللہ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

کیا ہمارے مسلمانوں کے موجودہ حکمرانوں میں سے کوئی بھی سلطان عبدالحمید ثانی جیسا ہے۔ حالانکہ یہ عوام کے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہی کی بدولت یہ اقتدار کے ایوان میں براجمان ہیں اور ان کے عوام سڑکوں پر روزانہ ریلیاں نکال رہے ہیں لیکن حکمران ہیں کہ ان کو چپ لگ گئی ہے۔ کیا سرورانبیاء ﷺ ان کے رسول نہیں ہیں یا یہ ان کے امتی نہیں ہیں؟ ان کا رسول اللہ سے کوئی رشتہ نہیں ہے؟ ان کے دور میں ملکہ برطانیہ سلمان رشدی ملعون کو سر کے خطاب سے نوازتی ہے اور یہ کوئی احتجاج نہیں کرتے لیکن جب عوام احتجاج کرتے ہیں یا پرامن ریلیاں نکالتے ہیں حکومت ان پرامن ریلیوں پر شیلنگ اور فائرنگ کر کے انہیں پرتشدد بنا دیتی ہے۔ جب پولیس پرامن مظاہرین پر شیلنگ اور فائرنگ کرے گی تو کیا مظاہرین ردعمل نہیں کریں گے؟ اس میں جلوسوں کے ساتھ ڈیوٹی دینے والے افسروں اور ریلیاں نکالنے والی جماعتوں کی قیادت کا برابر کا قصور ہے۔ احتجاج کرنا عوام کا بنیادی حق ہے لیکن احتجاجی جلوس کو پرامن رکھنا جلوس کی قیادت اور ڈیوٹی پر متعین افسروں کا فرض منصبی

Marfat.com

ہے۔ حیرت ہوتی ہے ان افسروں پر جو سی ایس ایس جیسے بڑے بڑے امتحان پاس کر کے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں لیکن وہ ایسے غیر معمولی واقعہ پر عقل سے ذرا کام نہیں لیتے، ایسے غیر معمولی واقعات سے عہدہ برا ہونے کی ان میں ذرا اہلیت نہیں ہوتی۔ انہیں چاہیے کہ جلوس کے قائدین سے جلوس سے پہلے ملاقات کر کے انہیں قائل کریں گے کہ غیر ملکی سفارتکاروں کی جان و مال، عزت و آبرو اور ان کے سفارتخانوں کی حفاظت کرنا قانوناً حکومت اور اہل وطن کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ قیادت کو اس پر بھی آمادہ کیا جاوے کہ وہ اشتعال انگیز تقریریں نہیں کریں گے۔ دلائل سے بات کریں گے وہ انہیں جو بھی یادداشت دینا چاہیں دے دیں، اپنا احتجاج ریکارڈ کرائیں اور واپس آ جائیں اور جلوس کو بھی پرامن طور پر منتشر ہو جانے کا کہیں۔ اس طرح نہ قیمتی جانوں کا ضیاع ہو گا نہ شہریوں کی املاک تباہ و برباد ہوں گی نیز پولیس شر پسند اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے عناصر (جن کے بستے تھانوں میں ہوتے ہیں) جو ضمانت پر کھلے پھر رہے ہوتے ہیں اس روز کے لئے حراست میں لے لیں یا انہیں جلوس اور ریلیوں میں شامل نہ ہونے دیں یہ ایسے اقدامات ہیں جو پولیس اور انتظامیہ کو جلوس سے قبل لازماً کر لینا چاہیے۔

عدل اجتماعی کی حقیقت: انسانی معاشرہ ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں ذی روح، ذی عقل اور صاحب شعور افراد سے مل کر بنتا ہے اس کا ہر فرد ایک مستقل شخصیت کا مالک ہوتا ہے جسے پھلنے پھولنے اور نشو و نما پانے کے لئے مناسب مواقع درکار ہوتے ہیں۔ ہر فرد کا ایک اپنا ذوق ہوتا ہے اس کے اپنے نفس کی کچھ رغبات و خواہشات اور اس کے روح و جسم کی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ یہ افراد کسی مشین کے بے جان پرزوں کی مانند نہیں ہوتے انسانی معاشرہ چونکہ جیتے جاگتے انسانوں کا مجموعہ ہوتا ہے یہ افراد اس مجموعے کیلئے نہیں ہوتے بلکہ مجموعہ ان افراد کے لئے ہوتا ہے نیز افراد جمع ہو کر یہ مجموعہ اسی لئے بناتے ہیں کہ تا کہ ایک

Marfat.com

دوسرے کی مدد سے انہیں اپنی ضروریات اور اپنے نفس و جسم کے مطالبات اور تقاضے پورے کرنے کے مناسب مواقع میسر ہوں۔

انفرادی جواب دہی: معاشرے کے ہر فرد کو اس دنیا میں ایک خاص مدت امتحان (جو ہر فرد کے لئے الگ الگ مقرر ہے) گزار کر بالآخر اپنے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اور ان قوتوں اور صلاحیتوں کا جو دنیا میں اللہ کریم نے اسے بخشیں اس کا فرداً فرداً حساب دینا ہے۔ خدا کے حضور انسان کی یہ جواب دہی اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہوگی، وہاں کنبے، خاندان، قبیلے اور قومیں کھڑی ہو کر حساب نہیں دیں گی بلکہ انسان کو روز محشر کسی رشتے ناطے کا ہوش ہی نہیں ہوگا اور اللہ کریم ہر انسان سے فرداً فرداً یہ پوچھے گا کہ وہ کیا عمل کر کے آیا ہے۔

انفرادی آزادی (Individual Liberty)

یہ دونوں باتیں یعنی دنیا میں انسانی شخصیت کی نشو و نما اور تکمیل اور آخرت میں انفرادی جواب دہی یہ تقاضا کرتی ہیں کہ دنیا میں فرد کو آزادی حاصل ہو۔ جب کسی معاشرے میں انسان اور فرد کو اپنی مرضی کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مناسب مواقع نہ ملیں تو اس کے محاسبہ اور آخرت میں جواب دہی کے کیا معنی؟ دنیا میں اس قسم کا جابرانہ نظام قائم کرنے کے جو ذمہ دار ہیں ان سے نہ صرف ان کے انفرادی اعمال کا محاسبہ ہوگا بلکہ ان کے اس عمل کا بھی محاسبہ ہوگا کہ انہوں نے ایسا جابرانہ نظام کیوں قائم کیا جو خلاف فطرت ہے اور جس نے لاتعداد انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق اور ان کی مرضی کے خلاف ناقص اور تشنہ تکمیل شخصیتیں بننے پر مجبور کیا۔

اجتماعی ادارے اور ان کا اقتدار

یہ تو تھی انفرادی آزادی کی بات جہاں تک معاشرے کا تعلق ہے جو قبائل، اقوام اور

Marfat.com

پوری انسانیت کی شکل میں قائم ہوتا ہے یا تشکیل ہوتا ہے اس کا آغاز ایک مرد ایک عورت اور ان کی اولاد سے ہوتا ہے۔فرمان الٰہی ہے۔یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکرو انثیٰ و جعلنکم شعوباوقبائل (الحجرات:۱۳)

اس سے خاندان بنتے ہیں خاندانوں سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں، جن سے ایک قوم وجود میں آتی ہے۔قوم اپنے اجتماعی اداروں کے نفاذ کیلئے ایک ریاست قائم کرتی ہے۔ان مختلف صورتوں میں ان اجتماعی اداروں کے قیام کی غرض ونمایت ہی یہ ہے کہ ان کے تحفظ اور مدد سے فرد کو اپنی شخصیت کی تکمیل اور مناسب مواقع مل سکیں۔جو تن تنہا اپنے بل بوتے پر اسے نہیں مل سکتے۔اس بنیادی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان میں سے ہر ادارے کو افراد پر بڑے ادارے کو چھوٹے اداروں پر اقتدار حاصل ہوتا ہے تا کہ وہ افراد کی ایسی آزادی پر قدغن لگا سکیں جس سے وہ دوسروں پر ظلم وتقدی نہ کر سکے اور افراد سے وہ خدمت لے سکیں جو معاشرے کے تمام افراد کی اجتماعی فلاح وترقی کے لئے درکار ہو۔یہی وہ مقام ہے جہاں عدالت اجتماعیہ کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اور انفرادیت اور اجتماعیت کے باہم متضاد تقاضے ایک مسئلہ بن جاتے ہیں۔ایک طرف انسان کی انفرادی فلاح اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ فرد کو معاشرے میں اپنی استعداد، صلاحیتوں اور اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کی آزادی حاصل ہو۔نیز اسی طرح خاندان قبیلے، برادریاں اور مختلف گروہ بھی اپنے سے بڑے ادارے کے اندر اس آزادی سے مستفید ہوں جو اپنے دائرہ عمل میں انہیں حاصل ہونا ضروری ہیں اور دوسری طرف انسان کی فلاح ہی اس امر کی بھی متقضی ہے کہ افراد پر خاندان کا خاندانوں پر قبیلوں اور برادریوں کا اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر مملکت کا اقتدار ہو۔تا کہ کوئی اپنی حد سے نہ تجاوز کرے، نہ دوسروں پر ظلم وقعدی کرے اور یہی ضرورت پوری انسانیت کے لئے بھی پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف ہر قوم اور ریاست کی

Marfat.com

آزادی اور خودمختاری بھی برقرار رہے اور دوسری طرف ان سے بالاتر کوئی قوت ضابطہ بھی موجود ہوتا کہ یہ اقوام اور ریاستیں اپنی اپنی حد میں رہ کر کام کریں اور ان حدود سے سرانحراف نہ کریں۔

لہذا عدل اجتماعی یا عدالت اجتماعیہ کی حقیقت یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی میسر ہو اور اس کے ساتھ ظلم و عدوان کو روکنے کے لئے مختلف اداروں کو افراد پر ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور اداروں سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح و ترقی کے لئے مطلوب ہے۔

ظلم کی قباحتیں اور ظلم کا انجام: عدل کی ضد ظلم ہے اسلامی تعلیمات کی ممتاز خوبی یہ ہے کہ جب کسی عظیم الشان کام کا حکم دیتا ہے تو اس حکم کی عدم تعمیل کے جو مضر اثرات ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کر دیتا ہے تا کہ اس حکم کی تعمیل کرنے کے فوائد اور اس کی خلاف ورزی کے نقصانات دونوں پیش نظر رہیں اسلام نے جہاں عدل کی بار بار تاکید کی اور اس کے فوائد گنوائے ہیں وہاں ظلم کے برے نتائج بھی بیان کئے ہیں تا کہ طبائع انسانی عدل کی طرف راغب ہوں اور ظلم سے متنفر ہو جائیں۔قرآن کریم میں ہے کہ ظالم گمراہ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے اور اس طرح کفر و معصیت کی آفت میں مبتلا ہوتا ہے اس لئے ظالموں کے عبرتناک انجام ہیں۔

عدل اجتماعی کی اہمیت: تمام کائنات کا نظام عدل وقسط پر قائم ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں فرمان الٰہی ہے۔

والسمآء رفعهاووضع الميزان الاتطفوا فی الميزان و اقيمو الوزن

Marfat.com

بالقسط ولا تخسر والمیزان۔

ترجمہ: اور اس نے آسمان کو اونچا کیا اور اس میں میزان رکھی کہ تم بھی میزان میں تجاوز نہ کرو اور ٹھیک تولو۔ پورے انصاف کے ساتھ اور وزن میں کمی نہ کرو۔

ان آیات میں آسمان کی چند واضح اور روشن نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد (کہ سورج، چاند، ستارے اور شجر و حجر اپنے خالق کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہیں یعنی اس کے احکام بلا چون چرا بجالاتے ہیں) والشمس والقمر بعسبان والنجم والشجر یسجد ان۔

خود آسمان کی طرف توجہ دلائی کہ ستونوں کے بغیر ایسی ناپیدا کنار چھت تمہارے سروں پر چھتری کی طرح تان دی جس کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں۔ اسی بے پایاں عظمت و وسعت کے باوجود اس میں ایسا توازن و عدل رکھا ہے کہ اس کے کسی کونے گوشے میں نہ تورتی بھر جھول ہے نہ کوئی رخنہ نہ دراڑ۔

دوسری جگہ اسی حقیقت کو اسی طرح بیان فرمایا۔

خلق السموات بغیر عمدترونھا (لقمان:۱۰)

سورۃ ملک میں ارشاد ہے۔الزی خلق سبع سموت طباقاط ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت۔

یہی ہے جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے اور تم رحمٰن کی اسی کاریگری میں کوئی نقص نہیں پا سکتے۔ بغیر عمد ترونھا سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آسمان کی چھت میں میزان (توازن) قائم کرنے کے لئے اللہ کریم نے جذب و کشش (کشش ثقل) کے ایسے ستون استعمال کئے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔

الا تطفوا فی المیزان۔ یعنی خالق ارض وسمانے آسمان کے اندر میزان (توازن)

Marfat.com

رکھی جس پر یہ قائم ہے یہ نہ ہوتو آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے اور یہ ہمارے سروں پر آ گرے تو اس سے خالق کے ذوق اور اس کے مزاج کا اندازہ ہوا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کا احسن تقویم پر بنا ہوا انسان بھی اپنے دائرہ اختیار واقتدار میں اسی عدل وقسط اور توازن کو ملحوظ خاطر رکھے۔اس میزان (توازن' عدل وقسط) میں فساد پیدا نہ کرے ورنہ تمام نظام معاش و معیشت اور معاشرت میں فساد برپا ہو جائے گا۔یعنی قرآن اسی عدل وقسط کا داعی ہے جس کی شہادت ہمارے سروں پر تنے ہوئے آسمان کا ہر گوشہ دے رہا ہے اور اس کی خلاف ورزی سے ہمیں ڈرا رہا ہے اور اس کے تباہ کن نتائج سے ہمیں آگاہ کر رہا ہے کہ اگر ہم نے اپنے طغیان وسرکشی کی بدولت یہ میزان (توازن،عدل وقسط) درہم برہم کرنے کی غلطی کی تو اس کی سزا اس دنیا میں بھی بھگتنی پڑے گی اور آخرت میں بھی۔

واقیمو الوزن بالقسط ولا تخسرو المیزان۔ محولہ بالا آیت جو حقیقت بیان ہوئی وہ ایک کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے اسی کلیہ پر مبنی دوسری حقیقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی جارہی ہے جس کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے۔ارشاد ہوا کہ جس خالق کے بنائے ہوئے آسمان کے سائے میں رہتے ہو جب یہ معلوم ہے کہ وہ میزان (توازن) قائم کرنے والا اور عادل خدا ہے تو اس کی دنیا میں رہتے ہوئے ڈنڈی نہ مارو' ناپ تول میں کمی نہ کرو بلکہ پورا پورا تولو اور پورے انصاف' عدل کے ساتھ وزن کرو۔قرآن کریم قوم شعیبؑ کی سرگزشت کے ذیل میں اس حقیقت کی طرف بارہا اشارہ کر چکا ہے کہ ناپ تول میں کمی کوئی معمولی برائی نہیں بلکہ یہ پورے نظام تہذیب وتمدن میں فساد کی ایک خوفناک علامت ہے۔مزید برآں اور خرابی دراصل اس میزان کے منافی ہے جس پر اللہ کریم نے تمام کائنات کا انتہائی متوازن نظام قائم فرمایا ہے، جب کوئی قوم اس فساد کو قبول و گوارا کر لیتی ہے اور اپنے اندر اس کو رواج دیتی ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس اساس و بنیاد

Marfat.com

ہی کے ڈھا دینے اور منہدم کر دینے پر تلی ہوئی ہے جس پر اللہ کریم نے اس عالم رنگ و بو کی تعمیر فرمائی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ایک ہی حقیقت مثبت اور منفی دونوں انداز سے بیان فرمائی گئی ہے۔ غور کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ قرآن کریم یہ اسلوب بیان ان مواقع پر اختیار کیا گیا ہے جہاں اصل حکم کی خلاف ورزی کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ناپ تول میں کامل انصاف کا حکم ایک عظیم حکم ہے اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ اس میزان عدل کی ایک فرع ہے جس پر اللہ کریم نے اس تمام کائنات کا نظام قائم فرمایا ہے نیز جب کوئی قوم اس میزان عدل میں فساد برپا کر دیتی ہے تو گویا وہ سارے نظام تہذیب و تمدن میں فساد برپا کرنے کا موجب بنتی ہے۔ پھر اس کے مہلک نتائج بھی ظاہر ہے وہ خود ہی بھگتے گی۔ جس سے منع کی کوئی راہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس میزان عدل کو دوبارہ قائم کرے

تعلیمات نبوی ﷺ: ہجرت مدینہ کے بعد خاتم النبین محمد رسول ﷺ نے مدینہ میں سیاسی طاقت حاصل کر کے مدینہ میں جو اسلامی ریاست تشکیل فرمائی اس کی بنیاد درج ذیل اصول و ضوابط تھے۔

اللہ کا قانون بالاتر ہے اسلامی ریاست کا اولین بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق پر حاکمیت کا حق صرف اللہ کو ہے اور اہل ایمان اس کے خلیفہ (Vieegenrant) ہیں۔ خلیفہ اپنے احکام انسانوں پر نافذ نہیں کرتا وہ احکام الٰہی نافذ کرنے کا پابند ہے جن کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں اس ضابطے اور قاعدے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ان الحکم الاللہ امر الا تعبدو الا ایاہ ذلك الذین القیم (یوسف:۴۰)

Marfat.com

حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی اور اطاعت نہ کرو یہی صحیح طریقہ ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہی کافر ہے۔ ومن لم یحکم بما انزالله فاولیك هم الكفرون (المائدہ:۴۴)

احادیث میں بھی اس اصل الاصول کی تفصیل موجود ہے۔

فرمان رسول ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلو ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنته رسوله

میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جنہیں اگر تم تھامے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔

مااسرتکم به فخدو وسا نهیتکم عنه فانتهوا۔

ان الله فرض فرائض فلا تضیعو ها و حرم حرمات ولا تنتهکو ها وحد حدودا فلا تعتدو هاسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها

اللہ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو کچھ حرمتیں مقرر کی ہیں انہیں نہ توڑو کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے بغیر نسیان کے اس کی کھوج مت کرو۔

علیکم بکتاب الله أحلو حلاله و حرمو حرامه

تم پر کتاب اللہ کی پیروی لازم ہے جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال کرو اور جس چیز کو اس نے حرام کیا ہے اسے حرام کرو۔

عدل بین الناس: وہ اہم ضابطہ واصول ہے جو اسلامی ریاست کی بنیاد ہے یہ کہ اللہ

Marfat.com

اور اس کے رسول کا بنایا ہوا قانون سب کے لئے ہے جو عام آدمی سے لے کر سربراہ مملکت پر بھی یکساں نافذ ہوتا ہے اس میں کسی کے لئے کوئی استثنیٰ نہیں ہے۔ کتاب اللہ میں فرمان الٰہی ہے حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے۔ و امرت لاعدل بینکم اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں (الشوریٰ:۱۰۰)

مجھے بے لاگ انصاف کرنے کا حکم ہے میں نہ کسی کے حق میں ہوں نہ کسی کا مخالف۔ جو حق پر ہے میں اس کا حامی ہوں جو حق پر نہیں ہے میں اس کا مخالف ہوں۔ اپنے، غیر بڑے، چھوٹے شریف اور ذیل کے لئے الگ الگ احکام نہیں ہیں، نہ ان کے حقوق الگ الگ ہیں۔ جو حق ہے اور حلال ہے وہ سب کے لئے ہے اور جو ناحق حرام ہے وہ بھی سب کے لئے کسی کے لئے کوئی امتیاز نہیں ہے فرمایا انما ھلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون احد على الوضيع ويتركون الشريف' والذى نفس محمد بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذالك لقطعت يدها۔

تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر محمد کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حکم بین الناس: اسی قاعدے کی فرع یہ اصول ہے جو اس ریاست کے مسلمات میں سے اصلاحات میں تمام مسلمانوں کے حقوق بلالحاظ رنگ و نسل و زبان و وطن یکساں ہیں۔ کسی فرد، اگروہ طبقے یا نسل و قوم کو نہ امتیازی حقوق حاصل ہیں اور نہ کسی کی حیثیت دوسرے کے مقابلے میں کمتر قرار فرمایا ہے' قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے۔

يا ايها الناس انا خلقنا كم من ذكر و انثىٰ وجعلنا كم شعوبا و

Marfat.com

قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنہ اللہ اتقاکم (الحجرات:۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے حسب ذیل ارشادات میں اس ضابطے کی تفصیل ہے۔

ان اللہ لاینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم

اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔

المسلمون اخوۃ' لافضل لاحد علی احد الا بالتقوی

مسلمان بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔

یایھا الناس لا ان ربکم واحد لافضل لعربی علیٰ عجمی' ولا لعجمی علیٰ عربی' ولاسود علیٰ احمر' ولاحمر علیٰ اسود الا بالتقوی۔

لوگو! سن لو تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں، کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہ ہے مگر تقوی کے لحاظ سے۔

من شہدان لاالہ الااللہ و استقبل قبلتنا و صلی صلوتنا واکل ذبیحتنا فھوالمسلم لہ ما للمسلم و علیہ ما علی المسلم

جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور ہمارے ۔کی طرف رخ کیا اور ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کے حقوق وہی ہیں جو مسلمان

Marfat.com

کے حقوق ہیں اور اس پر فرائض وہی ہیں جو مسلمان کے فرائض ہیں۔

المومنون تتکا فادماوھم' وھم یدعلی' من سوھم ویسعیٰ بذمتھم ادناھم۔

مومنون کے خون ایک دوسرے کے برابر ہیں، وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں اور ان کا ایک ادنی آدمی بھی ان کی طرف سے ذمہ لے سکتا ہے۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری

ایک اہم ضابطہ جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال، خدا اور مسلمانوں کی امانت ہیں جنہیں خدا ترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد ہونے چاہئیں اور اُن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عدل اجتماعی اور کفالت عامہ کا نظام قائم کرے۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانت الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ' ان اللہ کان سمیعاً بصیراً

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ فالا مام الا عظم الذی علی الناس راع و ھو مسئول عن رعیتہ

خبردار! تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ

Marfat.com

ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمران ہو وہ بھی راعی ہے اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ۔

مامن وال يلى رعيته من المسلمين فيموت وهو غاش لهم الاحرم الله عليه الجنته

کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے گا پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً نہ داخل ہوگا۔

من اخون الخيانته تجارة الوالى فى رعيته

کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔

مسلم حاکم کے حقوق: من ولى لنا عملا ولم تكن له زوجة فليتخذ زوجه' ومن لم يكن له خادم فليتخذ خادما' اوليس له مسكن فليتخذ مسكنا' اوليس له دابة فليتخذ' فمن اصاب سوى ذالك فهو غال اوسارق۔

جو شخص کسی حکومتی منصب پر فائز ہو وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور۔

ہمارے حکمران جو عوام کے ٹیکسوں سے مغلیہ طرز کے محل بناتے ہیں حالانکہ ان میں رہنا انہیں نصیب نہیں ہوتا' پھر سکیورٹی کے نام سے بیسیوں قیمتی سواریاں رکھنا وہ بھی عوام کے خرچے پر خدم و حشم کی سیکرٹریٹ کے عملے کے عنوان سے پوری فوج وہ بھی مفلوک الحال عوام کے خرچ پر۔ کیا یہ خیانت اور چوری کی تہمت سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں؟ انہیں عوام پر

Marfat.com

روزانہ پٹرول بم گراتے ہیں محض اپنے نارواٹھاٹھ باٹھ قائم رکھنے کے لئے۔
حضرت ابوبکرؓصدیق فرماتے ہیں:

من یکن امیرافانہ من اطول الناس حسابا واغلظہ عذابا' و من لایکون امیراً فانہ من ایسر الناس حساباً داحرنہ عذابا' لان الاموار اقرب الناس من ظلم الموسنین و من یظلم الموسنین فانما یخفر اللہ۔

جو شخص حکمران ہو اس کو سب سے زیادہ بھاری حساب دینا ہوگا اور سب سے زیادہ سخت عذاب کے خطرے میں مبتلا ہوگا اور جو حکمران نہ ہو اس کو ہلکا حساب دینا ہوگا اور اس کے لئے ہلکے عذاب کا خطرہ ہے، کیونکہ حکام کے لئے سب سے بڑھ کر اس بات کے مواقع ہیں کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں پر ظلم ہو اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے وہ خدا سے غداری کرتا ہے۔

لقدارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط' وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس و لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس پر بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ ندوی اس کی تفسیر فرماتے ہیں۔
اس مختصر سے فقرے میں انبیاء علیہ السلام کے مشن کا پورا لب لباب بیان کر دیا گیا ہے

Marfat.com

جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے،اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے جتنے رسول بھی اللہ تعالی کی طرف سے آئے وہ سب تین چیزیں لے کر آئے تھے۔

(۱) بینات' یعنی کھلی کھلی نشانیاں جو واضح کر رہی تھیں کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں بنے ہوئے لوگ نہیں ہیں۔ روشن دلائل جو اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی تھے کہ جس چیز کو وہ حق کہہ رہے ہیں وہ واقعی حق ہے اور جس چیز کو وہ باطل قرار دے رہے ہیں وہ واقعی باطل ہے۔ واضح ہدایات جن میں کسی اشتباہ کے بغیر صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ عقائد، اخلاق، عبادات اور معاملات میں لوگوں کے لئے راہ راست کیا ہے جسے وہ اختیار کریں اور غلط راستے کرنے ہیں جن سے وہ اجتناب کریں۔

(۲) کتاب، جس میں وہ ساری تعلیمات لکھ دی گئیں تھیں جو انسان کی ہدایت کے لئے درکار تھیں تاکہ لوگ رہنمائی کے لئے اس کی طرف رجوع کر سکیں۔

(۳) میزان، یعنی وہ معیار حق و باطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی تول تول کر یہ بتا دے کہ افکار' اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے۔

ان تین چیزوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو جس مقصد کے لئے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام، فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی، عدل پر قائم ہو، ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق' اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگان خدا کے حقوق، جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے، ٹھیک ٹھاک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے، تمدن و تہذیب کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو' حیات اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور

Marfat.com

معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بالفاظ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصود وعدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی۔ وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذہن، اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع ومزاحم ہونے کے بجائے معاون ومددگار رہوں۔

(وما علینا الا البلاغ)

Marfat.com

تعلیمات نبوی ﷺ اور عالمگیر تہذیب کا تصور

تعریف اور شکر اس خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں پیدا کیا، عقل اور سمجھ بوجھ عطا کی، برے اور بھلے کی تمیز بخشی اور ہماری ہدایت اور راہنمائی کے لئے اپنے بہترین بندوں کو بھیجا اور سلام ہو خدا کے ان نیک بندوں پر جنہوں نے آدم کی اولاد کو آدمیت کی تعلیم دی، بھلے مانسوں کی طرح رہنا سکھایا، انسانی زندگی کے اصل مقصد سے آگاہ کیا اور وہ اصول ان کو بتائے جن پر چل کر وہ دنیا میں سکھ اور آخرت میں نجات پا سکتے ہیں۔

تہذیب کی تعریف: تہذیب کی تعریف ہے سنوارنا، شائستہ کرنا، پاکیزہ اخلاق اور بے عیب ہونا' تہذیب ماضی (المنجد)

معمولی حالات میں جب کہ زندگی کا دریا سکون کے ساتھ بہہ رہا ہو انسان ایک طرح کا اطمینان محسوس کرتا ہے کیوں کہ اوپر کی صاف شفاف سطح ایک پردہ بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں تہہ میں بیٹھی ہوئی گندگیاں اور غلاظتیں چھپی رہتی ہیں اور پردے کی اوپری صفائی آدمی کو تجسس کرنے کی ضرورت کم ہی محسوس ہونے دیتی ہے کہ تہہ میں کیا چھپا ہوا ہے اور کیوں چھپا ہوا ہے۔ لیکن جب اس دریا میں طوفان برپا ہوتا ہے اور نیچے کی چھپی ہوئی ساری گندگیاں اور غلاظتیں ابھر کر برسرعام سطح دریا پر بہنے لگتی ہیں اس وقت اندھوں کے سوا ہر وہ شخص جس کے دیدوں میں کچھ بھی بینائی کا نور باقی ہو' ہر اشتباہ کے بغیر صاف صاف دیکھ لیتا

Marfat.com

ہے کہ زندگی کا دریا کیا کچھ اپنے اندر لئے ہوئے چل رہا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب عام انسانوں میں اس ضرورت کا احساس پیدا ہو سکتا ہے کہ اس منبع کا سراغ لگائیں جہاں سے دریائے زندگی میں یہ گندگیاں آ رہی ہیں اور اس تدبیر کی جستجو کریں جس سے اس دریا کو پاک کیا اور رکھا جا سکے۔ فی الواقع اگر ایسے وقت میں بھی لوگوں کے اندر اس ضرورت کا احساس بیدار نہ ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ نوع انسانی اپنی غفلت کے نشے میں مدہوش ہو کر سود و زیاں سے بالکل ہی بے فکر ہو چکی ہے۔

یہ زمانہ جس سے ہم گزر رہے ہیں انہی غیر معمولی حالات کا زمانہ ہے۔ زندگی کا دریا اس وقت اپنی طغیانی پر ہے، ملک ملک اور قوم قوم اور تہذیب تہذیب کے درمیان کش مکش برپا ہے اور یہ کش مکش اتنی گہرائی تک اتری ہوئی ہے کہ قوموں سے گزر کر فرد کو نزاع و کشمکش کے میدان میں کھینچ لائی ہے اس طرح عالم انسانی نے اپنے تمام اخلاقی اوصاف اگل کر منظر عام پر رکھ دیئے ہیں اب ہم ان گندگیوں کو اعلانیہ سطح زندگی پر دیکھ رہے ہیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ پوری پوری قومیں بہت بڑی پیمانے پر ان بدترین اخلاقی صفات کا اور بدتہذیبی کا مظاہرہ کر رہی ہیں جنہیں ہمیشہ سے انسانیت کے ضمیر نے انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بے انصافی، بے رحمی، ظلم و ستم، جھوٹ، دغا، فریب، مکر، بدعہدی، خیانت، بے شرمی، نفس پرستی، استحصال بالجبر اور ایسے ہی دوسرے جرائم محض انفرادی جرائم نہیں رہے ہیں بلکہ قومی اخلاق کی حیثیت سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اجتماعی حیثیت سے وہ سب کچھ کر رہی ہیں جس کا ارتکاب کرنے والے افراد ابھی تک ان کے ہاں جیلوں میں ٹھونسے جاتے ہیں۔ ہر قوم نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے بڑے سے بڑے مجرموں کو اپنا لیڈر اور سربراہ کار بنایا ہے اور ان کی قیادت میں بدمعاشی کی کوئی مکروہ سے مکروہ قسم ایسی نہیں رہ گئی ہے جس کا وہ کھلم کھلا، نہایت بے حیائی کے ساتھ وسیع پیمانے پر ارتکاب نہ کر

Marfat.com

رہی ہوں۔ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف جھوٹ تصنیف کر کر علانیہ نشر کر رہی ہے اور میڈیا کے ذریعے۔

ہم عجیب منظر دیکھ رہے ہیں کہ پوری پوری قومیں بہت بڑے پیمانے پر ان بدترین اخلاقی صفات کا اور بدتہذیبی کا مظاہرہ کر رہی ہیں جنہیں ہمیشہ سے انسانیت کے ضمیر نے انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بے انصافی، بے رحمی، ظلم و ستم، جھوٹ، دغا، فریب، مکر، بدعہدی، خیانت، بے شرمی، نفس پرستی، استحصال بالجبر اور ایسے ہی دوسرے جرائم محض انفرادی جرائم نہیں رہے ہیں بلکہ قومی اخلاق کی حیثیت سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اجتماعی حیثیت سے وہ سب کچھ کر رہی ہیں جس کا ارتکاب کرنے والے افراد ابھی تک ان کے ہاں جیلوں میں ٹھونسے جاتے ہیں۔ ہر قوم نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے بڑے سے بڑے مجرموں کو اپنا لیڈر اور سربراہ کار بنایا ہے اور انکی قیادت میں بدمعاشی کی کوئی مکروہ سے مکروہ قسم ایسی نہیں رہ گئی جس کا وہ کھلم کھلا، نہایت بے حیائی کے ساتھ وسیع پیمانے پر ارتکاب نہ کر رہی ہوں۔ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف جھوٹ تصنیف کر کے علانیہ نشر کر رہی ہے اور میڈیا کے ذریعہ سے ان جھوٹوں نے فضائے اثیر تک کو گندہ کر دیا ہے، پورے پورے ملکوں اور برا ت ں کی آبادیاں لٹیروں اور ڈاکوؤں میں تبدیل ہو گئی ہیں اور ہر ڈاکو کو عین اس وقت جبکہ وہ خود ڈاکہ مار رہا ہوتا ہے' نہایت بے شرمی کے ساتھ اپنے مخالف ڈاکو ان ساری گناہ گاریوں کا شکوہ کرتا ہے جن سے داغدار ہونے میں اس کا اپنا دامن بھی اپنے حریف سے کچھ کم سیاہ نہیں ہوتا، انصاف کے معنی ان ظالموں کے نزدیک صرف اپنے قوم کے ساتھ انصاف کے رہ گئے ہیں۔ حق جو کچھ ہے ان کے لئے ہے، دوسروں کے حقوق پر دست درازی ان کے اخلاقی قانون میں جائز بلکہ کار ثواب ہے۔ قریب قریب تمام قوتوں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں لینے کے پیمانے اور ہیں اور دینے کے اور۔ جتنے معیار وہ

Marfat.com

اپنے مفاد کے لئے قائم کرتی ہیں، دوسروں کا مفاد سامنے آتے ہی وہ سب معیار بدل جاتے ہیں اور جن معیاروں کا وہ دوسروں سے مطالبہ کرتی ہیں ان کی پابندی خود کرنا حرام سمجھتی ہیں۔ بدعہدی کا مرض اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اب ایک قوم کو دوسری قوم پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا۔ بڑی بڑی قوموں کے نمائندے نہایت مہذب صورتیں لئے ہوئے جن بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کر رہے ہوتے ہیں، اس وقت ان کے دلوں میں یہ خبیث نیت چھپی ہوتی ہے کہ پہلا موقع ملتے ہی اس مقدس بکرے کو ''قومی مفاد'' (Public Interest) کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائیں گے اور جب ایک قوم کا صدر یا وزیراعظم اس قربانی کے لئے چھری تیز کرتا ہے تو پوری قوم میں سے ایک آواز بھی اس بداخلاقی کے خلاف نہیں اٹھتی بلکہ ملک کی پوری آبادی اس جرم میں شریک ہو جاتی ہے۔ مکاری کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے پاکیزہ، اخلاقی اصولوں کی گفتگو کی جاتی ہے' صرف اس لئے کہ دنیا کو بیوقوف بنا کر اپنے مفاد کی خدمت اس سے لی جائے اور سادہ لوح انسانوں کو یقین دلایا جائے کہ تم سے جان و مال کی قربانی کا مطالبہ جو ہم کر رہے ہیں، یہ کچھ اپنے لئے نہیں ہے بلکہ ہم نے بے غرض' نیکوں کے نیک لوگ یہ ساری تکلیفیں محض انسانیت کی بھلائی کے لئے برداشت کر رہے ہیں۔

انسانی تمدن کی گاڑی بالفعل جو لوگ اس وقت چلا رہے ہیں ان کے اخلاقیات خدا اور آخرت کے اساسی تخیل سے خالی ہیں اور دانستہ خالی کئے گئے ہیں۔ نیز اخلاق میں خدا کی راہنمائی قبول کرنے سے انہوں نے قطعی انکار کر دیا ہے، اگرچہ ان میں کثیر التعداد لوگ کسی نہ کسی مذہب کے قائل ہیں مگر ان کے نزدیک ہر انسان کا محض ایک شخصی و انفرادی معاملہ ہے جسے اپنی ذات تک آدمی کو محدود رکھنا چاہیے۔ اجتماعی زندگی اور اس کے معاملات سے مذہب کو کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ پھر اس کی کیا ضرورت کہ وہ ان معاملات کو چلانے کیلئے کسی فوق الفطری ہدایت کی طرف رجوع کریں۔

Marfat.com

آج دنیا کے کاروبار کو عملاً جو لوگ چلا رہے ہیں ان سب کے ذہن پر وہی تخیل چھایا ہوا ہے جو اوپر کے چند فقروں میں بیان کیا گیا ہے، سب ہی نے بالفعل اپنے اخلاقیات کو خدا اور آخرت کے عقیدے اور مذہب کی اخلاقی راہنمائی سے آزاد کرلیا ہے، وہ اگر خدا کو مانتے بھی ہیں تو صرف اس کے ہونے کو مانتے ہیں۔ اس کے ایک ہونے کو بھی نہیں مانتے یعنی توحید کے بھی منکر ہیں جو ایک نکتہ اشتراک ہے تمام مذاہب اور تہذیبوں کیلئے۔

آیئے اب ان غیر مذہبی' غیر اخلاقی فلسفیانہ نظریوں کا جائزہ لیں جو آج کی جدید تہذیب پر مسلط ہیں۔ تین بڑے فلسفیانہ نظریے ایسے ہیں جو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اسی زمانے سے جبکہ برصغیر پر انگریزوں کا راج تھا، اٹھے اور پوری تہذیب پر چھا گئے۔ انسانی زندگی پر جتنا ہمہ گیر اثر انکا پڑا ہے شاید کسی اور چیز کا نہیں پڑا۔

ہیگل کا فلسفہ تاریخ: ان میں سے پہلا نظریہ وہ ہے جو ہیگل نے تاریخ انسانی کی تعبیر کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ کے ایک دور میں انسانی تہذیب و تمدن کا جو نظام بھی ہوتا ہے وہ اپنے تمام شعبوں اور اپنی تمام شکلوں سمیت دراصل چند مخصوص تخیلات پر مبنی ہوتا ہے جو اسے ایک دور تہذیب بناتے ہیں (Thesis) ۔ یہ دور تہذیب جب پختہ ہو چکتا ہے تو اس کی کمزوریاں واضح ہونی شروع ہوتی ہیں اور اس کے مقابلے میں کچھ دوسرے تخیلات ابھرنے شروع ہوتے ہیں جو اس سے جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اس نزاع و کش مکش سے ایک نیا دور تہذیب جنم لیتا ہے۔ جس میں پچھلے دور تہذیب کے باقیات صالحات بھی رہ جاتے ہیں اور کچھ نئی خوبیاں بھی ان تخیلات کے اثر سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کی یلغار سے مجبور ہو کر پچھلے دور کے غالب تخیلات بالآخر مصالحت (Synthsis) پر مجبور ہوئے تھے۔ پھر یہ دور تہذیب بھی پختگی کو پہنچ کر اپنے ہی بطن سے اپنے چند مخالف تخیلات کو جنم دیتا ہے اور پھر نزاع و کش مکش برپا ہوتی ہے اور پھر

Marfat.com

دونوں کی مصالحت سے ایک تیسرا دور وجود میں آتا ہے، جو پچھلے دور کی خوبیاں اپنے اندر باقی رکھتا ہے اور ان کے ساتھ نئے تخیلات کی لائی ہوئی خوبیاں بھی جذب کر لیتا ہے۔

یہ کیسا خطرناک فلسفہ ہے۔ تہذیب انسانی کی تاریخ کا یہ تصور جس شخص کے ذہن میں بیٹھ جائے، اس کے دل میں پھر ان ادوارِ تہذیب کی کچھ بھی قدر و قیمت باقی نہیں رہ سکتی جن میں ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور محمد ﷺ گزرے ہیں، وہ کبھی دورِ نبوت اور خلافت راشدہ کی طرف بھی ہدایت و رہنمائی کے لئے رجوع کر سکتا ہے؟ دراصل یہ ایک ایسا مدلل اور منظم فکری حملہ ہے جس کی ضرب اگر کسی ذہن پر کاری لگ جائے تو اس میں سے دینی تخیل کی جڑ ہی کٹ کر رہ جاتی ہے۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء: دوسرا فلسفہ جو انیسویں صدی میں ابھرا اور انسانی ذہنوں پر چھایا وہ ڈارون کے نظریہ ارتقا کا پیدا کردہ تھا۔ یہاں ان کے حیاتیاتی پہلو سے بحث نہیں ہے۔ اس کے صرف ان فلسفیانہ اثرات سے بحث مقصود ہے جو ڈارون کے طرز استدلال اور اس کے اخذ کردہ نتائج سے نکل کر وسیع اجتماعی فکر میں جذب ہوئے۔ عام انسانی ذہن نے ڈارون کے بیان سے متاثر ہو کر کائنات کا جو تصور قائم کیا تھا کہ یہ کائنات ایک رزم گاہ ہے جہاں ہر آن ہر طرف زندگی و بقاء کے لئے ایک ابدی جنگ برپا ہے۔ نظام فطرت ہی کچھ ایسا ہے کہ جسے زندہ اور باقی رہنا ہو اسے نزاع اور کش مکش اور مزاحمت کرنی پڑتی ہے اور مزاج فطرت واقع ہی کچھ اس طرح ہوا ہے کہ اس کی نگاہ میں وہی بقاء کا مستحق ہے جو قوت بقا کا ثبوت دے دے۔ اس بے رحم نظام میں جو فنا ہوتا ہے وہ اس لئے فنا ہوتا ہے کہ وہ کمزور ہے اور اسے فنا ہونا ہی چاہیے زمین اور اس کا ماحول اور اس کے وسائل زندگی غرض یہاں جو کچھ بھی ہے طاقتور کا حق ہے، جس نے زندہ رہنے کی قابلیت کا ثبوت دے دیا ہو، کم زور کا ان چیزوں پر کوئی حق نہیں ہے۔ اسے طاقت ور کے لئے جگہ خالی کرنی چاہیے اور

Marfat.com

طاقت ور سراسر برسر حق ہے اگر وہ اسے مٹا کر یا ہٹا کر اس کی جگہ لیتا ہے۔

یہ تصور کائنات جب دماغوں میں بیٹھ جائے اور نظام فطرت کو اس نگاہ سے دیکھا جانے لگے تو انسان انسان کے لئے کیا کچھ بن کر رہے گا؟ اس فلسفہ زندگی میں ہمدردی، محبت، رحم، ایثار اور اس طرح کے دوسرے شریفانہ انسانی جذبات کے لئے کیا جگہ ہو سکتی ہے؟ اس میں عدل وانصاف، امانت و دیانت اور صداقت وراست بازی کا کیا کام کیا؟ اس میں حق کا وہ مفہوم باقی رہتا ہے جو کبھی کمزور کو بھی پہنچ سکتا ہو اور ظلم کے وہ معنی ہو سکتے ہیں جن سے کبھی طاقتور بھی گناہ گار ٹھہرایا جا سکتا ہو؟ لڑنے جھگڑنے کا کام اگرچہ پہلے بھی انسان کرتا رہا ہے مگر اسے فساد سمجھا جاتا تھا اور اب وہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ کیوں کہ کائنات تو ہے ہی ایک میدان جنگ، ظلم پہلے بھی دنیا میں ہوتا تھا مگر پہلے وہ ظلم تھا اور اب اسے ایک ایسی منطق مل گئی جس سے وہ طاقتور کا حق بن گیا۔ اس فلسفے کے بعد یورپ والوں کو ان تمام مظالم کے لئے جو انہوں نے دوسری قوموں پر ڈھائے، ایک محکم دلیل ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے اگر امریکہ اور آسٹریلیا اور افریقہ کی پرانی نسلوں کو مٹایا اور کمزور قوموں کو اپنا یا غلام بنایا تو یہ گویا ان کا حق تھا جو انہوں نے عین قانون فطرت کے مطابق حاصل کیا مٹنے والے مٹنے ہی کے مستحق تھے اور ان کی جگہ لینے والوں کا حق یہی تھا کہ وہ ان کی جگہ لیں۔

اس بارے میں اگر اہل مغرب کے ضمیر میں پہلے کوئی خلش تھی بھی تو ڈارون کی منطق نے اسے دلائل وشواہد سے دور کر دیا۔ سائنس میں اس نظریے کی حیثیت جیسی کچھ بھی ہو معاشرت تہذیب وتمدن اور سیاست میں آ کر تو اس نے انسان کو انسان کے لئے بھیڑیا بنا کر رکھ دیا۔

مارکس کی مادی تعبیر تاریخ: اسی کا ہم جنس ایک اور فلسفہ تھا جو ڈارون ہی کے زمانے میں مارکس کی مادی تعبیر تاریخ کے بطن سے نکلا۔ انسانی ذہن کو اس نے بھی حیات دنیا کا وہی

Marfat.com

تصور دیا جو پہلے ہیگل نے فکر کی دنیا کو رزم گاہ بنا کر پیش کیا تھا۔ اس تصویر میں انسان شروع سے لڑتا جھگڑتا نظر آتا ہے۔ اس کی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی اغراض اور اپنے مفاد کے لئے اپنے ہم جنسوں سے لڑے۔ وہ سراسر خودغرضی کی بنیاد پر ان طبقوں میں کش مکش اور نزاع برپا کر رہی ہے اور انسانی تاریخ کا سارا ارتقا اسی خودغرضانہ طبقاتی کش مکش کی بدولت ہوا ہے قوموں اور قوموں کی لڑائی تو درکنار خود ایک ہی قوم کے مختلف طبقوں کی لڑائی بھی اس تصور میں سراسر ایک تقاضائے فطرت نظر آتی ہے۔ اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اور انسان کے درمیان اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ صرف اغراض ومفاد کے اشتراک کا رشتہ ہے، ان رشتہ داروں سے ملنا اور متفق ہو کر ان سب لوگوں سے لڑنا جن سے آدمی کی معاشی اغراض متصادم ہوں....... خواہ وہ اپنے ہی ہم قوم اور ہم مذہب کیوں نہ ہوں....... سراسر حق ہے اور اس کی حرکت کا ارتکاب نہیں بلکہ اس سے اجتناب خلاف فطرت ہے۔

اخلاق ومعاشرت کا اثر: یہ تھے وہ فلسفے اور وہ عقائد وافکار جو فاتح تہذیب کے ساتھ آئے اور ہم پر مسلط ہوئے۔ اب دیکھئے کہ اخلاق کے معاملے میں ان آنے والوں کے ساتھ کس قسم کے نظریات اور عملیات یہاں درآمد ہوئے۔ انہوں نے اپنے اخلاقی مفاسد اور معاشرتی طور طریقے ہم پر مسلط کئے اور اس طرح مسلط کئے کہ ان کے ہاں تقریب کا مقام اور تقدم کا شرف ان لوگوں کے لئے مخصوص رہا جو اخلاق میں ان سے قریب تر اور معاشرت میں ان کے ہم رنگ ہوں۔ یہی چیز اثر ورسوخ اور معاشی خوش حالی اور مادی ترقی کی ضامن تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ ہمارے اونچے طبقے اور ان کے پیچھے متوسط طبقے اس رنگ میں رنگتے چلے گئے اور آخر میں تصاویر سینما، ریڈیو اور سربرآوردہ لوگوں کی زندہ مثالوں نے یہ وباء عوام تک بھی پھیلانی شروع کر دی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک صدی کے اندر ہم پھسلتے پھسلتے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے ہاں مخلوط تعلیم کا رواج گوارا کیا جا رہا

Marfat.com

ہے۔اچھے اچھے گھرانوں کی خواتین رقص اور مے نوشی میں مبتلا ہو رہی ہیں، شریف زادیاں ایکٹرسیں بن کر وہ بے حیائی دکھا رہی ہیں جس کے لئے کبھی ہمارے ہاں کی طوائف بھی تیار نہ تھی اور ہزاروں کے مجمعے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو پریڈیں کرتے دیکھتے ہیں اور ان کو داد تحسین دیتے ہیں۔اب وہ منزل کچھ دور نہیں ہے جہاں پہنچ کر اہل مغرب کی طرف ہمارے ہاں بھی یہ سوال اٹھے گا کہ کنواری ماں اور حرامی بچے میں آخر عیب کیا ہے؟ کیوں نہ معاشرے میں انہیں بھی مادر منکوحہ اور بچہ حلال کی طرح عزت کا مقام دیا جائے؟ مغرب بھی اس مقام پر ایک دن میں نہ پہنچا تھا۔ان ہی منازل سے گزرتا ہوا پہنچا تھا۔جن سے اب ہم گزر رہے ہیں۔

سیاسی نظام کا اثر: پھر انہوں نے اپنے سیاسی نظریئے اور سیاسی ادارے بھی ہم پر مسلط کئے جو ہمارے دین اور ہماری دنیا کے لئے کسی دوسری چیز سے کم غارت گر ثابت نہ ہوئے۔ان کے سیکولرازم نے ہمارے دینی تصورات کی جڑیں کھوکھلی کیں اور ان کے نیشنلزم اور ان کی ڈیموکریسی نے ہم کو مسلسل ایک صدی تک اتنا پیسا کہ آخر کار ہمیں اپنی آدھی قوم کو دے کر اور اپنی لاکھوں جانیں اور بے شمار عورتوں کی عصمتیں قربان کر کے صرف اپنی آدھی قوم کو اس چکی کے پاٹوں سے بچا لینے پر آمادہ ہونا پڑا۔یعنی پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس سیاسی نظام کو لیجئے جو یہاں قائم کیا گیا اور مغربی آقاؤں کی راہ نمائی میں پروان چڑھا۔بنیاد تین اصولوں پر قائم کی گئی تھی۔ایک سیکولرازم یعنی لادینیت دوسرے نیشنلزم یعنی قوم پرستی، تیسرے ڈیموکریسی یعنی حاکمیت جمہور۔

پہلے اصول کا مطلب یہ تھا کہ مذہب اور اس کے خدا اور اس کی تعلیمات کا کوئی تعلق سیاسی و اجتماعی معاملات سے نہیں ہے اہل دنیا اپنی دنیا کے معاملات خود اپنی صوابدید کے

Marfat.com

مطابق چلانے کے مختار ہیں۔ جس طرح چاہیں چلائیں اور انہیں چلانے کے لئے جو اصول، قوانین، نظریئے اور طریقے چاہیں بنائیں خدا کو نہ ان معاملات میں بولنے کا کوئی حق اور نہ ہمیں) اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت کہ وہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا پسند نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی بڑی مصیبت کبھی ہم پر ٹوٹ پڑے تو یہ بات سیکولرازم کے خلاف نہیں ہے کہ ایسے وقت میں خدا کو مدد کے لئے پکارا جائے اور ایسی صورت میں خدا پر فرض سا یہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہماری مدد کو آئے۔

دوسرے اصول کا مطلب یہ تھا کہ جس مقام سے خدا کو ہٹایا گیا ہے۔ وہاں قوم کو لا بٹھایا جائے، قوم ہی معبود ہو، قوم ہی کا مفاد معیار خیر و شر ہے، قوم ہی کی ترقی اور اس کا وقار اور دوسروں پر اس کا غلبہ مطلوب و مقصود ہو اور افراد کی ہر قربانی قوم کے لئے جائز بھی اور واجب بھی۔

تیسرے اصول کا مطلب یہ تھا کہ قومی ریاست میں جس مقام سے مذہب کو بے دخل کیا گیا ہے۔ وہاں جمہور رقوم یعنی اکثریت کی رائے کو اس کا جانشین بنایا جائے۔ اکثریت مذہب سے قطع نظر کرتے ہوئے جسے حق کہے وہ حق اور جسے باطل کہے وہ باطل۔ اکثریت ہی اس دین میں ردوبدل کی مختار ہو۔ اگر دیکھا جائے تو یہ عددی اکثریت تو ہوتی ہے لیکن مذہب سے علم و عمل سے اور شعور و اخلاق سے بے بہرہ ہوتی ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

میرے نزدیک ان تہذیبوں کا تصادم دراصل اکثریت اور اقلیت کے مفادات کا تصادم ہے۔ اکثریت جب اپنے یکطرفہ فیصلے اقلیت پر جبراً ٹھونسے گی تو تصادم اور نزاع و کشمکش تو

Marfat.com

ہوگی۔اب سوال یہ ہے کہ تہذیبوں کے اس تصادم، کشمکش ونزاع کا آخرحل کیا ہے۔اس کا ایک ہی حل ہے کہ ان کے درمیان کوئی نقطہ اشتراک تلاش کیا جائے جس پر یہ سب جمع ہو جائیں' ا ی ہوجائیں۔

پہلا نقطہ اشتراک وحدت الہ یعنی توحید، عیسائیت میں توحید کا تصور

الفریڈای گارے انسائیکلوپیڈیا آف ریلی جن اینڈ ا تھکس کے مقالے ''عیسائیت'' میں لکھتا ہے۔

''عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، مواحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعے پختہ کردیا گیا ہے۔''

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے۔''اخلاقی مذہب'' سے اس ''تاریخی مذہب'' کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکروعمل ایک تاریخی شخصیت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہی کے قول وعمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

''کائناتی'' ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ ونسل کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے۔ عیسائی مذہب کو موحد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔

ویدوں میں توحید کا تصور، اپنشد کا توحیدی اور وحدۃ الوجودی قصور: رگ وید کے زمزوں میں ہمیں ایک طرف مظاہرہ قدرت کی پرستش کا ابتدائی تصور بتدریج پھیلتا اور

Marfat.com

مجسم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ دوسری طرف ایک بالاتر اور خالق کا ہستی کا توحیدی تصور بھی آہستہ آہستہ ابھرتا نظر آتا ہے خصوصاً دسویں حصے کے زمزموں میں تو اس کی نمود صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ توحیدی تصور کسی بہت پرانے گذشتہ عہد کے بنیادی تصور کا بقیہ تھا یا مظاہر قدرت کی کثرت آرائیوں کا تصور اب خود بخود کثرت سے وحدت کی طرف ارتقائی قدم اٹھانے لگا تھا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن بہر حال ایک ایسے قدیم عہد میں بھی جب کہ رگ وید کے تصوروں نے نظم وسخن کا جامہ پہننا شروع کیا تھا۔ توحیدی تصور کی جھلک صاف صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ خداؤں کا ہجوم جس کی تعداد تین سو تینتیس یا اسی طرح کی ثلاثی کثرت تک پہنچ گئی تھی (۱)۔ بالآخر تین دائروں میں سمٹنے لگا۔ یعنی زمین' فضا اور آسمان میں اور پھر اس نے ایک رب الارباب تصور (Henothism) کی نوعیت پیدا کر لی۔ پھر یہ رب الاربابی تصور اور زیادہ سمٹنے لگتا ہے اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہ ہستی کبھی ''وردن'' میں نظر آتی ہے کبھی ''اندر'' میں اور کبھی ''اگنی'' میں لیکن بالآخر ایک خالق کل ہستی کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو ''پرجاپتی'' پروردگار عالم اور ''وشوا کرمن'' (خالق کل) کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے اور جو تمام کائنات کی اصل حقیقت ہے ''ایک ہے مگر علم والے اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ اگنی، یم، ماتری شوان (۴۶۔۱۶۴)'' وہ ایک، نہ تو آسمان ہے، نہ زمین ہے، نہ سورج کی روشنی ہے، نہ ہوا کا طوفان ہے۔ وہ کائنات کی روح ہے' تمام قوتوں کا سرچشمہ، ہمیشگی، لازوالی، وہ کیا ہے؟ وہ شاید رٹ ہے جو ہر کے روپ میں ادیتی ہے روحانیت کے بھیس میں۔ وہ بغیر سانس کے سانس لینے والی ہستی'' (حصہ دہم ۲۱۳۱) ''ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، ہم اسے پوری طرح بتلا نہیں سکتے'' (ایضاً ۱۲۱) وہ ''ایکم است'' یعنی حقیقت یگانہ الحق، یہی وحدت ہے جو کائنات کی تمام کثرت کے اندر دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

رگ وید حصہ سوم ص۹۰۹، (۲) رب الا ربابی تصور سے مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جب خیال کیا جاتا ہے کہ بہت سے خداؤں میں ایک خدا سب سے بڑا ہے اور اور چھوٹے خداؤں کو اس کے ماتحت رہنا پڑتا ہے جیسا کہ یونانیوں اور رومیوں کا عقیدہ مشتری کی نسبت ہے۔ (آزاد مولانا ابوالکلام ۔ ترجمان القرآن شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، جلد اول صفحہ 176)

تیسرا نقطہ اشتراک رواداری: بے شک پہلے زمانے میں بھی شاذ ونادر مہذب اور نیک لوگوں میں رواداری جیسی خصوصیت موجود تھی لیکن وہ لوگ مروجہ مذہب سے بے اعتنائی برتنے والے ہوتے تھے۔ رواداری کو مذہب کا فقدان نہیں تو لا مذہب ضرور سمجھا جاتا تھا۔ ظہور اسلام سے پہلے بنی نوع انسان کے سامنے رواداری کی مذہب کے ایک اہم جزو کی حیثیت سے کبھی ہدایت وتلقین نہ کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لئے یہودیت، عیسائیت اور اسلام ایک ہی مذہب کی تین صورتیں ہیں اور یہ مذہب اپنی حقیقی صورت میں دین ابرا ایا اسلام یعنی رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ یہی حکومت الہیہ کی بنیاد ہے۔

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم قرار دیتے ہوئے اس کی بخشش کو اپنی قوم کے لئے ہی مخصوص کر لیا اور خدا کی بادشاہت کو اپنی نسل کی میراث قرار دے دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ے بہت سے ارشادات سے مثلاً جب ان سے پوچھا گیا کہ بچوں سے روٹی چھین کر کتوں کے سامنے ڈال دینا مناسب ہے یا جب انہوں نے فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے بھیجے گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مشن صرف عبرانیوں کے لئے تھا، سینٹ پیٹر کے ایک خاص خواب کے بعد عیسائیوں نے اپنے آپ کو امراء میں انجیل مقدس کی تبلیغ کا مجاز سمجھا۔

Marfat.com

عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت و لطافت کو ان لوگوں تک ہی محدود سمجھا جو خاص اعتقادات پر ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے اس زمین پر خدا کی بادشاہت کو صرف راسخ العقیدہ عیسائیوں ہی کے لئے مخصوص سمجھا۔ ہر وہ شخص جو عیسائیت کی تعلیم پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ ایک ناپاک آدمی سمجھا جاتا تھا اسے ایک ایسا مجرم سمجھا جاتا تھا جسے اپنی روح کی طہارت وصفائی کے لئے اپنے آپ کو بڑی سخت قسم کی جسمانی تکلیفوں اور عذابوں میں مبتلا رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت کی تصویر تو صرف آئینہ اسلام ہی میں نظر آ سکتی ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری اپنی مشہور تصنیف میں لکھتے ہیں۔

وحدت خانہ خدا: جب نبی ﷺ مدینہ پہنچے، وہاں زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہی آباد تھے۔ وہ مکہ کی مسجد الحرام کی عظمت کے قائل نہ تھے اور بیت المقدس کو تو وہ بیت ایل یا ہیکل تسلیم کرتے ہی تھے۔ اس لئے مدینہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑ دینے کی علامت یہ ٹھہرائی گئی کہ مکہ کی مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جایا کرے۔

حکم الٰہی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دی گئی اس مسجد کو قبلہ قرار دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دی ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین

ترجمہ: یہ مسجد دنیا کی سب سے پہلی مبارک عمارت ہے جو عبادت الٰہی کی غرض سے مکہ میں بنائی گئی اور تمام عالموں کے لئے ہدایت ہے۔

پس چونکہ اسے تقدیم زمانی اور عظمت تاریخی حاصل ہے اس لئے اس کو قبلہ بنایا جانا مناسب ہے۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل

ترجمہ: اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی اور اسماعیلؑ

Marfat.com

بھی۔

دوم: یہ کہ مسجد کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ہی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جداعلیٰ ہیں، اس لئے ان شاندار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا گویا اقوام ثلثہ کو اتحاد نسبی و جسمانی کی یاد دلا کر اتحاد روحانی کے لئے دعوت دینا اور متحد بن جانے کا پیغام ادخلوا فی السلم سنا دینا تھا۔

کعبہ کے تقدم زمانی اور عظمت تاریخی کا انکار کوئی مذہب بھی نہیں کرسکتا۔ یہودی اور عیسائی متفق ہیں کہ یروشلم کی بنیاد حضرت داؤدؑ نے قائم کی اور حضرت سلیمان نے اس کی تعمیر فرمائی اس لئے کعبہ کی تعمیر یروشلم کی تعمیر سے تقریباً ۹۲۱ سال اور حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار نوسو اکیس سال پیشتر کی ہے۔ مسٹر۔ آر۔ سی۔ دت نے اپنی تاریخ ''سویلزیشن آف انیشینٹ انڈیا'' میں متعدد عالموں کی شہادات کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی تہذیب کا پہلا دور جو دیدکا زمانہ ہے۔ مسیحؑ سے چودہ سو سے دو ہزار سال پیشتر کا تھا۔ نیز لکھا ہے کہ اس دور میں کوئی مندر نہ تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آریہ ورت میں بھی کوئی مندر موجود نہ تھا۔

مجموعہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ جو مسجد آخر میں قبلہ قرار دی جائے گی وہ درجہ میں پہلے قبلہ سے برتر ہوگی۔

نمونہ کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔

اول: یسعیاہ نبی کی کتاب کا ۶۰ باب ملاحظہ کیجئے۔ اس میں تمام عبارت مکہ کی تعریف میں ہے خصوصاً ۵ درس سے دیکھو۔

''سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی''۔

Marfat.com

''اونٹ کثرت سے تجھے آ کے چھپالیں گے۔ مدیان اور عیفہ کے اونٹ رے سب جو سباء کے ہیں آویں گے۔ دے سونا اور لوبان لا دیں گے اور خداوند کی بشارت سنا دیں گے''۔

''قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہونگے یہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا''

واضح ہو کہ شوکت کا گھر ٹھیک لفظی ترجمہ بیت الحرام کا ہے اور خانہ کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے جس سے پہلے نوشتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس گھر کو بزرگی دینے سے مطلب اسے قبلہ قرار دینا ہے۔ یہ بات کہ اس مقام پر شوکت کے گھر سے مراد کعبہ ہے۔ نہ کوئی اور مقام اس دلیل سے صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ درس ۶، ۷ میں مدیان، عیفا، سبا، قیدار اور نبیط کے لوگوں کا جمع ہونا قربانیاں کرنا بتایا گیا ہے۔ یہ پانچوں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے یا پوتے ہیں جو عرب میں آباد ہوئے اور جن کی نسل کے قبیلے صرف محمد رسول ﷺ کے دین میں داخل ہوئے۔ نہ عیسائی تھے نہ یہودی تھے اور ان سب نے مل کر صرف ایک مذبح منیٰ ہی پر قربانیاں پیش کی تھیں۔

حجتہ الوداع میں سب کا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا ایسے تاریخی واقعات ہیں جو مندرجہ بالا آیات کے معنیٰ کو بالکل یقینی بنا دیتے ہیں۔

دوم: حجی نبی (ق م ۵۶۰ سال) کی کتاب میں ہے۔

''اس پچھلے گھر کا جلال پہلے گھر سے زیادہ ہوگا، رب الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان کو سلام (سلامتی یا اسلام) بخشوں گا۔ رب الافواج فرماتا ہے''۔ باب ۲۔ درس ۶۔

''۱۲۔ میں اسے جو غالب ہوتا ہے۔ اپنے خدا کی ہیکل کا ستون بناؤں گا اور اپنے خدا

Marfat.com

کے شہر یعنی نئے یروشلم کا نام جو میرے خدا کے حضور سے آسمان سے اترتی ہے اور اپنا نیا نام اس پر لکھوں گا۔ جس کا کان ہے سنے، کہ روح کلیساؤں سے کیا کہتی ہے"۔

یوحنا نے نئے یروشلم اور نئے نام کا ذکر کیا ہے۔ نیا یروشلم کعبہ ہے اور خدا کا نیا نام جس سے اہل عرب بھی باوجود اہل زبان ہونے کے ناواقف تھے۔ اسم پاک رحمٰن ہے جسے اسلام ہی نے ظاہر کیا نئے یروشلم کا آسمان سے اترنا یہ معنی رکھتا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم آسمان سے نازل ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ قد نری تقلب وجھك فی السمآء فلنولینك قبلة ترضھا (ہم نے دیکھا کہ تم آسمان کی طرف اپنا چہرہ کر کے دیکھ رہے ہو اس لئے حکم ہے کہ جو قبلہ تمہیں پسند ہے، اسی کی طرف پھر جاؤ)۔

ا۔ عربی بائبل مطبوعہ ۱۸۷۱ء مقام آکسفورڈ ص ۱۳۳۹۔ پر اس آیت میں لفظ اسلام اور اردو بائبل مطبوعہ مرزا پور ۱۸۷۰ء میں لفظ سلامتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا حق ہے کہ اس کا ترجمہ سلام کریں کیونکہ ہر نماز کے بعد مسلمان اسی لفظ کو استعمال اس دعا میں بھی کرتے ہیں۔ اللھم انت السلام و منك السلام و ارزقنا السلام تبارکت ربنا و تعالیت یا ذالجلال والاکرام۔

۲۔ اہل عرب اس اسم سے یعنی رحمٰن سے جس کا نزول قرآن میں ہوا۔ بہت ناراض ہوتے تھے۔ واذ قیل لھم اسجدو اللرحمن قالوا وما الرحمن (سورۃ فرقان) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ وھم بذکر الرحمن ھم کافرون (سورۃ انبیاء) رحمٰن کا ذکر آ جانے پر وہ بہت انکار کرتے ہیں سہیل نے انعقاد صلح حدیبیہ کے وقت کہا تھا۔

"خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کیا ہے"

چہارم: زبور ۸۴ میں ہے۔

عربی:

۴۔ طوبی للساکنین فی بیتك ابدا یسبحونك (سلاہ)

Marfat.com

۵ ۔طوبی لاناس عزهم بك طرق بيتك فی قلوبهم

۶ ۔عابرين فی وادی البكاء يصيرونه ينبوعا ايضا' ببركات يغطون سورة

انگریزی:

4 "Pleased are they that dwell in thy house. they will be still Praising thee"

5- Blessed in the man whose strength is in thee, in whose heart are the ways of them"

6- Who passing through the valley of Beca, make it a well, the rain also filleth the Pools"

اردو:

۴۔مبارک دیتے ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں سدا تیری ستائش کریں گے۔

۵۔مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔

۶۔''وے بکا کی وادی میں گزر کرتے ہیں، اسے ایک کنواں بناتے''۔

(کتاب مقدس، مطبوعہ آرفن سکول مرزاپور ۱۸۷۰)

ان ہر سہ زبان کی عبارات سے جو ایک مشن سوسائٹی کی شائع کردہ ہیں۔ متفق طور پر مندرجہ ذیل باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ا۔درس چہارم کی رو سے یہ کہ خدا کا ایک گھر ہے اور وہاں کے باشندوں کو مبارک بتایا گیا ہے اور ان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح وستائش کرتے ہوں گے۔

۲۔درس پنجم کی رو سے کہ ان لوگوں کی عزت وقوت کا باعث ہوں گے۔

Marfat.com

۳۔درس ششم کی رو سے لفظ بکا عربی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہے، جس سے ثابت ہے کہ بکا وہ اسم معرفہ (پروپر ناؤن) ہے۔ جو کسی زبان میں بھی نہیں بدلا گیا اور انگریزی تحریر میں اسمائے معرفہ کا پہلا حرف بڑے حرف سے لکھے جانے کا جو قاعدہ ہے۔ اسی کے مطابق انگریزی کی بائبل میں لفظ بکا کا پہلا حرف بھی بڑی بی کے ساتھ لکھا ہے۔

۴۔لفظ وادی عربی و اردو میں اور لفظ ویلی (Valley) جو بمعنی وادی ہے، انگریزی میں لفظ بکا سے پہلے موجود ہے۔

(سلیمان قاضی محمد منصور پوری ''رحمتہ اللعالمین' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۱، ۲۰۸،۲۰۳)

سیرت النبی ﷺ سے راہنمائی

رسالت محمدی ﷺ کی پیشین گوئیاں: ارشاد ربانی ہے۔

واذقال عیسی ابن مریم یبنی اسرآئیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التورة و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد(الصف ۶)

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریمؑ کی وہ بات جو انہوں نے کہی تھی کہ ''اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ﷺ ہوگا۔

قرآن مجید کی ایک بڑی اہم آیت ہے جس پر مخالفین اسلام کی طرف سے بڑی لے دے بھی کی گئی ہے اور بدترین خیانت مجرمانہ سے بھی کام لیا گیا ہے کیونکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے

Marfat.com

کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کا صاف صاف نام لے کر آپ کی آمد کی بشارت دی تھی۔

ا۔اس میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی احمد بتایا گیا ہے۔احمد کے دو معنی ہیں۔ایک وہ شخص جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔دوسرے وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی حضور ﷺ کا ایک نام تھا۔مسلم اور ابو داؤد طیالسی میں حضرت ابوموسی اشعریؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''انا محمد و انا احمد والحاشر...... ''میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں حاشر ہوں...... ''اسی مضمون کی روایات حضرت جبیر بن مطعم سے امام مالک' بخاری' مسلم' دارمی' ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہیں۔حضور ﷺ کا یہ اسم گرامی صحابہ میں معروف تھا چنانچہ حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے۔

صلى اله له و من يحف بعرشه　　الطيبون على المبارك احمد

''اللہ نے اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں نے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمد پر درود بھیجا ہے''۔

۲۔انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ایک مسیح' دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس کی آمد ثانی) اور تیسرے ''وہ نبی'' انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور یوحنا (حضرت یحیٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں' انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ

Marfat.com

ہے؟اس نے کہا میں نہیں ہوں۔کیا تو وہ نبی ہے؟اس نے جواب دیا کہ نہیں۔پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟.....اس نے کہا میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو......انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟(باب،آیات ۱۹تا۲۵)

یہ الفاظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیح اور حضرت الیاس کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے اور وہ حضرت یحیٰی نہ تھے۔اس نبی کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ ''وہ نبی'' کہہ دینا گویا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بالکل کافی تھا، یہ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ ''جس کی خبر توراۃ میں دی گئی ہے''مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نبی کی طرف وہ اشارہ کرر ہے تھے اس کا آنا قطعی طور پر ثابت تھا کیونکہ جب حضرت یحیٰی سے یہ سوالات کئے گئے تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو؟

۳۔اب وہ پیشین گوئیاں دیکھئے جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب ۱۴ سے ۱۶ تک منقول ہوئی ہیں۔

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے (۱۴:۱۶-۱۷)

''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا'' (۱۴:۲۵-۲۶)

Marfat.com

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں'' (۱۴:۳۰)

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا'' (۱۵:۲۶)

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (۱۶:۷)

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا'' (۱۵۔۱۶:۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ مہاجرین حبشہ کو جب نجاشی نے اپنے دربار میں بلایا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سنیں تو اس نے کہا۔ مرحبا بکم و بمن جئتم من عنده اشهدان رسول الله' وانه الذی نجدنی الانجیل وانه الذی بشر به عیسی بن مریم (مسند احمد) یعنی ''مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔ یہ قصہ احادیث میں خود حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی منقول ہوا

Marfat.com

ہے۔اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نبی کی ایسی صاف نشاندہی انجیل میں موجود تھی جس کی وجہ سے نجاشی کو یہ رائے قائم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا کہ محمد ﷺ ہی وہ نبی ہیں۔البتہ اس روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عیسیٰ کی اس بشارت کے متعلق نجاشی کا ذریعہ معلومات یہی انجیل یوحنا تھی یا کوئی اور ذریعہ بھی اس کو جاننے کا اس وقت پر موجود تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول ﷺ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں کو نہیں خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصل تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو مسیحی کلیسا نے معتبر و مسلم اناجیل (Canonical Gspels) قرار دیئے رکھا ہے' بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت (Apocryphal) کہتا ہے۔عیسائیوں نے اسے چھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید ہو رہی ہے۔سولھویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا صرف ایک نسخہ پوپ سکسٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔اٹھارویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا ۱۷۳۸ء میں دیانا کی امپریل لائبریری میں پہنچ گیا۔۱۹۰۷ء میں اسی نسخہ کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہو گیا تھا مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کتاب تو اس مذہب کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔اس لئے اس کے مطبوعہ نسخے کسی خاص تدبیر سے غائب کر دیئے گئے اور پھر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔دوسرا ایک نسخہ اسی اطالوی ترجمہ سے اسپینی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے

Marfat.com

انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے مگر وہ بھی کہیں غائب کر دیا گیا اور آج اس کا بھی کہیں پتہ نشان نہیں ملتا' مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے، میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے محض تعصب اور ضد کی بناء پر اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

(مودودی۔سید ابوالاعلی۔تفہیم القرآن ادارہ ترجمان القرآن لاہور ص ۴۶۶)

یہ برناباس کون تھا؟ بائبل کی کتاب اعمال میں بڑی کثرت سے اس نام کے ایک شخص کا ذکر آتا ہے جو قبرص کے ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وکی تبلیغ اور پیروان مسیح کی مدد و اعانت کے سلسلے میں اس کی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ہے مگر کہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کب دین مسیح میں داخل ہوا اور ابتدائی بارہ حواریوں کی جو فہرست تین انجیلوں میں دی گئی ہے اس میں بھی کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور۔متی اور مترس نے حواریوں (Apostles) کی جو فہرست دی ہے، برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے صرف دو ناموں میں مختلف ہے۔ایک توما، جس کے بجائے برناباس خود اپنا نام دے رہا ہے، دوسرا شمعون قنانی جس کی جگہ دیہودا ابن یعقوب کا نام لیتا ہے۔لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ بعد میں کسی وقت صرف برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لئے توما کا نام داخل کیا گیا ہے تا کہ اس کی انجیل سے پیچھا چھڑایا جا سکے اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کر لینا ان حضرات کے ہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔

اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی

Marfat.com

چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرتے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ان اوروں سے بدرجہا برتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اسی طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور ان واقعات میں خود شریک بھی تھا۔ چاروں انجیلوں کی بے ربط داستانوں کے مقابلہ میں یہ تاریخی بیان زیادہ مربوط بھی ہے اور اس سے سلسلہ واقعات بھی زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے۔

اس انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں وہ اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں' صاف کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے سوا معرفت حق کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور جو انبیاء کو چھوڑتا ہے وہ دراصل خدا کو چھوڑتا ہے۔ توحید اور رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء نے دی ہے۔ نماز، روزہ، زکوۃ کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی نمازوں کو جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ کو نبی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کو وہ ذبیح رار قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کرتے ہیں کہ فی الواقع حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر حضرت اسحاق کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت، قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ مریم

Marfat.com

کوحکم ربی ہے۔ یمریم اقنتی لربك واسجدی وارکعو مع الراکعین
(آل عمران:۴۳)

اس طویل اقتباس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے بھی توحید کی تعلیم دی اور خود عیسائی بھی عیسائیت کو ایک موحد (Monotheist) قرار دیتے ہیں تو پھر یہی نقطہ اشتراک ہے جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے دعوت دی۔

(۱) عیسائی کہتے ہیں کہ انجیل برناباس کسی مسلمان کی جعلی تصنیف ہے حالانکہ انجیل برناباس پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں ہونے والے پوپ گلاسینس (Gelasins) کی مرتب کردہ کتابوں کی اسی فہرست میں شامل ہے جو اسی نے غیر معتبر قرار دے دی تھیں اسی وقت تو محمد ﷺ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اسی جہان رنگ و بو میں تشریف فرما بھی نہیں ہوئے تھے۔

The Glorious Kuran کے شہرہ آفاق مصنف محمد مارماڈیوک ولیم پکتھال اپنی تصنیف ''اسلامی ثقافت اور دور جدید'' میں جدید تہذیب اور اسلامی تطابق کی ضرورت کے تحت رقم طراز ہیں۔

جدید تہذیب اور اسلامی تطابق کی ضرورت

جدید تہذیب نے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں میں ایک اور خلفشار سا پیدا کر دیا ہے وہ اس تہذیب سے اس لئے گریزاں ہیں کہ وہ اسے ایثار و قربانی کی بجائے حرص و طمع اور سودخوری کا مظہر سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس سے دور ہی دور رہتے ہوئے اپنے لئے کوئی راہ نجات تلاش کریں۔ آج اکثر کاموں اور پیشوں کے لئے انہیں کوئی مذہبی جواز نظر نہیں آتا۔ تجارت آج ایک جان لیوا مقابلہ اور جھوٹ گھڑنے کا کاروبار بن چکی ہے۔ قانون بہانہ ساز بن کر رہ گیا ہے۔ سائنس کو خودغرضی اور ہلاکت خیزیوں کا آلہ بنا لیا گیا

Marfat.com

ہے۔غرض یہ کہ قرآن پاک کے الفاظ میں۔

کلا ان الانسان لیطغیo ان راہ استغنی (سورۃ العلق:٦۔٧)

ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے لئے زندگی کے میدان سے کنارہ کشی کر جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے نامساعد حالات کے خلاف میدان عمل میں نکلیں اور پامردی سے سینہ سپر ہو جائیں کیونکہ اسلام کی تعلیم ہی انسانون کو اللہ تعالی کی حاکمیت کے تابع لے آنا ہے۔ جہاد کے تصور اور عمل اور مسائل حاضرہ میں ربط و تطابق پیدا کرنا وقت کی ضرورت ہے اور ایسا صرف اسلامی تعلیمات اور شعائر کے احیائے جدید ہی سے ممکن ہے۔

اگر موجودہ معاشرے کی بنیاد سود پر ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں سود کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اگر قوانین شریعت آج محض ایک کھیل تماشا بن کررہ گئے ہیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ انہیں حقیقی معنوں میں رائج کریں اور شرعی احکامات کی متابعت اپنے اوپر فرض قرار دے دیں اور اسے دین و دنیا میں سرخروئی کا ذریعہ سمجھیں۔ اگر مسلمانوں کی نگاہ میں موجود بنکاری نظام سود پر مبنی ہے تو انہیں ایک اسلامی بنک کاری نظام قائم کرنا چاہیے جس کی بنیاد سود کی بجائے اخوت پر ہو۔ انہیں نظام زکوۃ اور بیت المال دوبارہ قائم کرنے چاہئیں۔ اگر موجودہ تجارتی طریقے مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہیں تو انہیں تجارت امداد باہمی کے اصولوں پر شروع کردینی چاہیے۔ اگر موجودہ صنعتی نظام ان کی نگاہ میں خود غرضانہ اور ظالمانہ ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ قانون شریعت کی بنیاد پر ایک جداگانہ صنعتی نظام قائم کریں۔ مسلمانوں کے لئے موجودہ تہذیب جدید میں ضم ہو جانا سراسر خودکشی کے مترادف ہوگا کیونکہ اس کا مطلب تہذیب جدید کے تمام عیوب کو قبول کر لینا ہوگا۔ اگر مسلمانوں نے ایسا کیا تو وہ کبھی دنیا میں نیکی کے ممدو معاون اور سہارا ثابت نہ

Marfat.com

ہوں گے لیکن ان کے لئے اس تہذیب کو یکسر نظر انداز کر دینا اور اسکی کارکردگی سے یکسر بیگانگی بھی خودکشی سے کم نہ ہوگی۔ مسلمان اپنے شان دار اور پرشکوہ ماضی کی یادوں کے سہارے ہی زندہ نہیں رہ سکتے۔

Marfat.com

دورِ جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت و ہم آہنگی کا تصور اس کی ضرورت و اہمیت تعلیمات اسلامی اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں

قل یااھل لکتاب تعالوا الیٰ کلمته سوآء بیننا وبینکم الا نعبدالا اللہ و لانشرك به شیاً ولایتخذ بعضنابعضاًارباباًمن دون اللہ فان تولوافقولواشھدوابانامسلمون (آل عمران:۶۴)

ترجمہ: (میرے نبی ﷺ) آپ کہیے اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی شہرہ آفاق تصنیف ضیاء القرآن میں اسی آیت کریمہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

کلمہ سے مراد یہاں لفظ مفرد نہیں بلکہ جملہ مفیدہ ہے یعنی الانعبد الا اللہ اور یہ استعمال عام ہے۔ الکمته تطلق علی الجملته المفیدة (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ حضور

Marfat.com

پر نو ﷺ کوئی نئی دعوت کوئی نرالا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ حضور بھی اسی توحید کے داعی بن کر تشریف لائے تھے جس کی دعوت ہر نبی نے دی نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جس کے باعث گلشن ہستی جہنم زار بن گیا ہے اس کے اتحاد کی حقیقی اور محکم بنیاد عقیدہ توحید ہی ہے جو دنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے اور حضور ﷺ نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لئے اہل کتاب کو دعوت دی۔

مشہور یونانی مورخ پلوتارک نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

''زمین پر چلتے پھرتے ہوئے تم ایسے شہر بھی دیکھو گے جن کی دیواریں نہیں ہیں۔ ایسے بھی جن میں سائنس کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی۔ ایسے بھی جہاں نہ محلات ہیں نہ خزانے۔ نہ ورزش گاہیں ہیں نہ تھیٹر جہاں پیشگوئیاں نہ کی جاتی ہوں۔ ایسا شہر آج تک کسی انسان نے دیکھا ہے نہ کبھی دیکھنے میں آئے گا''

انسان کی اسی ذہنیت یا روش کو جس میں اس نے اپنے لئے کسی ''شے'' (یاقوت) کو پرستش (Object of Worship) کی حیثیت دے رکھی ہو، عام طور پر مذہب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن مذہبی جذبہ یا تصور کی اس عالمگیریت کے باوجود یہ حقیقت تعجب خیز ہے کہ آج تک یہ متعین نہیں ہو سکا کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ عوام تو درکنار دنیا کے بڑے بڑے مفکرین، مورخین اور مصنفین نے مذہب کی تعریف (Definition) متعین کرنے میں بڑی کدوکاوش سے کام لیا ہے لیکن ان میں سے کسی کی تعریف نہ تو کسی دوسرے کی تعریف سے ملتی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی جامع تعریف وضع کی جا سکتی ہے جو مذہب کے تمام متنوع تصورات پر پوری طرح محیط ہو۔

مذہب کی تعریف: انگریزی زبان میں مذہب کے لئے (Religion) کا لفظ ہے

Marfat.com

جو لاطینی زبان سے ماخوذ ہے۔ جس کا مفہوم عقیدے اور پوجا پاٹ کے ایک نظام کا ہے لیکن پوجا پاٹ اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان اپنے آپ کو کسی ہستی کے ساتھ وابستہ کر دے۔ اس لئے انسان اپنے آپ کو سب سے زیادہ سب سے بڑی ہستی یا کارساز، کارفرما ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے لیکن لفظ (Religion) ہر مذہب کے مفہوم کی تشریح نہیں کرتا لیکن ''اسلام'' میں مذہب کا اتنا محدود مفہوم نہیں ہے کہ اسلام صرف عقیدہ اور پوجا پاٹ کے ایک نظام کا نام ہو بلکہ اسلام میں عقیدہ وعبادت، سیاست ومعاشرت بلکہ انسان کی زندگی کے ہر لمحے کو اسلام کی تعلیم کے مطابق ادا کرنا مذہب میں داخل ہے۔

غرض دنیا کے امن وآسائش میں سچے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کو بہت بڑا دخل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں ہی کا نام ہیں مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا کچھ نیک نیت لوگوں نے نیک نیتی سے، کچھ بدنیت لوگوں نے بدنیتی سے اللہ کی ہدایتوں میں اور باتیں شریک کر دیں پھر ان باتوں اور رسم ورواج کی کثرت نے اصل حقیقت کو مسخ کر دیا۔ اس کا الزام خالص مذہب کے حامل اور ان کے سچے پیرووں پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہر داعی مذہب بنی نوع انسان کا محسن تھا ان سب کی تعظیم ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ مذہب امن عامہ اور اخلاق حمیدہ کی تعلیم دیتا ہے۔ عربی زبان میں مذہب کے معنی راستہ کے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ دین ومذہب ہے۔ دین کے معنی برتاؤ اور مذہب کے معنی چلنے کا راستہ۔ یعنی ہمارا برتاؤ خواہ اپنے خالق سے ہو یا اپنے ہم جنسوں سے یا کائنات سے، جب یہ تینوں برتاؤ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہوں تو وہ مذہب ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

''تم میری بندگی کرو یہی سیدھی راہ مستقیم ہے''۔

یہی مذہب (دین اسلام) وہ ہے جس پر چل کر انسان اپنی زندگی کے مقصد میں

Marfat.com

کامیاب ہوسکتا ہے۔ انسان کے وہ تمام افعال جو اس عقیدے پر مبنی ہوں کہ ایک ہستی بزرگ و برتر موجود ہے، جس کی بتلائی ہوئی ہدایتوں پر عمل ہی باعث نجات ہے، ہم کو اس کی بندگی کرنی ہے اور اسی کی بندگی کے مطابق اپنے کردار و عمل کی اصلاح ہماری زندگی کا فرض ہے۔ مذہب کی یہ تعریف ہمارے موضوع کیلئے موزوں ہے۔ کیونکہ مذہب کی بنیاد ہی یہ عقیدہ یا ایمان ہے جس میں یہ تین چیزیں شامل ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے جو انسان کا خالق اور سب کا حاجت روا ہے۔

۲۔ اور خود انسان۔

۳۔ انسان کے علاوہ دوسری کائنات۔

ایک شخص کا ان سب سے کیا برتاؤ ہو یعنی ان میں سے ہر ایک کے ساتھ زندگی کس طرح گزاری جائے۔ اسی قانون و ہدایت کا نام دین و مذہب ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان الذین عند اللہ الاسلام

''وہ صراط مستقیم کون سا ہے جس پر انسان چل کر مقصد زندگی یعنی جنت کو پا سکتا ہے''

ہمارے اس عالم شہادت کے علاوہ ہمارے اس محسوس عالم سے اعلیٰ و ارفع ایک ان دیکھا نظام (عالم غیب) موجود ہے۔ ان تمام نظاموں کا خالق رب ہے۔ جس کی منشاء کے مطابق زندگی گزارنا انسان کا خاص فرض ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے کے بعد ہم کو اس بعد والے عالم میں نجات نصیب ہوسکتی ہے اور تہذیبوں میں یہی مذہب کی امتیازی خصوصیت ہے۔

مذہب کے ثلاثہ عناصر: مذہب کے بعض بنیادی عناصر ایسے ہیں جنہیں کم و بیش ہر مذہب میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہیں عقیدہ، رسوم اور اخلاق۔

1۔ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک فطری عنصر ہے جس کا تعلق سچائی کے فہم، اس

Marfat.com

کی ضابطہ سازی اور باطل سے نبرد آزمائی سے ہوتا ہے۔

2- رسوم، یہ مذہب کا دوسرا اہم عنصر ہے۔ یہ عنصر براہ راست اصل وحی سے ماخوذ ہوتا ہے، ایک الہامی مذہب میں رسوم کی حیثیت بڑی اہم ہے۔ ان کے بغیر مذہب کے وجود کا تصور ہی محال ہے۔

3- تیسرا عنصر اخلاقی ہے۔ اخلاقی اور نیکی کے بغیر روح یا تائید یا فضل خداوندی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوسکتی۔ مذہب کے پہلے دو عناصر انسان کے خداوند تعالیٰ سے تعلق کے حامل ہیں جبکہ تیسرا عنصر پڑوسیوں سے اس کے معاشرتی روابط کے متعلق ہے۔ مذہبی نظاموں کے مطالعے سے ایک عمومی اتفاق رائے کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایسے نظام سبھی معلوم معاشروں میں پائے جاتے ہیں۔ بہت سے معاشروں میں مذہبی عقائد ورسوم الگ الگ معاشروں میں الگ الگ ہیں۔ بعض معاشروں میں ان کی شکل وصورت میں بالکل ہی مختلف اور نامانوس ہے۔ تاہم اس امر میں وہ سب یکساں ہیں۔

(الف) ایک تو ان کا تعلق مافوق الفطرت سے ہے۔

(ب) دوسرے وہ اپنے معاشرے کے ارکان کیلئے ویسے ہی فرائض انجام دیتے ہیں جیسے ان میں عقائد ورسوم موجود ہوتے ہیں۔

مذہب کے مقاصد: مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگیمیں فطری طور پر مذہب کی ضرورت محسوس کرتا ہے چنانچہ مذہب کی بڑی غرض وغایت فطرتی تقاضوں کی تکمیل کرنا ہے۔ فطری تقاضوں کی نوعیت دو طرح کی ہیں۔

(الف) اخروی یا روحانی تقاضے: ان تقاضوں کا تعلق انسان کی روحانی زندگی اور روحانی نشوونما سے ہے اور اس کی ہستی اور ربوبیت کا شعور اور یقین حاصل کرنا ہے، اسی

Marfat.com

شعور اور یقین کی مدد سے وہ اپنی زندگی میں ایک خاص طرح کا اطمینان، احساس تحفظ اور اعتماد قوت پاتا ہے، اسی یقین وقوت سے وہ روشنی حاصل ہوتی ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے۔

(ب) دنیاوی یا مادی تقاضے: یعنی دنیاوی ضرورتیں اور مادی وسائل ان تقاضوں کا تعلق دنیاوی معاملات، ضروریات اور دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات و روابط سے ہوتا ہے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مادی تقاضے ہمارے معاشرتی اور معاشی امور سے متعلق ہوتے ہیں۔ مذہب ان امور کے سب پہلوؤں کے بارے میں ہدایت دیتا ہے تاکہ انسان کے مادی تقاضے بااحسن پورے ہوں اور اس کی اس کے خاندان کی زندگی باضابطہ بھی ہو اور خوشگوار اور متوازن بھی۔

دنیا کے سب مذہبوں اور معاشروں کے ایک سرسری مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک اعلیٰ وارفع ہستی یعنی خدا کا تصور ہر مذہب میں موجود ہے، اس تصور کی ہمہ گیری سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ خدا کی ہستی کا اقرار، انسان کی فطرت میں داخل ہے اور مذہب کی غرض وغایت یہی ہے کہ وہ انسان کو نہ صرف خدا کی ہستی کا یقین دلائے بلکہ اس کی خوشنودی اور اس تک رسائی کا راستہ بھی دکھائے۔ مذہب کا یہی راستہ انسان میں نیکی، بھلائی، خدمت خلق اور حق وصداقت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مذہب کی اولین اور سب سے بڑی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ وہ انسان میں خدائے کائنات اور خالق کائنات اور خالق کل کا یقین کامل پیدا کر دے یعنی اس سے دل میں ایمان کا نور بھر دے۔

انسان اپنی زندگی میں جن امور کے لئے مذہب کی ضرورت محسوس کرتا ہے ان میں سے بعض کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

1- مذہب انسانی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، انسان اپنی رہبری کے لئے عقل کا

Marfat.com

دامن تھامتا ہے لیکن عقل رہبر کامل نہیں بن سکتی چنانچہ یہ کام مذہب بجالاتا ہے۔

2-مذہب پاکیزگی، باطنی صفائی اور نیکی کا سبق دیتا ہے۔

3- مذہب انسان کو اس کے بلند و بالا مقام سے آگاہ کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کی حیثیت و اہمیت واضح کرتا ہے تاکہ وہ خالق کائنات کے احکام کی بجا آوری میں تغافل و تساہل نہ برتے اور دوسری مخلوقات اور اشیاء سے استفادہ کر سکے۔

4-مذہب انسان کو خالق کائنات کی راہ دکھاتا ہے اور اس کی معرفت پیدا کرتا ہے۔

5-مذہب انسان کو اچھائی اور برائی' نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ پھر اچھائیوں اور نیکیوں کی جزا اور برائیوں اور بدیوں کی سزا کی بھی اطلاع دیتا ہے۔ یہی انصاف کا تقاضا ہے کہ انسان کو مختلف کاموں کے نتائج سے پہلے ہی آگاہ کر دیا جائے اور پھر انسان کو اپنی راہ خود متعین کرنے اور منتخب کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔

مذہب کی تقسیم: ابتدائے انسانیت سے لے کر آج تک دنیا میں کتنے مذاہب وجود میں آچکے ہیں۔ ان کی صحیح تعداد کا کسی کو علم نہیں ہے۔ بے شمار مذاہب وقت کے ساتھ مٹ گئے جو باقی رہ گئے تھے یا ہیں ان کا احاطہ تو مشکل ہے تاہم علمائے تحقیق نے مذاہب عالم کی تقسیم ان طریقوں سے کی ہے۔

(1) سامی اور غیر سامی ادیان (2) الہامی اور غیر الہامی ادیان (3) ارتقائی یا تاریخی لحاظ سے مذاہب کی تقسیم۔

سامی وغیر سامی مذاہب: جب ہم مذاہب کی تقسیم کسی خاص نسل کی بنیاد پر کرتے ہیں تو اس تقسیم کو نسلی تقسیم ادیان کا نام دیتے ہیں۔ موجودہ عالمی مذاہب کو نسلی بنیاد کے حوالے سے ان تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

۱۔سامی مذہب ۲۔آریائی مذاہب ۳۔منگولی مذہب

سامی مذاہب میں سامی نسل کے حوالے سے یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ ان میں سوائے اسلام کے دوسرے دو سامی نسل کی برتری کا اصول کارفرما ہے جب کہ دین اسلام کی تعلیمات سامی نسل کی برتری کی بجائے اصول مساوات کی علمبردار ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ الحجرات میں ارشاد الٰہی ہے کہ اور ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ حضورﷺ کا فرمان ہے کہ ''عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں، تم سب آدم کی اولاد اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔

آریائی مذاہب میں ہندومت، جین مت، زرتشت اور سکھ وغیرہ نمایاں ہیں۔ منگولی مذاہب تاؤمت، کنفیوشس مت، شنٹومت، اسلاف پرستی وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے۔ بدھ مت ایک ایسا مذہب ہے جسے آریائی گروہ اور منگولی دونوں اپنے گروپ میں شامل کرتے ہیں حالانکہ غالب خیال یہ ہے کہ بدھ مت منگولی گروہ میں داخل ہے۔

الہامی اور غیر الہامی مذاہب: الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی تقسیم کے مطابق اسلام عیسائیت اور یہودیت (یعنی سامی ادیان) الہامی ادیان میں شامل ہیں جبکہ دیگر مذاہب عالم غیر الہامی کہلاتے ہیں اور انہیں غیر سامی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔ الہامی ادیان سے مراد ایسے ادیان ہیں جن کے ماننے والے خدا اس کے رسول اور ان کی لائی ہوئی کتابوں یعنی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات اور عقائد خدائے وحدہ لاشریک کی ہدایت کی تابع نہیں ہیں۔

بین الاقوامی والہامی مذاہب: بین الاقوامی والہامی مذاہب سے مراد ان مذاہب سے ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ عالم انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیا بلکہ ان مذاہب نے

Marfat.com

کائنات اور اس میں انسان کے مقام و مقصد حیات کا ایک واضح و جامع تصور دیا۔ان مذاہب میں بدھ مت کے علاوہ باقی سب مذاہب کو الہامی کہا جاتا ہے۔

یہودی مذہب: یہودی مذہب بین الاقوامی ہونے کے علاوہ الہامی مذہب تسلیم کیا جاتا ہے جس کی بنیاد عقائد پر ہے۔اول اللہ کی وحدانیت اور دوم بنی اسرائیل کا خدا کی مخصوص و منتخب امت ہونا۔تمام الہامی مذاہب میں خدا کی وحدانیت کا تصور پایا جاتا ہے لیکن یہودیت میں کچھ ایسے عقائد بھی شامل ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے مذہب توحید خالص کے تصور سے محروم ہو گیا۔یہودی نسلاً بنی اسرائیل ہیں۔اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''خدا کا بندہ'' ہیں۔دراصل اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا عبرانی نام تھا۔جن کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔یہودی کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی منتخب اور چہیتی قوم ہے۔بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کے عہد میں مصر آ گئے تھے۔جہاں ان کی نسل خوب پھیلی۔مصر میں پہلے سے جو قوم آباد تھی وہ لوگ قبطی کہلاتے تھے جب بنی اسرائیل دعوت حق و تبلیغ عقائد سے غافل ہوئے قبطیوں نے انہیں غلام بنا لیا اور اس عہد غلامی میں خدا کی طرف سے بنی اسرائیل میں مشہور پیغمبر حضرت موسیٰؑ معبوث کئے گئے جن کا زمانہ تیرہ صدی قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔حضرت موسیٰ کی قیادت میں بنی اسرائیل نے بغاوت کی اور مصر سے ہجرت کر کے جزیرہ نمائے سینا کی طرف آئے۔حضرت موسیٰ سے قبل بنی اسرائیل بھی کثرت پرست تھے۔یہ لوگ خاندانی دیوتاؤں کی مورتیوں کی پوجا کرتے تھے جنہیں تراحیم کا نام دیا جاتا تھا۔خاندان کا سربراہ ہی پروہت ہوتا۔یہ لوگ مقدس پتھر کے بھی معتقد تھے۔پتھروں سے بت تراشے جاتے اور ان سے منتیں مانگی جاتیں۔عبرانی ادب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے یہاں اس دور میں شجر پرستی، حیوان پرستی اور قومی دیوتا کا تصور عام تھا۔یہ لوگ یہودہ کو اپنا معبود خیال کرتے تھے۔جس کی صفات بدلتی رہتی تھیں اور یہودہ کا مسکن یہودی

Marfat.com

صحرائے سینا کو بتاتے تھے۔ یہودیوں کے عقیدے کے مطابق خدا ان سے دوستانہ رویہ رکھتا تھا۔ یہودیوں میں خدا اور دیوتا کو خوش کرنے کے لئے قربانیوں کا رواج تھا جن کی وجہ سے پروہتوں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا تھا۔ ان کے نزدیک سات کا ہندسہ بہت مقدس ہوتا تھا، یہودیوں کے یہاں عبادت کا باقاعدہ طریقہ رائج تھا۔ یہودیوں کی مذہبی کتاب توریت ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی توریت کے سلسلہ اول میں پانچ کتابیں پیدائش، خروج، حبار، اعداد و شمار اور اشیاء ہیں۔ سلسلہ دوم میں یوضع، قضاۃ، صموئیل اول دوم، ملوک اول دوم، شعیاہ، میر میاہ حزقیل وغیرہ اور سلسلہ سوم میں زبور، امثال سلیمان، ایوب، نوح میر میاہ، واعظ، اسنیر، دانیال، عزرا، نحمیا، ایام اول دوم وغیرہ کتب شامل ہیں۔ ان کتابوں کی تدوین و تالیف کے زمانہ کا تعین مشکل ہے، ماہرین کہتے ہیں کہ بخت نصر نے جب یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا تو تمام کتب تلف کر دی گئی تھیں اور کئی سو برس بعد لوگوں کے حافظے کی مدد سے کتابیں از سر نو مرتب کی گئیں۔ یہ کتابیں اتنی تلف اور دوبارہ تالیف ہوتی رہیں کہ عبرانی کے بعد آرامی زبان میں آنے سے اصل زبان و ترتیب ہی غائب ہوگئی تاہم یہودی مذہب کے بنیادی عقائد کا ذکر مشہور یہودی فلسفی موسی بن میمون نے اس طرح کیا ہے۔

1- وجود خداوندی پر ایمان

2- اللہ کی وحدت پر ایمان

3- اس کے دائم ہونے پر ایمان

4- اس کے غیر مادی ہونے پر ایمان

5- عبادت صرف اسی کے لئے ہے پر ایمان

6- حضرت موسی کے سب سے بڑے پیغمبر ہونے پر ایمان

7- اللہ کے پیغمبروں پر ایمان

Marfat.com

8-اس بات پر ایمان کہ تورات (زبانی وتحریری) حضرت موسیٰؑ پر صحرائے سینا میں نازل ہوئی

9-تورات کے نا قابل تفسیر ہونے پر ایمان

10-خدا کے علیم وخبیر ہونے پر ایمان

11-حیات بعد الموت اور یوم آخرت کی جزا وسزا پر ایمان

12- مسیح کے آنے پر ایمان

13-مردوں کے جلائے جانے پر ایمان

عیسائی مذہب: موجودہ دنیا کی تقریباً تیس فیصد آبادی عیسائی مذہب کی پیرو ہے اور اس اعتبار سے یہ بہ لحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ ابتداء میں عیسائی مذہب کو بھی یہودیت کی ایک شاخ خیال جاتا تھا۔ دراصل یہودی قوم کی نافرمانیوں کے باعث اللہ کی طرف سے بار بار انبیاء رث کئے جاتے رہے جن کی تعلیمات کے ذریعہ انسانیت کی فلاح مقصود تھی لیکن یہودی بدستور پستیوں کا شکار رہے۔ وہ اصلاح کی تعلیم دینے والے انبیاء کے ساتھ انتہائی شرمناک سلوک کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ کو قتل کر دیا گیا، کچھ کو قید میں ڈالا گیا، کچھ کو سنگسار کیا گیا، کچھ کو جلا دیا اور کچھ کو آروں سے چیرا گیا۔ یہ قوم اصلاح کی کوئی آواز سننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ رومیوں کی محکومی کے باعث یہ قوم جہالت کے گہرے گڑھے میں گر گئی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے دین کی روح غائب ہو گئی تھی اور یہودی علماء نے مذہبی عقائد وتعلیمات کو اپنی منشاء کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ ان حالات میں گمنامی کا پردہ پڑا ہے اور بے شمار اور متضاد کہانیاں مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے تیس برس کی عمر میں تبلیغ شروع کی اور معجزوں کا مظاہرہ کرتے تھے جن میں مردوں کو زندہ کرنا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علمائے یہود نے آپ کو ہدف تنقید بنایا اور آپ کی تعلیمات کی ابتدائی متاثرین محض معمولی لوگ تھے۔ یہودیوں نے رومی گورنر کو اکسایا اور حضرت عیسیٰؑ کو بغاوت

Marfat.com

کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ رومی گورنر غالباً حضرت عیسیٰؑ کو بے گناہ سمجھتا تھا اس لئے اس نے عوام کو اختیار دیا کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ قومی تہوار کے موقع پر مشہور قاتل، ڈاکو و بدمعاش برابا اور حضرت عیسیٰؑ میں سے کس کو معاف کر دیا جائے کس کو پھانسی دی جائے۔ متعصب یہودیوں نے برابا کے رہا کرنے کا فیصلہ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی موت کے سلسلے میں عقائد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب آپ کو پھانسی دی جانے لگی تو اللہ نے آپ کو اوپر اٹھا لیا اور آپ چوتھے آسمان پر مقیم ہیں۔ عیسائیوں کے عقائد مختلف ہیں حواریوں کے مطابق آپ اللہ کے بیٹے تھے اس لئے کہ کنواری مریمؑ کے حمل روح مقدس سے ٹھہرا تھا۔ رومی گورنر پونٹین پلیٹ کے عہد میں آپ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ دفن کے تیسرے دن زندہ ہو گئے۔ آسمان پر چڑھ گئے اور اب خداوند صاحب قوت باپ کے دائیں طرف بیٹھے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تاریخی مواد کی اس قدر کمی کی ہے کہ جدید مورخین کے ایک طبقے نے تو آپ کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ رومیوں اور یہودیوں کے مظالم کے باوجود عیسائیت نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور ایک دور وہ آیا کہ عیسائی پادریوں کی قوت یورپ کے بادشاہوں سے زیادہ تھی۔ عیسائی حضرت مسیح کی تعلیمات کی سادگی سے نکل کر عیش و عشرت کی زندگی سے بسر کرنے لگے اور حصول دولت کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز ذرائع کو اپنایا جانے لگا۔ پھر پادریوں نے لوگوں کو باقاعدہ جنت کے پروانے دینے شروع کر دیئے۔ عیسائیت کے مخالفین کو طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دی جانے لگیں جن کے لئے خصوصی مذہبی عدالتیں لگائی جاتی تھیں۔ ماہر علوم سائنس کو زندہ جلایا جاتا اور پادریوں کی تعلیمات نے عجیب طرح کی فضا پیدا کر دی جس میں تمام کے تمام شعبوں کی ترقی رک گئی۔ بہر حال اس صورتحال نے لوگوں کو مذہب کے خلاف کر دیا۔ عیسائیوں کے عقیدے کی نمایاں چیز عقیدہ تثلیث ہے، جس میں باپ بیٹا اور روح

Marfat.com

القدس شامل ہیں۔ حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے سمجھے جاتے ہیں، رومن کیتھولک میں حضرت مریم کو بھی اسی تثلیث میں شامل کر دیا گیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ بعد کی پیداوار ہے۔ ابتدائی عیسائیوں میں کئی ایسے فرقوں کا نشان ملتا ہے جو حضرت مسیح کو خدائے واحد کا بندہ تسلیم کرتے تھے۔ مشہور عیسائی عالم چالس اینڈرسن اسکاٹ کے مطابق پہلی تین اناجیل میں حضرت مسیحؑ کے انسان ہونے کا تصور ملتا ہے اور ان کی متعدد عبادتوں سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ خود کو صرف پیغمبر سمجھتے تھے عیسائیوں کی مذہبی کتاب اناجیل جو عہد نامہ قدیم وجدید پر مشتمل ہے عہد نامہ قدیم میں چار اناجیل شامل ہیں۔ متی، لوقا، مرقس، یوحنا ان کے علاوہ بھی کئی خطوط و اناجیل پائی جاتی ہے لیکن انہیں غیر مستند قرار دیا جاتا ہے، ان چار اناجیل میں بھی تضاد ہے، ان اناجیل کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ چار مصنفین کو فرداً فرداً علیحدہ الہام ہوئی ہیں اور ان کا زمانہ حضرت مسیح کا زمانہ ہے لیکن قلم بند کرنے کا زمانہ مختلف ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے بعض یہودی عقائد بھی عیسائیت میں پیوست ہو گئے ہیں۔

عیسائیوں کے تین بڑے فرقے ہیں۔ مشرقی تقلید پسند، رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔

عیسائیت کی تعریف: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

''وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے''

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے انسائیکلوپیڈیا آف ریلی جن اینڈ اتھکس کے مقابلے ''عیسائیت'' میں وہ لکھتا ہے۔

''عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائنات مواحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع

Marfat.com

مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے''۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جزو کی توضیح کی ہے۔

''اخلاقی مذہب'' سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کئی دینوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو بلکہ اس کا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو۔

''تاریخی مذہب'' کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے...... یعنی حضرت عیسیٰؑ! انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔

''کائناتی'' ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے، عیسائی مذہب کو موحد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے۔

''اگرچہ عام طور پر عیسائیت کے عقیدہ تثلیث یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث .... کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لی کن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدت کے طور پر ایک سمجھتی ہے''۔

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ''کفارے'' پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گاردے لکھتا ہے۔

''خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسے پھر سے

Marfat.com

قائم کیا جائے اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے''

عقیدہ تثلیث: یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم(Persons) سے مرکب ہے، باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث(Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح وتعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کے تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ''خدا'' باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور ''کنواری مریم'' وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع سے جسے ثالوث(Trinity) کہتے ہیں، اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے' ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا' ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ خدا تو ہیں' مگر مجموعی خدا سے کمتر ہیں اور ان پر لفظ ''خدا'' کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین خدا ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔

توحید فی التثلیث: غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک ''خواب پریشان'' بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرنا مناسب ہوگی جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہیں۔

Marfat.com

''تثلیث کے عیسائی نظریئے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ اس لئے کہ عیسائی نظریئے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔''

عقیدہ حلول و تجسم: حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے یوحنا میں ملتا ہے۔ اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتدا ان الفاظ سے کرتا ہے ''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا، یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔''

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے ''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال''

عیسائی مذہب میں ''کلام'' خدا کے اقنوم ابن سے عبادت ہے، جو خود مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت مسیحؑ کے روپ میں آ گیا تھا، مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کو چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی ہے۔''

''بیٹے'' کے اقنوم کو یسوع مسیحؑ کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت

Marfat.com

ہے اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت ہے اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔

عقیدہ مصلوبیت: حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں یہودیوں نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا اور اس سے ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی۔ جو ان کے نزدیک خدا ہے بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیحؑ کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

صلیب مقدس: چونکہ عقیدہ مصلوبیت کی بنا پر صلیب کے نشان کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ ہی صلیب (بزعم نصاری) حضرت مسیحؑ کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام ہے ''دریافت صلیب'' اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار (Symbol) بن گیا اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے' مشہور عیسائی عالم

Marfat.com

ٹرٹولین لکھتا ہے۔

''ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت، غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔''

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ وہ ان کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیحؑ کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد ''کفارہ'' کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

عقیدہ حیات ثانیہ: حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے اور حواریوں کو کچھ ہدایت دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے۔ دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیلی گفتگو بیکار ہے۔

حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی عقائد: حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام (یعنی بیٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیحؑ کے انسانی وجود میں حلول کئے رہا۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو

Marfat.com

سولی پر چڑھادیا، اس وقت یہ خالی اقنوم ان کے جسم سے الگ ہوگیا، پھر تین دن کے بعد آپ پھر دوبارہ زندہ ہوکر حواریوں کو دکھائی دیئے اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے اور یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان رکھنے والوں کو وہ گناہ معاف ہوگیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے ان کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا۔

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزا ہیں۔

1- عقیدہ حلول وتجسم 2- عقیدہ مصلوبیت

3- عقیدہ حیات ثانیہ 4- عقیدہ کفارہ

عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیت، حلول وتجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے سرمو احتلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں اور درحقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجود عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے۔ موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہیں اور اس کے برعکس ایسے اقوام کی تعداد بے شمار ہے جن سے ان عقائد کی تردید ہوتی ہے۔

عقیدہ کفارہ: مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے واضح ہوجاتی ہے کہ عقیدہ حلول وتجسم نہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی ارشاد سے ثابت ہے اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا بلکہ اسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے۔ آیئے اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدہ یعنی ''عقیدہ کفارہ'' کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

Marfat.com

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے۔ ہم پہلے یہ جان چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے۔ بپتسمہ اور عشاء ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیل اربعہ میں حضرت مسیحؑ کے بہت سے ارشادات کے ذریعے اس کی وضاحت کی گئی ہوگی اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد ونظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور انظام کے بانیوں کی تصانیف میں جابجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے مثلاً اسلام کی بنیاد توحید رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں' اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے۔

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے' جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں' بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں۔ ان کی کوئی تشریح حضرت مسیحؑ یا ان کے کسی حورای سے نہیں ملتی۔ عقیدہ تثلیث اور برحلول وتجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں۔ عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں۔

1- ''اس کے بیٹا ہوگا' اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔'' (متی: ۲۱:۱)

Marfat.com

2- ''فرشتے نے ان سے کہا... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند''
(لوقا:۱۱:۲)

3- ''کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے'' (لوقا:۳۰)

4- ''حضرت مسیح نے فرمایا ''ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے'' (لوقا۹:۱۰)

5- ''ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتروں کے بدلے فدیہ میں دے'' (متی ۲۰:۲۸)

6- ''یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے'' (متی ۲۶:۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔

ان جملوں سے زیادہ عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی، مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے لیکن اگر انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کی جائے۔ کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا، حضرت مسیحؑ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے اور جو لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انہیں ہدایت کا رکا راستہ دکھا کر انہیں جہنم کے عذاب کے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں، خواہ انہیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنا پڑیں؟

''اپنی جان بہتروں کے لئے فدیہ میں دے'' اور ''یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے'' اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا

Marfat.com

تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیحؑ اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے ان کی قوت ارادی سلب ہوگئی تھی اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا' پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ معاف ہو گئے۔

خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے۔

''جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی' بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگئی اور شریر کی شرارت شریر کیلئے'' (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰؑ کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انہوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی۔

آخری دلیل: اب اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کئے جاتے ہیں، جن سے یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ ان عیسائی علماء کا ہے جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کا حلال بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

''مصنفین کا ایک مکتب فکر جس میں سے ڈبلو، ریڈ (W.Wrede) کو بطور مثال ذکر

Marfat.com

کیا جا سکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں ہے تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولسنے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا وہ درحقیقت اس کلیسائی عیسائیت کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پولس کی ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولس مذہب میں نہ صرف یہ کہ گناہ کفارہ اور منجی کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو شامل کیا گیا ہے بلکہ یسوع مسیحؑ سے متعلق پولس کی تمام تر متصوفانہ روش جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیحؑ کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انہوں نے خدا اور انسانوں کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں (۱) اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر ووٹ لوئی دینک لکھتا ہے۔

''پال'' دی لاگارڈ سے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر ابراہیمؑ کی نسل سے تھا اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی فریسیوں کا'' تھا اسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابل اعتماد علم مطلق نہیں تھا لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انہیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے۔

آج یہی کلیسا اپنے ''پولسی ورثے'' کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پولس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا..... یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا، یہ تمام کام اس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے' مگر اول تو یہودی انداز میں پولس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک ''ترمیم شدہ

Marfat.com

اسرائیلی مذہب'' کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے۔

لی گارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینک لکھتے ہیں۔

''عصر حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لیگارڈے نے بیان کیے، اب بھی لوگ بہت جلد اس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، اس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا''

قرآن کریم کا استدلال (فرمان الٰہی)

وما كان الناس الا امته و احدة فاختلفو-ولولا كلمة سبقت من ربك لقضى بينهم فيما فيه يختلفون (سورۃ یونس:١٩)

ترجمہ: ''اور ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (الگ الگ گروہوں میں تفرق نہ تھے) پس ایسا ہوا کہ وہ باہم دگر مختلف ہو گئے (اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (یعنی یہ کہ انسانوں میں اختلاف ہوگا اور مختلف راہیں لوگ اختیار کریں گے) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کا (یہیں دنیا میں) فیصلہ کر دیا جاتا۔

فرمان الٰہی: ولقد بعثنا فی كل امة رسولا ان اعبدوالله و اجتنبو الطاغوت (النحل:٣٦)

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر معبوث کیا (جس کی تعلیم یہ تھی) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے (یعنی سرکش اور شریر قوتوں کے اغوا سے) اجتناب کرو۔

فرمان الٰہی: وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحى اليه انه لااله انا فاعبدون (الانبیا:٢٥)

Marfat.com

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

سب نے ایک ہی دین پرا ارہنے اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی تعلیم دی۔

دنیا میں کوئی بانی مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پرا ارہنے اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو۔ سب کی تعلیم یہی تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لئے ہے۔ الگ الگ کر دینے کے لئے نہیں ہے۔ پس ایک پروردگار عالم کی بندگی میں سب متحد ہو جاؤ اور تفرقہ ومخاصمت کی جگہ باہمی محبت ویکجہتی کی راہ اختیار کرو۔ چنانچہ وہ کہتا ہے، خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے، سب کی تعلیم یہی تھی کہ "الدین" پر یعنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ جاؤ۔

فرمان الٰہی: شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم و موسٰی و عیسٰی ان اقیمو الدین ولاتتفرقو فیه (الشوریٰ:۱۳)

ترجمہ: اور (دیکھو!) اس نے تمہارے لئے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ "الدین" (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ۔

تمام مقدس کتابوں کی باہم دگر تصدیق اور اس سے قرآن کا استدلال۔

اسی بنا پر وہ تمام مذاہب عالم کی باہم دگر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل پیش کرتا ہے یعنی اس کا کہنا یہ ہے کہ ان میں سے ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے، جھٹلاتی نہیں جب

Marfat.com

ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا، ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت و قائم حقیقت ضرور کام کر رہی ہے کیونکہ اگر مختلف گوشوں، مختلف قوموں، مختلف ناموں، مختلف پیراؤں اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو اور باوجود ان تمام اختلافات کی بات ہمیشہ ایک ہی ہو اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو تو قدرتی طور پر تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایسی بات اصلیت سے خالی نہیں ہو سکتی

خدا کی حکمت اس کے مقتضی ہوئی کہ اختلاف شرائع ظہور میں آئے۔

سورہ مائدہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ مختلف دعوتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ذکر حضرت موسیٰ اور تورات سے شروع ہوتا ہے انا انزلنا التورة فیھا ھدًی و نور (۴۴) پھر حضرت مسیحؑ کے ظہر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

و قفینا علی اثرھم بعیسی ابن مریم (۴۶) حضرت مسیحؑ کے بعد پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا، وانزلنا الیك الکتب بالحق مصدقاً لما بین یدیه (۴۸)

پھر ان مختلف دعوتوں کے ذکر کے بعد وہ لوگوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعة و منھاجا ولوشاء الله لجعلکم امةً وحدةً ولکن لیبلوکم فی مآ اتکم فاستبقو الخیرات (۴۸)

ترجمہ: ہم نے تم سے یہ ہر ایک کیلئے (یعنی ہر دعوت کے پیروں کیلئے) ایک خاص شریعت اور راہ ٹھہرادی اگر اللہ چاہتا تو شریعتوں کا کوئی اختلاف نہ رہتا) تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن یہ اختلاف اس لئے ہوا کہ (ہر وقت و حالات کے مطابق) تمہیں جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے۔ پس ان اختلاف کے پیچھے نہ پڑو) نیکی کی راہوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔

پیروان مذاہب نے دین کی وحدت بھلادی اور شرع کے اختلاف کو بنائے نزاع بنالیا!

Marfat.com

اس آیت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا ایک حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب' کو صرف اس کے ظہور رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا تمام جوش وخروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے کیونکہ وہ دیکھتا تھا' دوسرے کے اعمال ورسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں لیکن قرآن کا فرمان ہے کہ نہیں یہ اعمال ورسوم نہ تو دین کی اصل حقیقت ہیں نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچہ ہے مگر روح وحقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصل دین ہے یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے اور چونکہ یہ اصل دین ہے اس لئے نہ تو اس میں تغیر ہے نہ کسی طرح کا اختلاف رونما ہوا۔ اعمال ورسوم فروع ہیں اس لئے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے اور جس قدر بھی اختلاف ہوا انہی میں ہوا۔

یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی اور اس کا رد: فرمان الٰہی: وقالوا لن یدخل الجنة الامن کان هودًا و نصرٰی تلك امانیهم قل هاتو برهانكم ان كنتم صدقین ٥ بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عنده ربه ولا خوف ولاهم یحزنون (البقرۃ:۱۱۱۔۱۱۲)

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ نے کہا: جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہود اور نصاریٰ نہ ہو۔ (یعنی جب تک یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو) یہ ان لوگوں کی (جاہلانہ) امنگیں ہیں (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو اگر تم (اس زعم باطل میں) سچے ہو تو بتلاؤ تمہاری دلیل کیا ہے؟ ہاں بلاشبہ نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر وہ کسی

Marfat.com

خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہوسکتی وہ ایمان وعمل کی راہ ہے۔جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو (خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو، خواہ کوئی) وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر پائے گا اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی۔

یعنی مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ الگ ہوگئی ہیں اور باوجود یکہ تمام پیروان مذاہب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہیں لیکن ممکن نہیں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہیں جا کر خدا کا نام لے سکے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہر گروہ صرف اپنی عبادت گاہ کو خدا کی عبادت گاہ سمجھتا ہے دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اس کی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی، حتیٰ کہ بسا اوقات وہ مذہب کے نام پر اٹھتا ہے اور دوسروں کی عبادت گاہوں کو منہدم کر ڈالتا ہے۔قرآن کہتا ہے اس سے بڑھ کر انسان کا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے خدا کے بندوں کو خدا کی یاد سے روکا جائے؟ اور صرف اس لئے روکا جائے کہ وہ ایک دوسرے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا یاک عبادت گاہ ڈھادی جائے اور اس لئے ڈھادی جائے کہ وہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے دوسرے گروہ کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے بنائے مذہبی جتھوں کے اختلاف سے خدا بھی مختلف ہوگئے؟ اور اس لئے ایک جتھے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ تو خدا کی عبادت گاہ ہوئی مگر دوسرے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ خدا کی عبادت نہیں؟

تعلیمات اسلام: اس کا کہنا ہے کہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین جو کچھ ہے یہی ہے۔اس کے سوا جو کچھ بنا لیا گیا ہے وہ انسانی گروہ بندیوں کی گمراہیاں ہیں۔پس اگر تم خدا پرستی اور عمل صالح کی اصل پر جو تم سب کے یہاں اصل دین ہے، جمع ہو جاؤ اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آ جاؤ، تو میرا مقصد پورا ہوگیا۔میں اس سے زیادہ اور کیا چاہتا ہوں؟ فرمان الٰہی!

ان الدین عنداللہ الاسلام و ما اختلف الذین اوتو الکتب الامن بعد ما

Marfat.com

جآء هم العلم بغيًا بينهم و من يكفر بايٰت الله فان الله سريع الحساب

(آل عمران:۱۹۔۲۰)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے اور وہ ''الاسلام'' ہے اور یہ جو اہل کتاب نے اختلاف کیا (اور ایک دین پر مجمع رہنے کی جگہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں بٹ گئے) تو یہ اس لئے ہوا کہ اگرچہ علم وحقیقت کی راہ ان پر کھل چکی تھی لیکن آپس کی ضد اور سرکشی سے اختلاف میں پڑ گئے اور (یادرکھو!) جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے تو اللہ (کا قانون مکافات بھی) حساب لینے میں سست رفتار نہیں۔

اسوۂ رسول ﷺ: حضور ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے مدینہ شریف کے اردگرد بے شمار قبائل سے امن کے معاہدے کئے اور جب کبھی بھی دشمن پر موقع ملا۔ آپ ﷺ نے کمال رواداری اور حلم کا مظاہرہ کیا۔ تاریخ اسلام میں ہے کہ ثمامہ بن اثال مشتبہ حالت میں گرفتار ہوئے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ اس نے آپ ﷺ کو ایک دفعہ قتل کی دھمکی دی تھی۔ نبی اکرم ﷺ اس سے پوچھتے ہیں کہ ثمامہ کیا حال ہے؟ ثمامہ جواب دیتا ہے کہ میرا حال برا ہے۔ اگر آپ قتل کا حکم دیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے لئے ہوگا۔ اگر معاف فرمائیں گے ایک شکرگزار پر رحمت فرمائیں گے۔ اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہے بتادیجئے۔ بخاری میں مروی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

''ان تقتل تقتل ذارم'' یعنی اگر آپ مجھے ماریں گے تو میرا مارنا درست ہوگا یعنی ثمامہ نے خود اقرار کیا کہ وہ مارے جانے کے قابل ہے۔ (اسلامی ریاست عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہار ڈاکٹر حمید اللہ (۹۶:۹۸)

دوسرے اور تیسرے روز بھی آپ ﷺ نے اس کا حال پوچھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ثمامہ رہائی کے بعد مسجد نبوی کے قریب ایک باغ میں گیا، غسل

Marfat.com

کیا اور مسجد نبوی واپس لوٹ آیا اور آتے ہی کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

حضورﷺ اگر چاہتے تو قتل کا حکم دے سکتے تھے (جبکہ وہ خود اپنے قتل پر قائل اور متفق تھا) لیکن آپﷺ نے کامل رواداری کا مظاہرہ فرمایا اور اسے معاف کر دیا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا رہا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر اعتراض ہوتا ہے۔ آپﷺ اس کو مٹا دیتے ہیں۔ ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے حضرت ابوجندل بن سہیل بن عمرؓ جو اسلام کے جرم قریش کی قید میں تھے۔ کسی طریقہ سے بھاگ کر تشریف لاتے ہیں اور البدایہ والنھایہ میں رقم ہے کہ آپ نے کہا۔

یا معشر المسلمین اردالی المشرکین و قد جئت مسلما الاترون مقاد لقیت......قد عذب عذابا شدید افی الله........

آپﷺ نے مشرکین مکہ سے ابوجندل کو مانگا مگر وہ انکار کر گئے، حالانکہ سال قبل انہوں نے غلہ کی بندش پر آپﷺ سے غلے کی بحالی کی استدعا کی تھی جس پر آپﷺ نے نجد سے غلہ کی بحالی کا حکم دیا تھا۔ اس طرح آپ نے دشمنوں سے بھی رواداری کا برتاؤ کیا۔ (البدایۃ والنھایہ ۴/۶۔۷۔۱۷۵)

نبی اکرمﷺ حدیبیہ میں قیام پذیر تھے کوہ تنعیم سے آدمی اترے کہ مسلمانوں کو حالت نماز میں قتل کر دیا جائے۔ یہ سب لوگ گرفتار ہوئے، حضورﷺ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ (رحمت اللعالمین۔ سید سلیمان منصور پوری ۱۲۱۔۱) حالانکہ آپﷺ مشرکین مکہ سے یہ کہہ سکتے تھے کہ تم نے ابوجندل نہیں دیا، میں ابھی آدمی واپس نہیں کرتا۔

۹ھ میں قبیلہ بنو طے نے بغاوت کی۔ حضرت علیؓ نے فسادیوں کو پکڑ کر مدینہ بھیج دیا۔ ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کی بیٹی نے آپﷺ سے عرض کی کہ قوم کی سردار کی بیٹی ہوں، میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا، آپ مجھ پر رحم کریں۔ آپﷺ نے فرمایا تیرے

Marfat.com

باپ میں مومنوں کی صفات تھیں، اس کے بعد اس کو جملہ متعلقین کے ساتھ چھوڑ دیا، لباس اور زادراہ بھی دیا۔ (رحمت اللعالمین سید سلیمان منصور پوری ۱۹۱۔۲)

جب مکہ میں قحط پڑا اور آپ ﷺ کمال رواداری کا مظاہرہ فرماتے ہیں، ابوسفیان کو معاف بھی کرتے ہیں مزید اعزاز بخشا جاتا ہے کہ جو ابوسفیان کے گھر چلا جائے گا وہ محفوظ ہے۔ (سیرت النبی شبلی ۲۹/۴)

آپ ﷺ نے جو خطوط کسریٰ اور ہرقل کو لکھے ان میں ان کو دین کی دعوت کے بعد کہا گیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ''توحید'' ایک ایسا نقطہ بن سکتا ہے جس پر ہم سب متفق ہوسکتے ہیں۔ ہرقل کی طرف جو خط لکھا گیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم' من محمد بن عبدالله رسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى' اما بعد فانى ادعوك بدعايته الاسلام- اسلم تسلم يوئك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الدربين - و ياهل الكتاب تعلو الى كلمه سواء بيننا و بينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً والا يتخذ بعضا اربابا من دون الله فان تولو افقولوا اشهدو ابانا مسلمون (848 V-5 Encyclopaedia of islam)

عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں جو مسلمانوں کا رویہ رہا ہے وہ تاریخ میں سنہرے حروف میں مرقوم ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے یہود سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ نبی عوف کے یہود مسلمانوں کی طرح ایک ملت شمار ہوں گے۔ ہر قسم کے حملے کے خلاف ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمہ ہوگا اور ان دونوں کے تعلقات خوش سگالی اور باہمی مشترکہ مفاد پر مبنی ہوں گے۔ یہود کے حلیف مسلمانوں کے حلیف شمار ہوں گے اور ہر مظلوم

Marfat.com

کی حمایت کی جائے گی خواہ وہ کسی گروہ سے ہو۔

اور اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں۔ نجران کے عیسائی خدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہوں گے۔ ان کے جان و مال عقائد اور علاقوں کی حفاظت کی جائے گی اور یہ حفاظت ان تک محدود نہ ہوگی بلکہ ان پر بھی عائد ہوگی جو اس وقت موجود نہیں ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے عالمی طور پر کمال رواداری کا مظاہرہ کیا اور انسان کی قدر بحیثیت انسان کی۔ ولقد کرمنا بنی آدم

Marfat.com

خدمت خلق سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

خدمت خلق کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر کسی صلہ یا غرض کے مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف مسلمانوں کی یا انسانوں کی ہی خدمت کی جائے بلکہ اس میں مسلم غیر مسلم اپنے بیگانے انسان وحیوان سب شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله

(بیہقی عن عبداللہ، مشکوۃ شریف۔ ۴۲۷)

ترجمہ: تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سے محبوب ترین وہ شخص ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدی کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

(حضرت اکبر الہ آبادی)

خلق خدا سے انس ہمدردی اور شفقت شروع ہی سے حضور ﷺ کی طبیعت شریفہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شرک اور جاہلیت کی رسوم سے سخت نفرت تھی اور اپنی قوم کو بھی اس ضلالت اور گمراہی سے بچانے میں اپنی عمر صرف فرما دی اور فرمایا۔

Marfat.com

لااسلکم علیہ اجرا (الشوری:۲۳)

میں اس کے بدلے کسے صلے کا طالب نہیں ہوں، نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ۔

یعنی اسلام کی تمام تعلیم ہی خدمت خلق ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے کثرت سے احادیث میں خدمت خلق کی ترغیب دی ہے۔ مثلاً فرمایا، من کان فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ (ریاض الصالحین: نووی ج۔ احدیث ۲۴۶ بحوالہ بخاری و مسلم)

جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ نیز ارشاد ہے "خیر الناس من ینفع الناس" سب لوگوں میں سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور فرمایا۔ ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء۔ زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ اس کا ترجمہ مولانا حالی نے کیا خوب کیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

خدمت خلق آپ ﷺ کا خاندانی وصف تھا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے، مکہ مکرمہ کے تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ جب اللہ کریم نے قریش کی سیادت قصی بن کلاب کو عطائی فرمائی تو وہ ہر سال قریش کے کھاتے پیتے لوگوں کو آمدنیوں کا ایک حصہ ان کی رضا و رغبت سے وصول کرتے اور اس طرح جمع شدہ رقم سے حجاج کرام کی خدمت کرتے، جا بجا پانی کی سبیلیں لگواتے، ان کے لئے کھانا تیار کرا کے انہیں کھلاتے، جن زائرین کا زادراہ ختم ہو جاتا ان کی مدد کرتے۔

ہاشم: ہاشم کا اصل نام عمرو تھا۔ ہاشم کا لقب اسے اس وقت دیا گیا جب مکہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس نے شام سے غلہ لا کر روٹیاں پکوائیاں اور بہت سے اونٹ ذبح کرا

Marfat.com

کے سالن تیار کرایا اور روٹیوں کو اس میں چور کر کے لوگوں کو اس کا ثرید کھلایا۔ ہشم کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں۔ روٹیاں توڑ کر سالن میں مالیدہ بنوانے کی وجہ سے اس کو ہاشم کہا جانے لگا۔

عبدالمطلب: ابن کثیر کا بیان ہے کہ عبدالمطلب بھی ماہ رمضان میں ہر سال غار حرا میں جا کر تحنث (عبادت) کیا کرتے تھے اور پورے مہینے مساکین کو کھانا کھلاتے رہتے تھے۔ جب زمزم جسے بنی جرہم بند کر کے اس کا نشان تک مٹا گئے تھے۔ عبدالمطلب کے ہاتھوں برآمد ہوا۔ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) کا منصب جس میں اب سب سے اہم زمزم کی سقایت تھی زندگی بھر آپ کے پاس رہا۔

ابوطالب: عبدالمطلب کے بعد سقایہ کا منصب ان کے بیٹے ابوطالب کو ملا، جو اپنی فیاضی کے باعث اپنی مالی استطاعت سے بہت بڑھ کر حاجیوں کو پانی شربت دودھ وغیرہ پلانے میں خرچ کرنے لگے جس کی وجہ سے انہیں کئی مرتبہ اپنے بھائی عباس سے قرض لینا پڑا اور اسے ادا نہ کر سکے آخر کار حضرت عباس نے شرط لگائی کہ اب اگر آپ قرض ادا نہ کر سکیں گے تو سقایت کا منصب آپ کو میرے لئے چھوڑ دینا ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سقایت حضرت عباس کو مل گئی۔

حلف الفضول میں شرکت: جب آپ ﷺ کی عمر ۲۰ برس تھی تو حرب فجار کے کچھ عرصہ بعد قریش کے سب قبیلوں نے آپس میں عہد کیا کہ ملک میں ہر طرح کا امن قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور مکہ میں آئے ہوئے مسافروں اور غریبوں اور مظلوموں کی مدد کریں گے خواہ وہ کسی قبیلے سے ہوں۔ آپ ﷺ نے بھی اس معاہدے میں شرکت فرمائی اور آپ ﷺ کو اس پر اتنا ناز تھا کہ زمانہ رسالت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ "اس معاہدے

Marfat.com

کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا اور آج بھی ایسے معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔"

(ابن سعد الطبقات الکبریٰ ج۔ا بیروت۔ص ۱۲۹)

اس معاہدے کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے بنی جرہم کے تین سرداروں فضل بن قضاعہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا مقصد ظلم وتعدی اور معاشی استحصال کا خاتمہ تھا (ابن کثیر۔ البدیہ و النہایہ بیروت ج ۲، ۱۹۸۱ء، ص ۲۹۱)

مواخاۃ: دنیا کے تمام نظاموں کے بہترین نظریات کو ڈھالنے اور چلانے والے بہترین دماغ آج تک انسانوں کی اس بستی میں انسانی اخوت ہمدردی اور باہمی تکافل اجتماعی کے کئی نظریات پیش کر چکے ہیں مگر وہ اس نظام مواخاۃ کی گرد راہ کو بھی نہ پہنچ سکے جو نبی اُمی ﷺ نے اس دور میں قائم کر کے دکھایا۔ جب نہ نظریات کی ترقی ہوئی (جو انسانوں کو عمل سے ہٹا کر فکر کا غلام بنا دیتے ہیں) نہ سرمایہ دارانہ نظام نے ہوس زر کی مشین چلائی تھی جو ان تمام اقدار کو کچل دیتی ہیں۔ جن پر باہمی اخوت اور مروت کے محترم جذبات کی نیو رکھی جاتی ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

(اقبال)

آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالک کے گھر میں ۴۵ انصار اور ۴۵ مہاجرین کو اکٹھا کیا اور مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔ اس طریقہ کے تحت ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ اب وہ مہاجر صحابی اپنے انصاری بھائی کا مہمان نہیں بلکہ شریک کار بن گیا۔ گویا اس طرح وہ اپنے انصاری بھائی کے معاشی وسائل میں حصہ دار بن گیا۔ یعنی آپ ﷺ نے انصار کے معاشی

Marfat.com

وسائل(Economic Resources) میں مہاجرین کوشریک کردیا۔

اس عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ بوقت ضرورت اغنیاء کے معاشی وسائل کوان کی رضا و رغبت سے مشترک ذرائع معاش (Joint Economic Resources) قرار دیا جاسکتا ہے۔

(غفاری۔ڈاکٹرنورمحمد، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی،مرکزتحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور)

خدمت کے مستحقین اور ان کے مدارج: خدمت کے سب سے زیادہ مستحق والدین پھر قریبی رشتہ دار پھر ہمسائے اور پھر دیگر حاجت مند مسلمان ہیں۔اس کے بعد غیر مسلموں کا نمبر آتا ہے۔آپ ﷺ کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس غیر مسلموں کی خدمت کی جس سے متاثر ہوکر وہ مشرف با اسلام ہوجاتے تھے۔

آپ ﷺ کا پیغام: علامہ سید سلیمان ندوی اپنی شہرہ آفاق تصنیف سیرت النبی ﷺ میں رقم طراز ہیں۔

''محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام صرف دولفظوں سے مرکب ہے۔(۱) خدا کا حق (۲) بھائیوں کا حق۔پہلے لفظ کا مظہر اعظم ''نماز'' اور دوسرے کا ''زکوۃ'' ہے۔اس لئے آپ ﷺ کی دعوت حق جب بلند ہوئی تو اس پکار کی ہر آواز ان ہی دولفظوں کی تفصیل وتشریح تھی۔ آنحضرت ﷺ جس طرح بعثت سے پہلے غار حرا میں خدا کی یاد یعنی نماز میں مصروف رہتے تھے۔اسی طرح بیکس اور لاچار انسانوں کی دستگیری (زکوۃ سے) بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے بعثت کے وقت آپ ﷺ کی نسبت فرمایا۔'' آپ ﷺ قرابت داروں کا حق پورا کرتے ہیں،قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں،غریب کوکماتے ہیں،مہمان کوکھلاتے ہیں،لوگوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں''۔زکوۃ انہی فرائض کے

Marfat.com

مجموعہ کا نام ہے۔ نماز اور زکوۃ توام ہے اور انہی دو اجمالی حقیقتوں کی تشریح کا نام اسلام ہے۔

(☆) علامہ شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی ﷺ۔ ج۔٦ ص۔١١١)

خدمت خلق کے مدارج: خدمت کے سب سے زیادہ مستحق والدین پھر قریبی رشتہ دار پھر ہمسائے اور پھر دیگر حاجت مند مسلمان ہیں۔ اس کے بعد غیر مسلموں کا نمبر آتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات ہیں کہ آپ ﷺ نے بانفس نفیس غیر مسلموں کی خدمت کی جس سے متاثر ہو کر وہ مشرف با اسلام ہو جاتے تھے۔

والدین سے حسن سلوک: والدین کی عزت، خدمت اور اطاعت تینوں الہامی شریعتوں کی تعلیمات میں یکساں ضروری قرار دی گئی ہیں بلکہ تینوں میں ان کا درجہ خدا کے بعد انسانی رشتوں میں سب سے اہم اور بڑا بتایا گیا ہے اور خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ (اس کی تفصیل تورات اور انجیل میں دیکھی جا سکتی ہے) قرآن کی سورۃ نساء میں توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت کے بعد ہی والدین کے ساتھ بھلائی کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمان الہی ہے۔

واعبدو الله ولا تشر کوا به شيئا و بالوالدين احسانا (النساء۔٣٦)

اور اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔

معراج کے احکام دوازدہ گانہ میں خدا کی توحید کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ دی گئی ہے کہ ان کے سامنے اُف بھی نہ کرو۔ عاجزی سے پیش آؤ، ان کے حق میں دعائے خیر کرو اور بڑھاپے میں ان کی خدمت کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ

Marfat.com

بھلائی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو۔ ان سے ادب سے بولو اور ان کے لئے اطاعت کا باز و محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔"

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت آپ ﷺ کے والد کی وفات کے بعد ہوئی۔ آپ ﷺ کی عمر ۶ سال تھی جب آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بھی آپ ﷺ کو داغ مفارقت دے گئیں۔ دو سال بعد دادا عبدالمطلب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لہذا آپ کو اپنے والدین کی خدمت کا موقع تو نہیں ملا لیکن آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اور رضاعی والد حارث بن عبدالعزی آپ کی بعثت کے بہت بعد تک زندہ رہے اور آپ ﷺ کو ان کی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت خدیجہ سے آپ کے نکاح کے بعد ایک مرتبہ حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ آئیں اور آپ ﷺ سے خشک سالی کی شکایت کی اور بتایا کہ ساری قوم قحط کا شکار ہو رہی ہے۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سفارش کی تو انہوں نے بیس بکریاں اور سواری کے لئے ایک اونٹ دے کر رخصت کیا۔

دوسری مرتبہ غزوہ حنین کے موقع پر آئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی اور اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ ﷺ نے ان کی ضرورت پوری کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

ایک بار حضرت حلیمہ سعدیہ کی بہن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان سے اپنی رضاعی ماں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوںؓ نے بتایا کہ وہ وفات پا چکی ہیں۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، پھر آپ نے اپنی رضاعی خالہ کو لباس، سواری کا جانور اور دو سو درہم نقد دے کر رخصت فرمایا۔

Marfat.com

آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء غزوہ حنین میں گرفتار ہوئیں تو انہیں آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھادی اور فرمایا کہ اگر چاہو تو عزت و شفقت سے میرے پاس قیام کرو اور اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو تمہیں بحفاظت پہنچا دوں۔ انہوں نے واپس جانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم میں بھیج دیا اور روانگی کے وقت تین غلام ایک لونڈی اور کچھ اونٹ اور بکریاں عطا کیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ اس کا والد اس کے مال کا خواستگار ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "و مالك لابيك" تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم خواہ کام کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

قرابت داروں کی خدمت: نبی اکرم ﷺ جہاں اپنے اہل خاندان کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ وہاں رشتہ داروں کے حقوق کو بھی با احسن طریق ادا فرماتے اور ان سے مہر و محبت اور ہمدردی کا سلوک فرماتے۔ آپ ﷺ نے رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے"

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے، لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ بلا شرکت غیرے اللہ کی عبادت کرو، نماز قائم کرو، زکوۃ اور صلہ رحمی

Marfat.com

کرو۔"

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک دنیا اور آخرت میں فلاح کا باعث ہے اور قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلقات توڑنا خدا کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ لہذا قطع رحمی کے بارے میں آنحضورﷺ نے فرمایا۔

"لایدخل الجنته قاطع الرحم" قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

آپﷺ نے صرف اپنے مسلم رشتہ داروں سے ہی نہیں بلکہ کافر رشتہ داروں سے بھی اچھا سلوک کیا۔ بدر کے قیدیوں میں آپﷺ کے چچا عباس گرفتار ہو کر آئے تھے، اتفاق سے ان کی مشکیں کس کر باندھی گئی تھیں اور وہ تکلیف سے ہائے ہائے کر رہے تھے۔ یہ آواز آنحضورﷺ کے کانوں میں پڑتی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے اور ادھر ادھر کروٹیں بدلتے تھے۔ کسی نے پوچھا، حضورﷺ! آرام کیوں نہیں فرماتے تو کہا کہ عباس کی آواز مجھے سونے نہیں دیتی۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز نہ آئی تو فرمایا کہ عباس کا کیا حال ہے؟ کہا کہ ان کی مشکیں کھول دی گئی ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا، باقی لوگوں کی بھی کھول دو۔

آپﷺ نے اپنی پھوپھیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا عمدہ معیار قائم رکھا اور ہمیشہ جب بھی کبھی انہیں مالی امداد کی ضرورت پڑی تو آپﷺ نے ان کی حاجت پوری فرمائی۔

یتیموں کی کفالت: وہ کمسن بچہ جس کا باپ فوت ہو گیا ہو جب تک جوان نہ ہو جائے یتیم کہلاتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں یتیموں پر ہر طرح کا ظلم وستم روا رکھا جاتا تھا، ان کے باپوں کی متروکہ وراثت کو طاقت ور رشتہ دار ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے تھے۔ اسلام نے ان مظلوموں کی دادرسی کی۔

رسول اکرمﷺ نے یتیموں کی کفالت کرنے والوں کو جنت میں اپنی معیت کی نوید سنائی۔ فرمایا! "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب

Marfat.com

ہوں گے''۔ نیز ایک دفعہ ارشاد فرمایا! مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔ قرآن کریم میں یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانے کو پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ یتیموں کی پرورش کے معاملے میں صحابہ کرام ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

بیواؤں کی خدمت: اسلام سے پہلے یتیموں کی طرح بیواؤں پر بھی ظلم کیا جاتا تھا۔ انہیں شوہر کی جائیداد سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا باعزت زندگی گزارنے کے لئے انہیں بڑی مشکلات پیش آتیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی اس کسمپرسی کا ازالہ فرمایا، آپ ﷺ نے انہیں وراثت میں حقدار قرار دیا۔ دوبارہ نکاح کے لئے اصول وضع فرمائے تاکہ معاشرے میں باعزت زندگی بسر کرسکیں۔ نادار بیواؤں کی خدمت کو آپ ﷺ نے عظیم نیکی قرار دیا اور فرمایا ''بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اس شخص کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔''

ملازموں کی حق رسی: اسلام غلامی کا موجد نہیں بلکہ اسلام کو یہ چیز دور جاہلیت سے وراثت میں ملی جسے اسلام نے حکمت عملی سے بتدریج ختم کردیا۔ اسلام کے ظہور سے پہلے غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی تمہارے بھائی ہیں انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ آپ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آئے آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا اور غلاموں کی آزادی کو بڑی نیکی قرار دیا۔

Marfat.com

دور جاہلیت میں غلام کے لئے عبد اور آقا کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ غلاموں کے حق میں ذلت آمیز تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آقا اپنے غلام کو عبد نہ کہیں بلکہ فتای (میرا جوان) کہہ کر پکاریں اور غلام اپنے آقا کو رب نہ کہیں بلکہ مولیٰ کے الفاظ استعمال کریں۔

نبوت سے قبل حلف الفضول کے نام سے جو معاہدہ منعقد ہوا تھا اس کے اغراض و مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ غلاموں اور زیر دستوں کی حفاظت اور حمایت کی جائے۔ آپ اس معاہدے پر ہمیشہ فخر کا اظہار کرتے تھے اور نبوت کے بعد بھی اس کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مرض وفات میں سب سے آخری وصیت یہ فرمائی کہ غلام کا خیال رکھنا۔

ملازموں کے حقوق کے سلسلے میں ان سے خوش کلامی، حسن سلوک اور خادموں کے کاموں میں ان کی اعانت اور مدد اور ان کی ملازمت کا تحفظ ان کا حق قرار دیا۔

جانوروں کے ساتھ سلوک: رسول اکرم ﷺ نے حیوانات کے حقوق کی نگہداشت کی بہت تاکید فرمائی اور ان پر ظلم و زیادتی سے منع فرمایا' حضور ﷺ نے مویشی یا کسی بھی جانور کو باندھ کر نشانہ بنانے اور قتل کرنے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی۔ جانور کے منہ پر مارنے اور داغ دینے کی بھی ممانعت فرمائی۔ بلاضرورت چڑیا یا اس سے بھی چھوٹے جانور کو قتل کرنا گناہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے والا اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کرے تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آپ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے کی ممانعت فرمائی تاکہ یہ چیز ان کی بلا جواز اذیت کا سبب نہ بنے۔

بیماروں کی عیادت اور تیمارداری: ایک شہری کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ کسی کو

Marfat.com

تکلیف میں مبتلا دیکھے تو اظہار ہمدردی کرے، بیماروں کی عیادت کرنا حضورﷺ کے معمولات میں شامل تھا۔ بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن اور مومن وکافر کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا، سب کی عیادت فرماتے۔ عیادت کے لئے جب کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسلی دیتے، پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس کی صحت کے لئے دعا فرماتے۔

حدیث میں ہے کہ ایک یہودی غلام جو آپﷺ کا خادم بھی تھا، مرض الموت میں تھا تو آپﷺ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اسے اسلام لانے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ وفات سے قبل اس نے اسلام قبول کرلیا۔ ایک حدیث میں آپﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر ایک حق یہ بھی ہے کہ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔

آج روح رحمتہ للعالمینﷺ پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

دست ہرنا اہل بیمارت کند　　　سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

ڈاکٹروں اور نرسوں کا تو پیشہ ہی یہی ہے کہ وہ بیماروں کی عیادت اور تیمارداری خدمت خلق کے جذبے سے کریں تو یہ ان کے لئے توشہ آخرت بلکہ اخروی نجات کا باعث ہوگا۔

بیماروں کا علاج معالجہ: فرمان الٰہی ہے۔ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (المائدہ:۳۲)

ترجمہ: اور جس کسی نے جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

مولانا مودودی اس کی تشریح فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسان کی زندگی کی بقاء منحصر ہے اس پر کہ انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جانوں کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کی بقا اور تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد

Marfat.com

پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبے سے خالی ہے۔لہذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے۔اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت موجود ہے جس پر انسانیت کی بقاء کا انحصار ہے۔(امام مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔تفہیم القرآن۔ج،ا۔ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۶۔ص ۳۶۴)

اطباء، حکماء اور ڈاکٹروں کا تو پیشہ ہی یہی ہے کہ وہ مریضوں کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش وسعی کریں بلکہ اپنی جان پر کھیل کر مریضوں کی جان بچائیں۔

مثالی ڈاکٹر: ڈیرہ اسماعیل خان ایک مشہور ڈاکٹر امان اللہ خان اپنے موٹر سائیکل پر ایک مریض کو دیکھنے جارہے تھے۔اچانک سڑک پر ایک کتا ان کے آگے آ گیا۔اس کو بچاتے ہوئے خود ایک بجلی کے کھمبے سے جا ٹکرائے، سر کی شدید چوٹ آئی، نشتر ہسپتال ملتان لے جایا گیا لیکن جانبر نہ ہو سکے یعنی ایک جانور کو بچاتے اور ایک مریض کو دیکھنے میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

آپ غریبوں کا مفت علاج معالجہ کراتے، اساتذہ اور پروفیسروں سے فیس نہیں لیتے تھے۔ہر ڈاکٹر حکیم ایسا ہی مثالی ڈاکٹر ہو یعنی واقعی مسیحا ہو۔ڈاکٹری کا پیشہ، پیشہ بھی ہے اور خدمت خلق بھی۔یہ معلمی کی طرح اگرچہ پیشہ پیغمبری تو نہیں ہے لیکن اگر ڈاکٹر، اطباء اور حکماء اسے خدمت خلق کے جذبے سے اپنائیں تو اسے سنت پیغمبری پر عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔اللہ کریم ہمیں نقش پیغمبر ﷺ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔اختتامیہ یعنی درود و سلام۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر　　ہے یہ وہ خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سماء ابھار کر　　اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر
صلی علی محمد صلی علی محمد

Marfat.com

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

الحمدلله رب العالمینo والصلوۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین

تاریخ اقوام عالم کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو کسی قوم میں عدم برداشت کے مندرجہ ذیل عوامل ومحرکات یا وجوہات اور اسباب نظر آتے ہیں۔

1) معاشرتی وسماجی رویئے

2) معاشرتی تفاوت معاشی تفاوت

3) سیاسی مسائل

4) مذہبی تفرقہ بازی یا فرقہ بندی

معاشرتی یا سماجی رویئے: معاشرتی رویوں میں ہنود کی طرح معاشرے کو ذات پات میں بانٹ کر اس پر سختی سے عمل درآمد کرنا اور یہ ذات پات کی تقسیم بھی ہنود کے ساتھ کافی عرصہ ا رہنے کی وجہ سے مسلم امہ میں درآئی ہے۔ حالانکہ فرمان الٰہی ہے۔

هو سمكم المسلمين من قبل و فی هذا

ترجمہ: اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اس سے پہلی کتابوں میں اور اس

Marfat.com

(قرآن) میں۔ نیز ارشاد ربانی ہے۔ یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً و قبآئل لتعارفوا' ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

ان واضح ارشادات ربانی کی موجودگی میں مسلم امت کو قوم قبیلوں میں تقسیم کر دینا معاشرے کو طبقات میں بانٹ دینے کے مترادف ہے۔

پاکستان میں چار صوبے اگرچہ انتظامی سہولت کی غرض سے بنائے گئے ہیں لیکن ہم نے اپنے آپ کو سندھی، پنجابی، پٹھان، بلوچی اور مہاجر (حالانکہ یہ کوئی قوم نہیں ہے) میں تقسیم کرلیا ہے۔ اسی زبان اور نسل کی بنیاد پر ایک اور صوبے (سرائیکی) کے قیام کے لئے نعرے لگ رہے ہیں۔ میرے خیال میں اس نسلی عصبیت اور تفاخر کو جڑ سے مٹانے کے لئے ہمیں ایران اور افغانستان کی طرح ان چاروں صوبوں کو مزید صوبوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تا کہ یہ زبانوں اور قوموں کی بنیاد پر تقسیم کا خاتمہ ہو جائے اور محض انتظامی لحاظ سے تقسیم باقی رہ جائے۔

تعلیمات نبوی ﷺ: اس سلسلے میں خطبہ حجتہ الوداع میں سورۃ الحجرات کی مذکورہ بالا آیت نمبر 13 تلاوت فرمائی، نیز فرمایا ''کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر، ہاں بزرگی کا معیار تقویٰ ہے۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ (۲)

آپ ﷺ کے ان ارشادات عالیہ نے ہر قسم کے قومی عصبیت اور نسلی تفاخر کو جڑ سے

Marfat.com

مٹانے کی تعلیم دی ہے۔

معاشی تفاوت: اللہ کریم نے اپنی مخلوق میں جو درجات معیشت میں تفاوت رکھا ہے اس کی تین حکمتیں ہیں۔

(i) دنیا کی نیرنگی وگونا گونی قائم رہے اور لوگ مسلسل جدوجہد میں مصروف رہیں ان میں ترقی ورفعت کی لگن زندہ رہے۔ حدیث قدسی ہے کہ ''میرے بندے ایسے بھی ہیں جن کی صلاحیت مالداری میں ہے اگر میں انہیں فقیر بنادوں تو وہ دینداری سے بھی جاتے رہیں اور بعض میرے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے لائق فقیری ہی ہے اگر وہ مال حاصل کرلیں اور تونگر بن جائیں تو اس حالت میں گویا ان کا دین بھی فاسد ہوجائے۔''

فرمان الٰہی ہے: ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض (الشوری:۲۷)

ترجمہ: اگر اللہ اپنے بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کردیتے۔ یہ بہت بڑی حکمت ہے جس کی وجہ سے خالق ورازق کائنات نے تمام انسانوں کو کھلا اور وافر رزق نہیں عطا فرمایا۔

(ii) درجات معیشت میں تفاوت کی دوسری بڑی حکمت یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے کام آسکیں اور ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجت لیتخذ بعضهم بعضا سخریا (الزخرف:۳۲)

ترجمہ: ہم نے دنیا کی زندگی میں وسائل رزق ان میں تقسیم کردیئے ہیں اور کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔

(iii) تیسری حکمت جو درجات معیشت کے غیر مساوی ہونے میں قرآن کریم نے بیان

Marfat.com

کی ہے۔ وھوالذی جعلکم خلٰیف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی مآاتکم (الانعام:۱۶۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کوزمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ جو فضل اس نے تم پر کیا، جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس بارے میں تمہارا امتحان کر کے اطاعت گزار و نافرمان کو جان لے۔

اسلام جس درجات معیشت کے تفاوت کا قائل ہے وہ اس تفاوت سے جدا چیز ہے جس سے آج پوری دنیا دوچار ہے جو اجارہ دار طبقوں کے ظلم واستحصال، سازشوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے جو نہ فطری ہے نہ اخلاقی۔ نہ قانونی اور نہ ہی انسانی۔ یہ مصنوعی اور غیر فطرتی تفاوت ہے جو طلب و رسد کی فطری قوتوں پر حکومتوں اور سرمایہ داروں کے غاصبانہ کنٹرول کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے جس نے انسانی معاشروں کو طبقوں میں بانٹ دیا ہے۔ جو سرمایہ دار و مزدور، آجر و اجیر، محتاج و غنی، زمیندار و کسان، امیر و غریب، مراعات یافتہ اور محروم کی صورتوں میں نمایاں ہیں ان میں طبقاتی کشمکش کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے جو معیشت کے تمام شعبوں اور دائروں پر حاوی ہے اس سے نہ صرف انتشار وافتراق پیدا ہو رہا ہے بلکہ انسانی و مادی وسائل کا ضیاع بھی ہو رہا ہے۔

اس کے حامیوں کے نزدیک یہ غیر اخلاقی کشمکش یہ جدلی عمل اور تصادم ارتقاء کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ کائنات میں جہد احیاء (Struggle to Revive) اور بقاء اصلح (Survival of the Fittest) کا اصول کارفرما ہے اور فطرت کا قانون یہ ہے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات (اقبال)

Marfat.com

گردش دولت کا اصول: اسلام اس بے رحم مصنوعی تفاوت کو "گردش دولت" کے اہم اسلامی معاشی اصول کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس بات کو روکتا ہے کہ دولت چندلوگوں یا خاندانوں یا طبقات یا ملکوں میں مرتکز ہوکررہ جائے۔ ارشاد ربانی ہے۔

کی لایکون دولته بین الاغنیاء منکم(۵۹:۵)

ترجمہ : تاکہ (مال) تمہارے مالداروں میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔

علامہ اقبال نے اس آیت کامفہوم اپنے شعر میں خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

کسے نہ باشد درجہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

اسلام نے صرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کے جوزریں اصول متعین کئے ہیں ان سب کی روح گردش زر ہے۔ چنانچہ نفقات، کفارات، صدقات وعشر، وراثت، وصیت اور ہبہ وغیرہ اس کی روشن مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کے نزدیک درجات معیشت کے اس فطری تفاوت سے یہ مرادنہیں ہے کہ لوگوں کو حالات کے حوالے کردیا جائے کہ وہ جسے چاہیں سربلند کردیں اور جسے چاہیں نیست ونابود کردیں اور مختلف گروہ اور طبقات مقابلہ ومسابقت کی مادی دوڑ میں ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلن اور ہڑپ کرنے کے درپے ہوں بلکہ زکوۃ کا پورا شعبہ اس غرض کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ تلاش معاش میں پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو نامساعد حالات کا تر نوالہ بننے سے بچایا جائے اور جولوگ ان میں قابل کار ہوں انہیں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کردیا جائے اور جولوگ مستقل طور پر مجبوری و معذوری سے لاچار ہو جائیں تادم مرگ ان کی تمام معاشی ضروریات پوری کی جائیں بلکہ اگر صدقات وزکوۃ سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو نبی رؤف رحیم کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

ان فی المال حقا سوی الزکوۃ

یعنی مال میں زکوۃ کے علاوہ حق بھی ہے یعنی اہل ثروت پر مزید ٹیکس لگا کر اسلامی حکومت کفالت عامہ کا انتظام کرے۔

گردش زر کی مثال: سرمایہ دارانہ نظام معیشت اور اسلامی نظام معیشت میں گردش دولت کی رفتار کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش ہے۔ معاشرے کی مثال اس گہرے پانی کی سی ہے جو کسی کھلے منہ والے برتن میں پڑا ہو، ہوا کی لہریں پانی کی اوپر کی سطح کو متحرک رکھتی ہیں لیکن نچلا حصہ بالعموم ساکن رہتا ہے۔

یہی صورت حال سورج کی تمازت کی بھی ہے کہ وہ پانی کی اوپر کی سطح گرم کر دیتی ہے لیکن نیچے والا پانی ٹھنڈا ہی رہتا ہے یہی حال سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں ہوتا ہے کہ جہاں غریب یعنی نچلے طبقوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اور اسلامی نظام معیشت کی مثال ایسے ہے جیسے اس پانی کو نیچے سے آگے کے ذریعے جوش دے کر گرم کیا جائے تو نیچے والا پانی اوپر اٹھ کر تمام پانی کو متحرک اور گرم کر دے گا۔ اوپر کا پانی نیچے آتا ہے اور نیچے کا پانی گرم ہو کر اوپر اٹھتا ہے۔ امراء اور اہل ثروت کی دولت میں اسلام نے جو غریبوں کا حق مقرر کیا ہے وہ صرف خیرات نہیں کہ امیر لوگ از راہ کرم کسی کو عنایت کریں پھر یہ بھی توقع رکھیں کہ غریب لوگ ان کے ممنون احسان ہوں ان کو سلام کریں ان کے مختلف کام کریں بلکہ یہ امیروں کے اموال میں غریبوں کا حق ہے۔

درجات معیشت کے بجائے حق معیشت میں مساوات: اسلام درجات معیشت کی بجائے حق معیشت میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کے ہر شہری کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم مرد و زن جوان و پیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے

Marfat.com

رسول کے متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے جب جہاں اور جتنا چاہے کما سکتا ہے۔ اسے ترقی کے یکساں مواقع اور حقوق حاصل ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے زمین کی تمام اشیاء کو تمام انسانوں کے فائدے اور استفادے کے لئے بنایا ہے کسی خاص خاندان نسل طبقے، قوم، گروہ یا ملک کے لئے نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولقد مکنکم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش (الاعراف:۱۰)

ترجمہ: ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا ہے اور تمہارے لئے اس میں سامان زیست پیدا کیا ہے۔

ضمناً یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام دولت کو ناپسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ اسے ''خیر'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے مثلاً وانه لحب الخير لشديد بے شک وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔ (العادیات:۸)

وما تنفقوا من خير فان الله به عليم (البقرہ:۲۷۳)

اور اپنے مال میں سے جو تم خرچ کرو گے اللہ خوب جاننے والا ہے۔

مگر مال و دولت کے حصول اور صرف میں احکام الٰہی کو پیش نظر رکھنا اسلام کا مطمع نظر ہے۔ یعنی حلال و حرام کی تمیز اسراف و تبذیر سے گریز اور حق معیشت کا احترام اسلام کی تعلیم ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ: نبی کریم ﷺ نے اور ان کے بعد خلفائے راشدین نے اپنے قول و فعل سے حق معیشت میں مساوات کے تصور کو پورے معاشی نظام، معاشی سرگرمیوں اور معاشی حکمت عملی کی بنیاد بنایا اور تمام ناجائز مدا   و بند کر دیں۔ مال غنیمت، خراج کی تقسیم اور بیت المال سے وظائف کے تعین میں یہی اصول کار فرما رہا۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے پہلے سال مال غنیمت تقسیم کیا تو انہوں نے آزاد، غلام عورت اور اس کی خادمہ سب کو دس دس درہم دیئے دوسرے سال سب کو بیس بیس درہم دیئے۔(3)

حضرات عمر فاروق اور عثمان غنی کا بھی یہی طرز عمل رہا۔(4)

حق معیشت میں مساوات کے اس اسلامی تصور کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدر اسلام میں خصوصاً اور مابعد کے مسلم معاشروں میں عموماً درجات معیشت میں تفاوت کے باوجود طبقاتی کشمکش کا کوئی نظریہ کبھی فروغ نہیں پا سکا اور نہ ہی معاشی تفاوت کی بناء پر طبقاتی تصادم وانتشار برپا ہوا جیسا کہ لادینی معاشروں میں علم اور ظہور پورا رہا ہے جس کی بڑی مثالیں انقلاب فرانس اور روس کا انقلاب ہیں کیونکہ وہ معیشت کے اعلیٰ انسانی واخلاقی اصولوں کی بجائے انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت اور معاشروں پر ''اربابا من دون اللہ'' کی بالادستی وتسلط کے زیر اثر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی معاشی غلامی وبدحالی انتشار افتراق اور کہیں کہیں طبقاتی تفریق وتصادم (جو عدم برداشت کا لازمی نتیجہ ہے) کا بنیادی سبب یہی ہے کہ فکری وعملی طور پر سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بے رحم شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اسلامی معاشرے کو بروئے کار نہیں لاتے نہ نافذ کرتے ہیں اگر کرتے ہیں تو ادھورا۔ زکوۃ و عشر کی حد تک وہ بھی اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں بلکہ سودی بینکوں کے ذریعے۔

سودی معیشت: معاشی تفاوت کا ایک اہم اور بڑا سبب سودی معیشت ہے اس کی تباہ کاری کے متعلق خود قائداعظم نے یکم جولائی 1948ء کو بینک دولت پاکستان (سٹیٹ بنک آف پاکستان) کے افتتاح کی تقریب میں فرمایا۔

''جنگ عظیم کی مالیاتی پالیسی'' نے بڑی حد تک آج کی اقتصادی مشکلات کو پیدا کیا ہے

Marfat.com

قیمتوں میں غیر معمولی اضافے نے غریب عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔

میں سٹیٹ بنک کے شعبہ تحقیق کے اس کام جو اسلامی نہج پر بینکاری کے لئے ہو رہا ہے، بڑے شوق سے انتظار کروں گا مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لئے لاینحل مسائل پیدا کئے ہیں اور اب ایسا نظر آتا ہے کہ دنیا جس تباہی کے قریب پہنچ چکی ہے اسے کوئی معجزہ ہی شاید بچا سکے تو بچالے۔ یہ نظام انسان کے درمیان عدل قائم کرنے اور بین الاقوامی میدان میں تضاد اور مزاحمت کا استحصال کرنے میں ناکام ہو چکا ہے بلکہ گذشتہ نصف صدی میں جو دو عالمگیر نعمالڑی گئی ہیں وہ اسی نظام کی وجہ سے ہوئیں۔ اگر ہم مغرب کے معاشی نظام کو نظری اور عملی طور پر اختیار کر لیں تو ہمارا مقصد حل نہیں ہوگا۔ اپنے مستقبل کی صورت گری ہمیں خود کرنی ہوگی اور دنیا کے سامنے ایک ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہوگا جو مساوات انسانی اور عدل عمرانی کے صحیح اسلامی اصولوں پر قائم ہو۔'' (5)

اس سے پانچ سال قبل انڈیا کی تمام ریاستوں کی مسلم لیگ کے صدر نواب بہادر یار جنگ نے قائداعظم کی صدارت میں کراچی میں مسلم لیگ کے 31ویں سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر 1943ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''پاکستان حاصل کرنا اتنا مشکل نہ ہوگا جتنا اس کا قائم رکھنا (کتنا صحیح فرمایا تھا۔ خ۔م) قائداعظم نے ایک سے دو مرتبہ اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی کسی ریاست کا آئین بنانے کا حق نہیں کیونکہ آئین کے قوانین یقینی طور پر قرآن مجید میں دے دیئے گئے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم قرآنی نظام حکومت قائم کرنے کے لئے پاکستان حاصل کرنا چاہتے ہیں.......

ہمیں وہی نظام راس آسکتا ہے جو قرآن وسنت پر مبنی ہو اور سچے مسلمان پیدا کرے۔

Marfat.com

سود کا خاتمہ بیاج کی جڑ کو اکھیڑ دیگا۔ قانون وراثت دولت کے ارتکاز کے تمام راستے مسدود کر دے گا۔ زکوۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جو آمدنی پر نہیں بلکہ دولت پر ہے اور یہ ان سب ٹیکسوں سے عظیم تر ہے جو آج کی حکومتیں اپنے عوام پر عائد کرتی ہیں اسلام کے بے عیب اقتصادی نظام کے ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے نظام کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ (5)

حضرت قائداعظم کو تو اجل نے مہلت نہیں دی کہ وہ اسلامی نظام پاکستان میں قائم کرتے لیکن پچاس سال تک جن کو مواقع ملے کیا انہوں نے اپنے قائد کے خواب کو عملی تعبیر دی؟

سود ایک فوجداری جرم ہے:

فرمان الٰہی ہے :یاایھاالذین آمنو اتقوا اللہ و ذرواما بقی من الربوا ان کنتم مومنینO فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ O

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود باقی رہ گیا اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ (البقرہ:۲۷۸۔۲۷۹)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا موذودی لکھتے ہیں۔ ''اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبائل سود کھاتے تھے ان کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اعمال کے ذریعے آگاہ فرمادیا کہ اب اگر وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو انکے خلاف جنگ کی جائے گی۔'' (6) (تفہیم القرآن جلد اول سنہ 1996ء صفحہ 318)

جناب ریاض الحسن نوری ''سود قبیح ترین جرم'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ ربا یعنی سود کی

Marfat.com

بنیاد ظلم ہے کیونکہ مالدار شخص غریب کی حاجت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے لئے مقررہ نفع کی ضمانت ہر حالت میں مشروط کر لیتا ہے پس سود انسانوں کے طبقات میں دوری پیدا کرتا ہے اور ان کے دلوں میں کینہ بغض حسد و غضب کا سبب بنتا ہے اور ان کے درمیان بہت سے جھگڑوں اور خصوصیات کو جنم دیتا ہے اس کی وجہ سے اقتصادیات میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور زرعی و صنعتی معاملات میں ابتری پیدا ہوتی ہے۔ مہنگائی کا سبب ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے سود کو حرام قرار دیا اور اسے اکبر الکبائر قرار دیا۔ پھر قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک آیت اس کے متعلق نازل فرمائی اور جو سود سے توبہ نہ کرے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ (البقرہ 79-278) تفسیر طبری میں اس آیت کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے امام کا حق ہے جو سود سے تائب نہ ہو اس کی گردن ماردی جائے۔

طبری نے یہی قول حضرت قتادہ کا بھی نقل کیا ہے۔ (حضرات حسن بصری، ابن سیرین اور ربیع بن انس کی بھی یہی رائے ہے) البتہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ ایسے شخص کو قید کرنا کافی ہے جب تک سود خوری چھوڑنے کا عہد نہ کرے اسے قید رکھا جائے۔

نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت اندرونی خودمختاری دی گئی تو عہد نامہ میں ان سے یہ شرط کر لی گئی تھی کہ وہ سود نہ کھائیں گے نہ سودی کاروبار کریں گے۔ (فتوح البلدان للبلاذری صفحہ 67)

پس ایسی حکومت جو اپنے آئین میں اللہ کی حاکمیت اعلی کو تسلیم کرتی ہو وہ اپنے ملک میں مسلمانوں یا غیر مسلموں کسی کو بھی سودی کاروبار کی اجازت نہیں دے سکتی اور حکومت پر واجب ہے کہ وہ سودی کاروبار کرنے والوں کو قید رکھے جب تک وہ سودی کاروبار کو فوری

Marfat.com

طور پر ختم نہ کر دیں۔(7)

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی بدنیت کی فتوحات

تعلیمات نبوی ﷺ: آج کل پاکستان میں کیا بلکہ تمام دنیا میں سود کی لعنت اس قدر عام ہو چکی ہے کہ گلی گلی محلے محلے میں سودی گھر یعنی بینک کھلے ہیں اور کیا مسلم کیا غیر مسلم سب اسے شیر مادر کی طرح کھا رہے ہیں اور حکومتیں خواہ اسلامی ہوں غیر اسلامی خود بھی کھا رہی ہے اور اپنے عوام کو کھانے پر مجبور کر رہی ہے بجائے روکنے کے حالانکہ تورات وانجیل میں جو یہود ونصاری کے مقدس صحیفے ہیں ان میں بھی سود یا بڑھوتری زیادہ ہو یا کم دونوں محرکات سے بدکاری کے مترادف ہیں، قرآن نے بھی اسے حرام قرار دیا اور احادیث میں بھی سود کو بعض جگہ 33 مرتبہ اور بعض جگہ 36 مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ شدید جرم قرار دیا گیا ہے اور بعض میں ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ سند مثل سند صحیح بخاری ہے(8) ایسے حالات میں نبی رؤف رحیم کی یہ پیش گوئی پوری ہو رہی ہے۔

لیاتین علی الناس زمان لایبقی منهم احدا الا اکل الربا فان لم

Marfat.com

یا کلہ اصابہ من غبارہ (کنز العمال 63-97 بحوالہ ابوداؤدوابن ماجہ بیہقی)

ترجمہ: ایسا زمانہ لوگوں پر ضرور آئے گا کہ ایک بھی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جو سود نہ کھائے جو سود نہ بھی کھائے گا تب بھی اس کو سود کا غبار تو پہنچ ہی جائے گا۔(9) ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

ماظہر فی قوم الرباء والزنا الا احلم بانفسھم عتاب اللہ O

ترجمہ: نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں سود اور زنا مگر یہ کہ وہ قوم اپنے آپ کو اللہ کے عتاب کے لئے پیش کر دیتی ہے۔(کنز العمال 97,68 بحوالہ مسند امام احمد)

کسی قوم میں عدم برداشت کا رجحان اور بعد ازاں تصادم اسی عذاب کی ایک شکل ہے۔

سیاسی مسائل: موقر روزنامہ ''کائنات'' اسلام آباد کے فاضل ایڈیٹر مورخہ 5 مارچ 1999ء کے اداریے میں ''حکومت اور اپوزیشن تحمل کا مظاہرہ کریں'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

''وزیر قانون خالد انور نے یہ بھی کہا ہے کہ پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما ججوں کو گالیاں بکتے ہیں اور ان پر کرپشن کے الزامات عائد کرتے ہیں اور انتہائی فراخدلی سے توہین عدالت کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صرف پیپلز پارٹی پر ہی محمول نہیں خود حکومتی اکابرین اور مسلم لیگی ورکرز نومبر 97ء میں سپریم کورٹ پر حملے میں ملوث رہے ہیں اور چھ لیگی ارکان اسمبلی پر سپریم کورٹ فرد جرم عائد کر چکی ہے۔ یہ درست ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں ہمارے معاشرے میں عدم برداشت اور اپنی بات بزور منوانے کا رجحان زور پکڑ گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری ہمارے معاشرتی مسائل کے علاوہ موجودہ سیاسی قیادت پر بھی عائد ہوتی ہے اور گو کہ ماضی قریب میں بھی عدالتیں ہمیشہ نظریہ ضرورت کو فوقیت دیتی رہی ہیں لیکن

Marfat.com

ہماری سیاسی قیادت کو عدلیہ کے بارے میں ریمارکس دیتے ہوئے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ ان کے ریمارکس ان کے سیاسی پیروکاروں پر مثبت اثر نہیں ڈالتے اور ان سے عدالتی وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔

اسی تناظر میں ہم اپوزیشن اور حکومت سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایک سلجھی ہوئی اور بالغ نظر سیاسی قیادت ہونے کا ثبوت دیں اور عدلیہ جیسے ادارے کا وقار مجروح نہ ہونے دیں۔"

قانون کا احترام: عدلیہ کا احترام جبھی ہوگا جب معاشرے کے اندر قانون کا احترام ہوگا۔ قانون کا احترام ایک اہم معاشرتی بلکہ دینی ذمہ داری ہے، حکومت کی طرف سے شہریوں پر جو احکام اور پابندیاں عائد کی جاتی ہیں وہ قوانین کہلاتے ہیں۔ جو شہریوں کو ان کے حقوق دلوانے کے لئے ضروری ہیں۔ یہ اخلاقی، معاشرتی اور دینی احکام و قوانین معاشرے کے استحکام کے لئے ناگزیر ہیں۔ اسلامی ضابطہ حیات مسلمانوں کے اندر قانون کے احترام کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہ احساس عقیدہ آخرت پر یقین و ایمان سے پیدا ہوتا ہے جو مسلمان کے دل میں یہ بات جاگزیں کر دیتا ہے کہ آخرت میں ہر فعل کا جواب دینا ہے اور ایک ایک بات کا حساب دینا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ قانون بنانے والے خود بھی قانون کا احترام کریں لیکن پاکستان میں یہ ریت اور روایت ہے کہ قانون بنانے والے یعنی ارکان اسمبلی خود کو قانون سے بالا تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی پابندی اپنی کسر شان سمجھتے ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے جو خود شارع تھے واضع قانون تھے انہوں نے ہر قانون

Marfat.com

پر ہر حکم پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور صحابہ کرامؓ سے ان پر سختی سے عمل کرایا۔ آپ ﷺ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنتہ (الاحزاب:۲۱)

تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

تفرقہ بازی اور فرقہ بندی: اس کی ابتدا کس طرح ہوئی؟

فرمان الٰہی ہے۔

کان الناس امة واحدة فبعث الله النبين مبشرين و منذرين وانزل معهم الکتاب بالحق ليحکم بين الناس فيما اختلفوا فيه' وما اختلف فيه الاالذين اوتوه من بعد ما جاء تهم البينت بغيا بينهم فهدى الله الذين آمنو لمااختلو فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم (البقرہ:۲۱۳)

ترجمہ: ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔ اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا رستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اللہ جسے چاہتا ہے حق کا راستہ دکھا دیتا ہے۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ کی مولانا مودودی تشریح فرماتے ہیں۔

ناواقف (امراء غالبا مستشرقین ہیں) لوگ جب اپنے قیاس و ایمان کی بنیاد پر ''مذہب'' کی تاریخ مرتب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء شرک کی تاریکیوں سے کی پھر تدریجی ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ تاریکی چھٹتی گئی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آدمی توحید کے مقام پر پہنچا (حالانکہ مستشرقین تو تثلیث کے معمے اور مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خ۔م) قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے، اللہ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اسی کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور اس کے لئے صحیح راستہ کونسا ہے اس کے بعد ایک مدت تک نسل آدم راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت بتائی نہیں گئی تھیں بلکہ اس وجہ کہ حق جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات' فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہاں، اس خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ کریم نے انبیاء کو مذث کرنا شروع کیا یہ انبیاء اس لئے نہیں یہیں ث ہوئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالے اور اپنی ایک نئی امت بنالے بلکہ ان کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی ہوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر ایک امت بنا دیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:۔

ان الـذيـن عندالله الاسلام وما اختلف الذين اوتو الكتاب الا من بعد جاء هم العلم بغيا بينهم (آل عمران:۱۹)

Marfat.com

ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کئے جنہیں کتاب دی گئی تھی ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لئے ایسا کیا۔

تفرقہ بازی کا مداوا اتحاد و اتفاق: فرمان الٰہی ہے۔

واعتصمو بحبل الله جميعاً ولا تفرقو تهتدون

ترجمہ: سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: فرمان الٰہی ہے۔

ولتكن منكم امته يدعون الى الخير يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر واولئك هم المفجلحون (آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم کریں اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

ولاتكونو كاالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء هم البينت (آل عمران:۱۰۵)

کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔

Marfat.com

آیت کریمہ میں اشارہ ان امتوں کی طرف ہے جنہوں نے خدا کے پیغمبروں سے دین حق کی صاف سیدھی تعلیمات پائیں مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد اسا سی دین کو چھوڑ دیا اور غیر متعلق ضمنی وفروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے شروع کر دیئے پھر فضول اور لایعنی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ انہیں اس کام کا ہوش نہ رہا جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا اور نہ عقیدہ واخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے کوئی دلچسپی رہی جن پر درحقیقت انسان کی فلاح وسعادت کا مدار ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ قرآن وسنت کی پیروی: نبی رؤف رحیم نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

وانی ترکت فیکم مالن تضلوابعدہ' ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ و سنتہ رسولہ

میں تمہارے درمیان بڑے سیدھے اور صاف احکامات یعنی اللہ کی کتب اور واضح ہدایات (سنت رسول) چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔(10)

عن عبداللہ ابن عمر قال ہجرت الی رسول اللہ یوما قال نسمع اصوات رجلین اختلفانی آیتہ فرج عنھا رسول اللہ یعرف ہی وجھہ الغضب فقال انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتب۔

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ نے دو آدمیوں کی باتیں سنیں جو ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے پس آپ ﷺ باہر نکل آئے اور آپ کے چہرے پر غصہ ظاہر تھا، پھر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف اس لئے ہلاک ہو گئے کہ وہ اللہ کی کتب میں اختلاف کرتے تھے۔

Marfat.com

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان: گذشتہ صفحات میں عدم برداشت کے قومی رجحان پر بحث کی گئی اب موضوع کے دوسرے حصے عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان پر اپنی ناچیز رائے پیش خدمت ہے۔

قانون بین الممالک: مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بہاولپور یونیورسٹی میں مختلف اسلامی موضوعات پر خطبات دیئے جو یونیورسٹی نے خطبات بہاولپور کے نام سے شائع کئے ہیں ان کے پانچویں خطبے کا عنوان ہی ''قانون بین الممالک'' ہے۔ اسی میں وہ فرماتے ہیں۔ ''جس طرح کل کے موضوع کے ضمن میں میں نے عرض کیا تھا کہ اصول فقہ ایسی چیز ہے جس پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں اسی طرح آج کا موضوع یعنی قانون بین الممالک (International Law) بھی ایک ایسا علم ہے جو مسلمانوں کا ہی رہین منت ہے اور مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اسے وجود بخشا۔ یہ ذرا عجیب سا دعوی ہے۔'' پھر آپ نے دعوی کے ثبوت میں دلائل دیئے ہیں جن کا ذکر نا مناسب ہوگا، پھر آپ فرماتے ہیں۔ ''آج کل ہمارے زمانے میں Public International Law اور Private International Law دو مختلف فن اور علم سمجھے جاتے ہیں۔ پرائیویٹ بین الاقوامی قانون میں ایک حکومت کے تعلقات دوسری سلطنت کی رعیت سے ہوتے ہیں جبکہ پبلک بین الاقوامی قانون میں ایک حکومت کے تعلقات دوسری حکومت سے ہوتے ہیں اور اس میں تین چیزوں قانون، امن، قانون جنگ اور قانون غیر جانبداری سے بحث ہوتی ہے۔ قانون امن میں زیادہ تر تین چیزوں سے بحث ہوتی ہے حاکمیت یعنی Sovereignty سے کس مملکت کو خود مختار سمجھا جائے دوسرے Property جس میں زیادہ تر فتوحات سے بحث ہوتی ہے ہم دوسری سلطنت کا کوئی علاقہ فتح کر لیں تو کیا وہ خود

Marfat.com

بخود ہماری سلطنت کا جزو بن جاتا ہے یا کوئی رسمی کارروائی درکار ہوتی ہے۔تیسرے Jurisdietion یعنی دائرہ اختیار کے متعلق کہ ایک ملک کے قوانین دوسرے ملک کی رعیت پر چلیں گے یانہیں۔رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ میں ایک یہودی مرد وعورت کو لایا گیا تھا جنہوں نے بدکاری کی تھی۔آپ ﷺ نے انہی کی کتاب تورات کے حکم کے مطابق ان کو رجم کرایا تھا۔

یہ اس بات کی نظیر ہے کہ اجنبیوں پر اسلامی قانون نافذ نہیں کیا جاتا اسی طرح انٹرنیشنل لاء کے قانون امن (Law of Peace) کا تعلق سفارت سے ہے۔قدیم زمانے میں سفیر مستقل نہیں ہوتے تھے بلکہ معینہ غرض کے لئے معینہ مدت کے لئے بھیجے جاتے تھے اور کام سرانجام دینے کے بعد واپس آ جاتے تھے۔امیر علی نے History of Saracens میں لکھا ہے کہ مستقل سفیروں کا آغاز یورپ سے دو سال پہلے مسلمانوں میں ہوا یہی تھی کہ ایک دور وہ تھا جب اسلام کے ہمہ گیر انقلاب کے دوران مسلمان انسانی تہذیب کے نگران اور گارجین (سرپرست وامین) تھے اس دور میں کرہ ارض کے کافی بڑے حصے پر ان کی حکومت تھی اور وہ مہذب دنیا کا محور ومنبع بھی تھے اور قائد ومختار بھی لیکن رفتہ رفتہ ان میں تفرقہ اور فرقہ بندی راہ پا گئی۔ہماری سلطنت واجتماعیت کی علامت خلافت کی جگہ طوائف الملوکی نے لے لی اور خلافت کی بساط اپنوں نے ہی لپیٹ دی جمہوریت کی خاطر علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

چاک کردی ترک نادان نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

اوران کی جگہ دوخوفناک اور خطرناک سپر طاقتوں نے لے لی۔ان سپر طاقتوں کی ریشہ

Marfat.com

دوانیاں اور کارستانیاں نوع انسانی اور اقوام عالم کے امن وسلامتی کے لئے سنگین خطرہ ہیں۔ ان میں سے ایک سپر طاقت تو گرم پانیوں تک رسائی کے جنوں میں افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئی ہے لیکن گزشتہ دوسو برس سے دنیا پر ان دونوں کے بلامقابلہ تسلط کے نتیجے میں تمام دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو اور پوری دنیا کو متعدد مرتبہ تباہ و برباد کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں یہ دونوں اور قدرے کمتر درجہ میں ان کے یورپی حلیف اپنی قومی آمدنیوں کا انتہائی خطیر حصہ محض جنگ کے آلات کی ایجادان کی ترقی وتیاری اور مخصوص نشانوں پر ان کی تنصیب پر صرف کرتے ہیں۔ ان بھاری اخراجات کی تلافی اور ضمناً ایک دوسرے کے خلاف اپنے ہتھیاروں کی قوت کارکردگی کی آزمائش ہی تو مقصود ہوتی ہے کہ دونوں پاور بلاک تیسری دنیا کے ملکوں کے درمیان مخاصمت اور ٹکراؤ کو فروغ دیتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ان ملکوں کی قومی ریاستوں کی تشکیل کرتے ہوئے سامراجی طاقتوں نے ایسی سرحدیں مقرر کیں جو پڑوسی ریاستوں کے ساتھ ان کے مستقبل اور مسلسل تنازع کا سبب بنی رہیں۔ عالمی طاقت کے دونوں بلاک تیسری دنیا کی قوموں کے درمیان مسلسل جنگ وجدل بھڑکاتے اور پرانے تنازعات کی چنگاریوں کو ہوا دیتے رہے ہیں۔ یا نئی مسائل آویزشیں پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرائی کے لئے اکساتے اور ابھارتے رہتے ہیں یہ کہ جیسے پاکستان اور بھارت کی مثال ہے کشمیر ان کے لئے Flash Point ہے ہم دو رلڑ چکے ہیں۔ مشرق وسطی میں فلسطین اور اسرائیل کی مثال ہے۔ یہ طاقتیں تیسری دنیا کی ہر ریاست کے اندر ہر طرح کی تخریبی تحریکوں کی امداد واعانت کرتی ہیں محض اس غرض سے کہ ان ریاستوں کے حکمران طبقوں کو ان کے اپنے عوام اور اپنے پڑوسی ممالک کی طرف سے خوفزدہ رکھا جائے

Marfat.com

اوران تمام حرکتوں کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ سلامتی وتحفظ کے لئے زیادہ سے زیادہ سپر طاقتوں کے محتاج رہیں اس صورت حال میں کیا یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ سب مغرب کی گہری سازش ہے کہ ان غریب اقوام کو مغربی ہتھیاروں کی خریداری ان کے استعمال پھر ان کی تجدید کے نام پر مزید نئے ہتھیاروں کی خریداری اور اپنے اوپر تھوپی گئی مجبوری کی کس لڑلڑ کر اپنے ترقیاتی منصوبوں کی تباہی و بربادی کا سامان کیا جائے پھر اپنی تعمیر نو کے لئے انہی دو عفریتوں میں سے کسی ایک کے فراہم کردہ ساز وسامان آلات اور مشینوں اور فنی مہارت کا استعمال کریں۔

آج کل ایک نئی پالیسی انہی دو شیطانوں نے اپنائی ہوئی ہے کہ مالیاتی طور پر اپنے اپنے حامی ممالک کو اپنا دست نگر رکھیں اگر ان کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بننے والی قوم یا ریاست مضبوط ہے تو میکیاولی کی یہ شاطرانہ پالیسی اس کے وسائل کو نچوڑنے اور ان کو حقیقی تعمیری مقاصد میں استعمال ہونے سے روکنے کی چالیں چلتی ہے تا کہ اس کی دست نگری کی حالت برقرار رہے اور اگر وہ قوم غریب ہے تو یہ بلاک اسے بڑھ بڑھ کر قرضے دیتے ہیں تا کہ وہ ان سے ان کے اسلحہ اور ان کی تیار کردہ اشیاء صرف خریدتی رہے اور اس طرح اپنے مستقبل کو ان کے ہاتھوں میں گروی رکھنے پر مجبور ہو۔ اکثر اوقات یہی قرضے ان کے ماہرین بھاری مشاہروں اور مراعات کی صورت میں واپس اپنے ملک لے جاتے ہیں اور غریب قوم پر سود کا بوجھ لاد جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل پاکستان کی حالت ہے۔ آئی ایم ایف کا قرض دار ہے جو انہی طاقتوں کا آلہ کار بنا ہے۔ مزید برآں خود تو یہ دونوں عفریت نیوکلر پاور کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں مصروف ہیں لیکن اپنے زیر دست ممالک کو سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے پر مجبور کرتے ہیں حال ہی میں

Marfat.com

پاکستان اور بھارت ایٹمی دھماکے کر کے ایٹمی طاقت بن گئے ہیں تو یہ دونوں پاکستان اور بھارت پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کریں۔ پھر خود امریکہ پہلے عراق اور کویت کو لڑا چکا ہے اب عراق پر اسی بہانے بمباری کر رہا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے انسپکٹروں کو اپنی ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرنے کیوں نہیں دیتا۔ کیا یہ دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں ہے کیا یہ دہشت گردی نہیں ہے؟ اسلامی ممالک میں سے لیبیا، سوڈان اور عراق کو دہشت گرد قرار دے چکا ہے خود عالمی امن کا ٹھیکے دار بنا ہوا ہے لیکن اصل میں امن عالم کو تہس نہس کرنے پر تلا ہوا ہے (11) (اسلام اور بین الاقوامی تعلقات منظر اور صفحہ 24۔ عبدالحمید احمد ابو سلیمان فیمس بکس اردو بازار لاہور 1991ء)

اسلام، قیامِ امن کا حامی ہے اور عالمی امن کا ضامن ہے:

اس کے برعکس اسلام جس کے لفظی معنی ہی امن اور سلامتی اور آشتی کے ہیں تمام دنیا میں امن و سلامتی کے قیام کی تعلیم دیتا ہے اس نے قیام امن کے لئے ایک بنیادی اصول وضع کر دیا ہے اگر تمام قومیں اس پر عمل کریں تو تمام دنیا میں مکمل طور پر امن قائم ہو جائے وہ اصول ہے۔

تعاونوا على البر التقوى ولا تعاونوا على الاثم العدوان (المائدہ)

نیکی اور تقوی کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کرو مگر گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

تعلیمات نبوی ﷺ:

فرمان نبوی ﷺ ہے۔

الخلق عيال الله

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔

آپ ﷺ نے جوع الارض کی ہوس میں دوسرے ملکوں اور قوموں کی آزادی کو سلب

Marfat.com

کر کے ان کو اپنی نوآبادی بنانے سے منع کیا سامراجی نظام اور نسلی امتیاز کی مخالفت کی اور سود جوا سٹہ وغیرہ کے ذریعے دیگر غریب اقوام کے استحصال کی ممانعت فرمائی دنیا سے ظلم واستبداد کی حکمرانی ختم کر کے امن وسلامتی اور ایک اللہ کی حکمرانی کو رواج دیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اجتماعی ترقی کا دارومدار ہی اتحاد واتفاق پر ہے۔اسی اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے ایک امام کی اقتداء میں نماز باجماعت زکوۃ اور حج (جوایک بین الاقوامی اجتماعی عبادت ہے) کی عبادات فرض کی گئی ہیں ان عبادات کے جہاں اور روحانی واقتصادی فوائد ہیں وہاں ایک اجتماعی معاشرتی فائدہ اتحاد بین المسلمین کا بھی ہے۔ان سب میں اجتماعیت ہے یعنی یہ عبادت اجتماعیت کا حسین مظہر ہیں اور یہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کو تقویت دیتی ہیں۔نبی رؤف ورحیم نے جہاں اتحاد واتفاق پر زور دیا ہے وہاں اختلاف اور انتشار سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ارشادنبوی ﷺ ہے:۔

عن ابی ھریرہؓ قال' قال رسول اللہ ﷺ لا تدخلون الجنته حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحاجواولا ادلکم علی شیی اذا فعلتموہ تعایبتم انشو السلامه (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک مومن نہ بنواور تم مومن نہیں ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تمہارے درمیان محبت وانس پیدا ہو جائے،آپس میں سلام عام کرو۔

نیز فرمایا: البادی بالسلام بری من الکبر سلام میں پہل کرنے والا تکبر

Marfat.com

سے پاک ہوتا ہے۔

ہمیں ہر نماز کے بعد اللہ کریم ورحیم سے دعا کرنی چاہیے یا درود کی تسبیح کے بعد۔ اللہ کریم ورحیم سب مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ومودت پیدا فرمائے۔ دلوں سے کدورت بغض وعناد دور فرمائے نسلی عصبیت کا خاتمہ فرمائے اور ہمیں صحیح معنوں میں مومن بنائے اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق دور کرکے ان میں اتحاد واتفاق پیدا فرمائے (آمین ثمہ آمین) کہ وہی لوگوں کے دلوں کو پھیرنے والا ہے۔

اللهم الف بين قلوبنا و واهدنا سبل الله اصلح ذات بيننا
وآخر دعوانا انا الحمدالله رب العالمين۔
30مارچ1999ء10ذی الحجہ 1420ھ۔

Marfat.com

اسوۂ رسول ﷺ اور فلاح انسانیت

الحمدالله رب العالمین والصلوة والسلام علی اشرف المرسلین
محمد المبعوث رحمة للعالمین الی الناس اجمعین

شخصیت کی تعریف: Personeltiy لاطینی زبان کے لفظ پرسونا (Persona) سے مشتق ہے جس کے معنی نقاب کے ہیں جو تھیٹر کے اداکار اپنے چہروں پر پہنا کرتے تھے۔ انسان عام زندگی میں جس قسم کا کردار ادا کرتا ہے وہ اسکی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یعنی خارجی کردار شخصیت کا ظاہری پہلو یا نقاب ہے جس کا ادراک دوسرے انسان کرتے ہیں یعنی شخصیت ان خارجی افعال و کردار کا نام ہے جو کوئی فرد اپنی زندگی میں اپناتا ہے یہ تعریف کردار پسند ماہرین نفسیات کے نزدیک ہے۔

دراصل شخصیت کی ماہیت کو سمجھنا اور اس کی تعریف کرنا بہت مشکل امر ہے اس لئے کہ یہ فرد کی پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے اس طرح ظاہری اعمال اور باطنی کیفیات کا مجموعہ بھی شخصیت کا لازمی جزو ہیں شخصیت درحقیقت داخلی اور خارجی پہلوؤں کا حسین امتزاج ہے مسلم واریت پسند ماہرین شخصیت کے خارجی پہلو کو اہمیت دیتے ہیں جبکہ تحلیل نفسی کے ماہرین داخلی پہلو کو ماہرین نے شخصیت کی جو مختلف تعریفیں کی ہیں طوالت کے خوف سے ان کو نظرانداز کرتے ہیں اور شخصیت سے متعلق مختلف نظریات پر بھی طائرانہ نظر ڈالنے پر اکتفا

Marfat.com

کرتے ہیں۔

1- ساختیاتی (Structural)

2- نفسیاتی (Psychological)

3- عمرانی (Socialogical)

ساختیاتی نظریئے کا موضوع زیر بحث سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے لہذا ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

نفسیاتی نظریہ: ہر انسان کو معاشرے میں زندگی بسر کرنے کے لئے ایک یا کئی نقابوں کی ضرورت ہوتی ہے شخصیت ایک ایسا ہی نقاب یا خول ہے۔ جسے کوئی فرد اپنی معاشرتی روایات کی وجہ سے اپنے اوپر چڑھا لیتا ہے یہ وہ کردار ہے جو معاشرہ کسی شخص کو عطا کرتا ہے یعنی وہ رول ہے جو معاشرہ کسی فرد سے اس کی زندگی میں توقع رکھتا ہے اس نقاب کا مقصد لوگوں پر ایک خاص اثر ظاہر کرنا اور انسان کی حقیقی فطرت کو تسکین دینا ہے۔

ایڈلر کا نظریہ: ایڈلر کے نزدیک انسان بنیادی طور پر سماجی حیوان ہے کہ جنسی حیوان' اس کا نظریہ شخصیت چھ باتوں پر مبنی ہے۔

1- مقصدیت: ہر شخص اپنی زندگی کچھ اصولوں کے مطابق گزارتا ہے مثلاً اتحاد میں برکت ہے، دیانتداری بہترین اصول ہے وغیرہ۔

2- سعی: شخصیت کی بنیاد احساس برتری پر ہے جو درج ذیل ذرائع سے حاصل ہوتی ہے

ا۔ جارحیت کے ذریعے

۲۔ طاقت کے ذریعے۔

Marfat.com

۳۔ برتری کے ذریعے۔

4- سماجی دلچسپی: انسان معاشی طرز پر معاشرتی حیوان ہے۔لوگوں میں مل جل کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہے یعنی لوگوں کے ساتھ تعاون دوسروں کے ساتھ سماجی تعلقات کسی نہ کسی گروپ کے ساتھ شناخت-ہمدردی اس کی زندگی کا مقصد ہے وہ ایک مکمل معاشرے (سوسائٹی) کے قیام کا خواہاں ہے۔

5-طرز زندگی: ہر شخص کا اپنا اپنا اور جداگانہ ہوتا ہے۔

6- تعلیمی قوت:اس کے ذریعے ذات تکمیل پاتی ہے اس کے اظہار سے عام لوگ شخصیت بن جاتے ہیں ہم روزانہ تجربہ کو استعمال کر کے تعلیمی قوت کے بل بوتے پر دنیا میں نامور بن جاتے ہیں۔(۲)

عمرانی نظریہ: جی ایچ میڈ نے نظریہ ''علامتی بین عملیت'' پیش کیا اس کے خیال میں شخصیت کی تعمیر میں افراد اپنے خیالات وتصورات اور اپنے بارے میں دوسروں کے خیالات وتصورات سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے عمل اور ردعمل سے اپنی شخصیت کو سنوارتے اور نکھارتے ہیں معاشرے سے کچھ لیتے اور اسے کچھ دیتے ہیں کچھ لوگوں سے سیکھتے ہیں اور کچھ کو سکھاتے ہیں۔زندگی کے ہر دور اور ہر شعبے میں ان کے سامنے ایک مثالی کردار ہوتا ہے جس کی وہ تقلید کرتے ہیں میڈ کے نزدیک شخصیت کے دو حصے ہیں۔

1 - Me اور Others

2-انا، میں یعنی، من

Me سے مراد شخصیت کا پہلو ہے جو کہ ماحول، رجحانات، والدین، دوست احباب سے حاصل کیا جاتا ہے۔اس میں اندھی تقلید ہوتی ہے۔انا کو شخصیت کی انفرادیت اور یکسانیت

Marfat.com

کہتے ہیں۔اس میں انا کو دخل ہوتا ہے۔انا، حرکی عنصر ہے جو ہمیں لوگوں سے ممتاز کرتا ہے۔ فرد کی شخصیت اس کی تنظیمی استعداد کا نتیجہ ہوتی ہے اور ایک ہی ماحول اور ایک ہی خاندان میں ارادی اختلافات کی وجہ سے معاشرت میں تنازع پیدا ہوتا ہے۔(۳)

تعمیر شخصیت: انسانی شخصیت کی تعمیر میں مندرجہ ذیل عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

۱۔ معاشرتی ماحول

۲۔ توارث یا وراثت

ماحول سے مراد نہ صرف فرد کا اپنا ماحول ہوتا ہے بلکہ پڑوس کے لوگ بھی جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔

وراثت: فرد کو ورثہ میں ملنے والے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک طبعی امر ہے۔خون کے اندر یہ اثرات ہمیشہ موجزن رہتے ہیں یوں بھی ہوتا ہے کہ سالوں سے اکتسابی اثرات موروثی اثرات پر غالب آجاتے ہیں لیکن اکثر حالات میں وراثت میں ملنے والی خوبیاں اور خامیاں مہد سے لحد تک فرد کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں ہر شخص کو والدین سے شکل وصورت عادات و اطوار اور کردار کے علاوہ بہت کچھ ورثہ میں ملتا ہے خصوصاً فرد کی شخصیت کی تعمیر میں والد یا والدہ کا نعم البدل (Substitute) (نانی، دادی، وغیرہ) اہم کردار ادا کرتی ہے۔مثلاً نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی والدہ ماجدہ آپ کی ولادت کے سات دن بعد ہی فوت ہوگئی تھیں اور 14 سال تک آپ اپنی نانی کے زیر تربیت رہے۔جو ایک دیندار اور خدا ترس خاتون تھیں وہ نماز اور تلاوت قرآن پاک کی پابندی کا خاص اہتمام کرتی تھیں یہاں تک کہ جس دن مرحوم تلاوت قرآن کئے بغیر نانی کی خدمت میں جاتے اور سلام کرتے تو وہ نہ سلام کا جواب دیتیں نہ آپ سے بات کرتیں۔مرحوم پوچھتے تو فرماتیں

Marfat.com

''تم نے اللہ میاں سے آج باتیں نہیں کیں اس لئے نہ میں تم سے بات کروں گی اور نہ تمہارا سلام لوں گی'' خود نواب اپنی تقریروں میں تربیت مادری کی اہمیت کا ذکر فرماتے تو ان کا یہ واقعہ ضرور بیان کرتے اور کہتے ''میرے اندر جو کچھ ہے اسی چودہ سالہ کمائی کا حاصل ہے۔''

(ماہنامہ ''فاران'' کراچی دسمبر 1956 نمبر 9)

دوسری مثال مولانا محمد علی جوہر کی والدہ کی ہے اور یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

بولی اماں محمد علی کی

بیٹا جان پاکستان پر دینا

ماحولیات: عمرانیات اور نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ فرد معاشرہ کی پیداوار ہے۔ معاشرہ فرد کو ڈھالتا ہے۔ معاشرتی اثرات فرد کے ذہن اور جزیات کی تشکیل اور تعمیر کرتے ہیں۔ فرد کی زبان، عادات و اطوار، رسمیں اور کسی حد تک عقائد و اعتقادات اور مذہبی تصورات معاشرتی ماحول کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے لہذا معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد کی ذہنی جذباتی اور نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے عمرانیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ معاشرہ فرد پر متلازم ہے اسی لئے معاشرہ اپنے مطالبے اور معیار فرد پر نافذ کرتا ہے۔

ماہرین نفسیات مثلاً مارکھائم، راجرز اور کرلے معاشرتی اثرات کو اہمیت دیتے ہیں جبکہ ماہرین شخصیت پروراثتی اثرات کو زیادہ اہم کردار دیتے ہیں۔

جب تجرباتی نفسیات کا رجحان پیدا ہوا تو انسان اور جانوروں کے رویئے اور تربیت کو انسانی شخصیت کا بنیادی فرد قرار دے کر تربیتی ماحول کو تعمیر شخصیت کا معیار قرار دیا گیا۔ آج کل علم النفس میں تعمیر شخصیت کا معتبر ترین نظریہ یہی ہے کہ انسان مشاہدہ اور جذبات کی

Marfat.com

قوتیں لے کر پیدا ہوتا ہے اور پیدائش کے دن سے ہی وہ ماحول سے دوچار ہونے لگتا ہے۔ اس کا خام فہم اس کے ابتدائی مشاہدات و تجربات کی کوئی نہ کوئی تعبیر کرتا ہے جس میں مزید تجربات سے ترمیم و اضافے ہوتے جاتے ہیں۔ جذبات، صلاحیت، مشاہدات اور ماحول کے مابین روزمرہ کے ردعمل سے آہستہ آہستہ ایک طریق کار کی بنیاد پڑتی ہے اور بچہ اپنی مخصوص نہج پر جذباتی طریق عمل اور خیالی طریق فکر کا عادی ہونے لگتا ہے۔ جذبات اور خیالات سے نمٹنے کا یہ مخصوص طریق کار ہر شخص کا انفرادی ہوتا ہے اور یہی طریق کار اس کی شخصیت کا سنگ بنیاد ہے۔

جس بچے کا سابقہ بچپن میں ناسازگار ماحول سے پڑتا رہا ہے اور والدین یا سرپرستوں کی توجہ سے محروم رہا ہے۔ وہ قدرتی طور پر خوف، مایوسی، ناکامی، بدگمانی اور غیر ضروری احتیاط کے خیالات میں مبتلا رہتا ہے اور فرصت کے لمحات میں بھی وہ ایسے خیالات میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے اور رفتہ رفتہ قنوطی نہج فکر و عمل کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو بچہ ماحول سے دوچار ہو رجائی فطرت کا حامل بنتا ہے۔ نڈر، پرامید، مشکلات سے نبرد آزمائی کے لئے ہمہ وقت آمادہ و تیار جری، باہمت اور مستقبل کے روشن پہلو پر نظر رکھنے والا تکرار عمل سے عادت اور رجحان کی پیدائش ہوا کرتی ہے ماحول کے زیر اثر جس نہج کے عمل کی تکرار کی کثرت ہو گی طبیعت اور شخصیت کا رجحان اسی طرف مائل ہو گا۔

تعمیر شخصیت میں تربیت کے عمل کی اہمیت اس قدر نمایاں ہے کہ بچہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے یہ بھی سمجھنے لگ جاتا ہے کہ جذبات کے غیر مقبول رویوں اور مظاہروں کو کیسے قابو کیا جائے اور اس طرح وہ اپنے فکر و جذبہ کے طریق کار میں اصلاحیں کرنے لگتا ہے بچوں کی نفسیات سے آشنا بزرگوں کی نگرانی میں تو انقلابی تبدیلیاں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں کیونکہ ہر وہ

Marfat.com

عادت جو تکرار عمل سے پیدا ہو گی جو تخلیقی جبلت میں داخل نہیں نظری طور پر قابل تغیر ہے اور عملی طور اکثر حالات میں تغیر پذیر ہو جایا کرتی ہے تکرار عمل سے نہج فکر و عمل میں تبدیلی پیدا کر کے اسلامی طرز کی ایک نئی شخصیت کی تعمیر ہی اسلامی تعلیم و تربیت کا منتہی و مقصود ہے اسلامی عبادات و معاملات کی تمام تلقین اور اوامر و نواہی کا یہی مقصد ہے۔

شخصیت اور نفس کی تربیت کے تین مراحل یا نفس کی تین قسمیں: ماحول و مشاہدہ کی تربیت کا پہلا مرحلہ نفس امارہ کہلاتا ہے اس دور میں انسان جذباتی لذتوں سے بے حد محظوظ ہوتا ہے اور جذباتی آلام سے بہت متاثر ہوتا ہے ان میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی بجائے ان سے مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے، شخصیت کی تعمیر کے لئے جذبات کو معاون قوتیں سمجھنے کی بجائے ان کو ہی مقصد حیات سمجھ لیتا ہے اور جذبات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے قرآن کریم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

"افرئیت من اتخذ الھه ھواه " کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو ہوائے نفس کو اپنا معبود بنا بیٹھا ہے۔ بے شک انسانی جذبات نہایت خودی عمل ہوتے ہیں اگر ان میں اعتدال و توازن نہ پیدا کیا جائے تو انسان کو برائی کے راستوں پر چلانے لگتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے۔

ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی (یوسف:۵۳)

نفس تو بدی پر اکساتا ہے اگر یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو۔ رحمت رب کی صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ ان کا نفس انہیں جذبات کی غلامی پر تنقید و ملامت کرنے لگتا ہے اور جب انسان تنقید و ملامت یا خود احتسابی کا انقلابی قدم اٹھاتا ہے تو گویا وہ نفس امارہ کی حدود سے نکل کر نفس لوامہ کی طرف بڑھتا ہے اور ایک نئے تربیتی دور میں داخل ہونے لگتا

Marfat.com

ہے اس طرح اس کی ذات میں ایک خفیہ صلاحیت بیدار ہونے لگتی ہے جسے ضمیر کہتے ہیں قرآن میں اسی لفظ لوامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ (القیماء:2)

''نفس لوامہ'': دراصل تعمیر شخصیت کا حقیقی دور ہے جو جذبات و عقل میں اعتدال و توازن پیدا کر کے انسان کو کوئی نہ کوئی نظریہ حیات اپنانے پر ابھارتا ہے اور زندگی کا کوئی نصب العین متعین کرنے پر مائل کرتا ہے یہ لوگ اپنا مقصد حیات پا لیتے ہیں اور مقصد تخلیق سے آگاہ ہو کر اپنے خالق حقیقی سے تعلق پیدا کرنے کے طالب ہو جاتے ہیں اور یہ طلب ان کو تربیت نفس کے تیسرے مرحلے میں داخل کر دیتی ہے جسے نفس مطمئنہ کا مرحلہ کہتے ہیں قرآن میں ہے، یاایھاالنفس المطمئنه ارجعی الی ربك راضية مرضية۔

ترجمہ: اے اطمینان حاصل کرنے والی روح تو اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ کہ اللہ تجھ سے خوش ہو، تو اللہ سے خوش ہو۔

یہ لوگ اللہ کی صفات اور نعمتوں کا اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں ذکر کرتے ہیں اور اس کی تخلیقات و کائنات کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں ان کی اسی حالت کا سورہ آل عمران کی ان آیات میں ذکر ہے۔

الذین یذکرون الله قیاماً وقعودا و علی جنوبهم و یتفکرون فی خلق السموات والارض (۱۹۱)

یہ اللہ کی مخلوق سے اللہ کیلئے محبت رکھتے ہیں اور شریعت پر خود بھی ثابت قدمی سے عمل پیرا رہتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو بھی اس حسن عمل کی دعوت دیتے رہتے ہیں بقول علامہ اقبال۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

Marfat.com

اسوۂ رسول ﷺ اور فلاح آل

فلاح کے لغوی معنی: فلاح کا لفظ افلح یفلح (بروزن اکرم یکرم) کا مصدر ہے عربی میں کہتے ہیں افلح الرجل انسان مطلوب میں یا کوشش میں کامیاب ہوا کام درست ہوا افلح بالشی زندگی گزارنے الفلاح کامیابی خوشحالی بقانجات اذان میں ہے۔"حی علی الفلاح" کامیابی اور نجات کی طرف آؤ۔

فلاح کا مفہوم: فلاح کا لفظ قرآن میں دینوی فلاح کے محدود معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ اس سے مراد پائیدار کامیابی ہے۔

نفس انسانی کی فلاح: فرمان الٰہی ہے۔

والارض وما طحها و نفس وما سوها فالهمها فجورها وتقوها قد افلح من زكها و قد خاب من دسها

ترجمہ: اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا اور نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا (درست بنایا) پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی۔ یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے دبا دیا (خاک میں ملا دیا)۔ ہموار کرنے (درست فرمانے) سے مراد یہ ہے کہ اس کو بصارت و سماعت، قوت شامہ، قوت ذائقہ اور قوت لمس عطا کی جو اس کے لئے بہترین ذرائع علم ہیں اس کو قوت عقل و فکر قوت استدلال و استنباط، قوت خیال، قوت حافظہ، قوت تمیز، قوت فیصلہ، قوت ارادی اور دوسری ذہنی قوتیں عطا کیں اس کے علاوہ ہموار کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسے پیدائشی ملار بنا کر نہیں بلکہ راست اور سیدھی فطرت پر پیدا کیا اس بات کو سورہ الروم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فطرت الله التی فطر الناس علیها۔

Marfat.com

اور حدیث میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی ونصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں دم کان کٹا نہ پاؤ گے (بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں ہے "میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (صحیح الفطرت) پیدا کیا پھر شیاطین نے آ کر ان کو ان کے دین سے ورغلایا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان کو شریک کریں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی (مسند احمد) پھر بتایا ہے کہ انسانی نفس کو اعتقاد، حواس اور قوتوں کے تناسب امتزاج سے ہموار کر کے اللہ نے اس کے اندر بھلائی اور برائی کے میلانات رجحانات اور محرکات رکھ دیئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور الہام کے ذریعے اسے ان دونوں کا فرق سمجھا دیا ہے کہ ایک فجور ہے وہ بری چیز ہے اور دوسرا تقوی ہے اور وہ اچھی چیز ہے۔

تزکیہ کے معنی (پاک کرنا)۔ ابھارنا اور نشو ونما دینا۔ سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ جو اپنے نفس کو فجور سے پاک کرے اسے ابھار کر تقوی کی بلندی پر لے جائے اور اس کے اندر بھلائی کو نشو ونما دے وہ فلاح پائے گا اس کے مقابلے میں (دسھا) کا لفظ ہے جس کا مصدر دسیہ ہے اس کے معنی دبانے، چھپانے اغوا کرنے اور گمراہ کرنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نامراد ہوگا۔ جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشو ونما دینے کے بجائے ان کو دبا دے کہ تقوی اس کے نیچے اس طرح چھپ جاوے جیسے لاش قبر کی مٹی کے نیچے۔

فلاح انسانیت: سورۃ المومنون میں فرمان الٰہی ہے:

قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون تا خلدون

Marfat.com

ترجمہ: یقیناً ایمانداروں نے نجات حاصل کرلی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں جولغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں جوزکوۃ ادا کرنے والے ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے) یقیناً یہ ملامتوں میں سے نہیں ہیں اس کے سوا جو اور ڈھونڈیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کیا کرتے ہیں یہی فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

چار صفات جن پر نوع انسانی کی فلاح کا مدار ہے: مفکر اسلام سید ابوالاعلی مودودی سیرت سرور عالم میں چار صفات کو انسانیت کی فلاح کا مدار بناتے ہوئے رقمطراز ہیں والعصران الانسان لفی خسر الا الذین امنو اوعملوا الصلحت وتواصوا بالحق واتواصو بالصبر۔ زمانے کی قسم انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

ان چند مختصر سے جملوں میں قسم کھا کر قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ جو تاریخ گذر چکی ہے اور جو حال اب گذر رہا ہے دونوں اس بات پر گواہ ہیں کہ انسان بحیثیت شخص بحیثیت قوم بحیثیت نوع فلاح نہیں بلکہ خسارے میں مبتلا ہے اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ محفوظ ہیں اور رہے ہیں جن میں یہ چار صفتیں پائی گئی ہیں اور پائی جاتی ہیں۔ایمان باللہ، حسن عمل۔

ایمان باللہ، فلاح انسانیت کیلئے شرط اول: ایمان باللہ دین کی بنیاد کا سب سے پہلا پتھر ہے اور اس قدر اہم کہ اس کے بغیر کسی شخص کے اندر وجود اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جا

Marfat.com

سکتا حتی کہ اگر یہ کہا جائے کہ دین اسلام کا بنیادی پتھر تنہا ہی ہے تو غلط نہ ہوگا اور اگر کوئی کہے کہ دین و شریعت کا لب لباب مغز اور جوہر کیا ہے تو کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ دونوں میں اس کا جواب یہ ہوگا ایمان باللہ مثلاً قرآن میں ارشاد ہے۔ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ان لا تخافو ولا تحزنوا والبشرو بالجنتہ التی کنتم توعدون (حم السجدہ:30)

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑے آپ ﷺ نے فرمایا

قُل امنت باالله ثم استقم کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر جم جاؤ۔(مسلم)

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی مشہور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔مامن عبد قال لاالہ الا اللہ ثم مات علی ذلك الا دخل الجنتہ (بخاری و مسلم)

جس شخص نے بھی کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مرتے دم تک اس کا یہی عقیدہ رہا وہ جنت میں داخل ہوگا ایمان باللہ کیا ہے؟ یعنی اس بات پر پورا یقین کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی خالق و مالک رازق، حاجت روا معبود اور حاکم ہے جس کی بندگی اطاعت اور پرستش کرنی چاہیے اور اللہ کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت ہی برحق ہے جس کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ اسی باب میں حضرت آدمؑ سے لے کرتا ایں دم بنی نوع انسان نے ٹھوکر کھائی ہے انبیاء علیھم السلام اسی توحید کی تعلیم کے لئے لئے ث ہوئے اور ان کے پیروکاروں نے انہیں ہی خدائی میں شریک کر لیا اولیاء نے یہی تعلیم دی اور شرک وفکر کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنی جان تک جان آفریں کے سپرد کر دی اور ان کے پیروکاروں نے انہی کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔یہی ایمان ہے جو فلاح پانے اور خسارے سے بچنے کے لئے شرط اول ہے۔

Marfat.com

مولانا صدرالدین اصلاحی اس ایمان کو حاصل کرنے کے طریقوں کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ رسمی وموروثی اور تقلیدی ایمان کی جگہ شعوری ایمان بیدار کیا جائے جس کیلئے عموماً تین تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ایک طریقہ تو قرآن وسنت کا متعین کیا ہوا ہے جو مکمل اور خالص فطری طریقہ ہے اور حقیقی فلاح کا ضامن ہے دوسرا طریقہ ارباب تصوف کا ہے تیسرا طریقہ فلسفے کا ایجاد کردہ ہے جو نامکمل و ناقص ہے اسی لئے تباہ کن بھی ہے۔

حسن عمل: ایمان کے ساتھ اسی صفت کا تعلق بیج اور درخت کا سا ہے ایمان وہ بیج ہے جس کے بغیر نیک اعمال کا درخت پیدا نہیں ہوسکتا خواہ بعض لوگوں میں ایمان کے بغیر کچھ ظاہری اور ناپائیدار خوبیاں اور نیکیاں پائی جاتی ہوں اور درخت وہ نیک اعمال ہیں جن کا انسان کی زندگی میں پیدا ہونا اور نشوونما پانا عقل اور منطق کا لازمی تقاضا ہے۔ جس کے دل میں ایمان کا بیج بویا جا چکا ہو۔ اگر کسی دل میں یہ بیج بویا گیا ہو اور اس سے حسن عمل کا درخت پیدا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان کا دل اس بیج کی قبر بن گیا ہے اور خسارے سے اس کے بچنے اور فلاح پانے کی کوئی ضمانت نہیں ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال خسارے سے بچنے اور فلاح پانے کی دوسری لازمی شرط ہے۔

ایمان اور حسن عمل اگر انفرادی حیثیت سے افراد میں پائی جائیں تو وہ انفرادی فلاح کی ضامن ہیں لیکن اجتماعی فلاح یعنی انسانیت کی فلاح کے لئے ضروری ہے کہ ایسے نیک افراد ایک معاشرہ کی صورت گری کریں اور اس میں وہ دو مزید صفات بھی پائی جاتی ہیں جن کا ذکر سورۃ العصر میں خسران سے بچنے کیلئے بطور شرط بیان کیا گیا ہے یعنی۔

Marfat.com

ایک دوسرے کو حق کی نصیحت (تکرار عمل): حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک صحیح اور سچی عدل وانصاف کے مطابق حقیقت بات خواہ اس کا تعلق عقیدہ وخیال سے ہو یا دنیا کے معاملات سے دوسرے وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہے خواہ وہ بندوں کا حق ہو یا خدا کا یا خود اپنے نفس کا۔لہذا حق کی نصیحت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ صالح اہل ایمان کا معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ اس میں باطل سر اٹھاوے یا حق پامال ہوں مگر لوگ خاموش تماشائی بنے رہیں بلکہ اس کا اجتماعی ضمیر ایسا زندہ ہو اور اس کے افراد یہ اپنی اولین ذمہ داری خیال کرتے ہوں کہ جہاں بھی باطل سر اٹھائے یا کوئی حق پامال ہو وہاں باطل کی مخالفت اور حق کی حمایت کیلئے بے خوف وخطر اٹھ کھڑے ہوں اور باطل کو ختم کر کے اور حق کو قائم کر کے دم لیں۔ نیز کوئی شخص محض خود ہی حق پرست اور امانت دار اور عادل ومنصف ہونے اور حقداروں کے حقوق ادا کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرز عمل پر آمادہ کرنے کی نصیحت کرتا رہے۔ یہی وہ عمل ہے جو معاشرے کو اخلاقی انحطاط وزوال سے بچانے کا ضامن ہوتا ہے۔ اگر کوئی معاشرہ اس روح سے خالی ہو تو وہ خسران سے نہیں بچ سکتا بلکہ اجتماعی بگاڑ بڑھتا رہے تو افراد کا بھی حق پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور فلاح کے مواقع معدوم ہو جاتے ہیں۔

ایک دوسرے کو صبر کی تلقین: صبر کے لغوی معنی روکنے' باندھنے یا رکنے اور باز رہنے کے ہیں۔عربی میں یہ لفظ تحمل، برداشت، ضبط، ثابت قدمی، ارادے کی مضبوطی اور ہمت و جرأت کے ساتھ کسی مزاحم طاقت کے مقابلے میں ڈٹ جانے کو کہتے ہیں لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ اتنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ مومن کی پوری زندگی صبر کی زندگی بن جاتی ہے۔

Marfat.com

سورۂ عصر کا مقصد (مدعا یہ ہے کہ انسانیت صرف اسی صورت میں فلاح پا سکتی ہے کہ افراد فرداً فرداً بھی مومن، صالح، حق پرست اور صابر ہوں اور ان سے وہ ایک ایسا معاشرہ بھی برپا کریں جس میں ہر فرد دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتا رہے رسول اللہ ﷺ کے فضل و کرم سے انہی ہتھیاروں (ایمان حسن عمل حق پرستی اور صبر کے بل بوتے پر 23 سال کے قلیل عرصے میں عرب میں ایک ایسا فلاحی معاشرہ برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی نظیر دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔ (۱۳)

اطاعت رسول ﷺ:

بہ مصطفے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ اوہ نہ رسیدی تمام بولہبی است

امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں "انسان کی تمام و کمال سعادت یہی ہے کہ وہ معرفت حق کیلئے بندگی و عبادت میں مشغول رہے اور اطاعت و بندگی کے ذکر سے ہی دل پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ دونوں محبت کے اسباب میں سے ہیں اور یہی سعادت و فلاح کا تخم ہیں، بیج ہیں اور عبادت اس لئے فلاح (نجات) ہے کہ خود اللہ نے فرمایا ہے۔ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلواتہم خاشعون اور پھر فرمایا۔ قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی بامراد ہوا وہ شخص جو (قرآن سن کر) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا (الاعلی) کیونکہ محض عمل کو عبادت نہیں کہا جا سکتا اس لئے معلوم یہ کرنا ہے کہ کونسا عمل ضروری ہے اور کون سا غیر ضروری بلکہ اس کا چھوڑنا ضروری۔ اس کے دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان اپنی عقل ہوش اور ذاتی اجتہاد سے کام لیتے ہوئے خود اس کا تعین کرے یا کسی دوسرے سے اس کی حقیقت معلوم کرے اگر اسے اپنے اجتہاد و اختیار پر چھوڑ دیا جائے تو ہوائے نفس اسے راہ حق سے بھٹکا دے گی لہذا لازم ہے

Marfat.com

کہ اختیار کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو اور کسی اور سے مراد ہر کس و ناکس کے ذمہ سے نہیں لی جاسکتی بلکہ اس سے مراد ایسی ہستی ہے جو سب سے زیادہ صاحب بصیرت داناترین اور ہوشمندترین ہو اور یہ درجہ صرف انبیاء کو ہی حاصل ہوتا ہے پس انسانیت کو انہی انبیاء کی شریعت کی پیروی کرنے اور ان کی اطاعت و متابعت کرنے سے راہ سعادت (فلاح) نصیب ہوسکتی ہے (41) کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے نیز فرمایا: لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (الاحزاب:۲۱)

نیز فرمایا: ان الذین عندالله الاسلام (آل عمران:۱۹)

قرآن کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کا دین بھی اسلام تھا جیسے فرمایا۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلموں میں شامل ہو کر رہوں

ربنا واجعلنا مسلمین لك و من ذریتنا امة مسلمة لك (البقرہ:۱۲۸)

حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا اے ہمارے رب ہم کو اپنا مسلم (مطیع) بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری مسلم (مطیع) ہو۔

نیز فرمان الٰہی: ما کان ابرہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن واُخوت

بسم الله وله الحمدو صلى الله على خير خلقه محمد اله و اصحابه اجمعين

يايها الذين آمنو استجيبوالله وللرسول اذا دعاكم لما يحيكم

کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن واخوت اس مرتبہ سیرت کانفرنس کا موضوع ہے۔

شان نزول: عنوان بالا کیلئے سورۃ انفال کی جو آیت شریفہ تجویز کی گئی ہے۔اس کے شان نزول کے بارے میں سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں۔

ترمذی اور نسائی میں بروایت حضرت ابوہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ابی ابن کعب کو بلایا۔ ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے، جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی؟ ابی بن کعب نے عرض کیا کہ میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالی کا یہ ارشاد نہیں سنا "استجيبوالله و للرسول اذا دعاكم" ابی بن کعب نے عرض کیا آئندہ اس کی اطاعت کروں گا اگر بحالت نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔

مسائل: اس حدیث کی بناء پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

Marfat.com

سے نماز میں جو کام بھی کریں اس سے نماز میں خلل نہیں پڑتا اور بعض نے فرمایا کہ اگرچہ خلاف نماز افعال سے نماز قطع ہو جائے گی اور اس کی بعد میں قضا کرنا پڑے گی لیکن کرنا یہی چاہیے کہ جب رسول کریم ﷺ کسی کو بلائیں اور وہ نماز میں بھی ہو تو نماز کو قطع کر کے تعمیل حکم کرے۔

یہ صورت تو صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن دوسرے ایسے کام جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو اس وقت بھی نماز قطع کر دینا اور پھر قضا کر لینا چاہیے جیسے کوئی نماز یہ دیکھے کہ نابینا آدمی کنویں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر گرا چاہتا ہے تو فوراً نماز کو توڑ کر اس کو بچانا چاہیے۔ نیز وہ حیات (زندگی) جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا اس میں کئی احتمال ہیں اس لئے علماء تفسیر نے مختلف اقوال اختیار کئے ہیں۔ سعدی نے کہا ہے کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے۔ ابن اسحاق نے فرمایا کہ مراد اسی سے جہاد ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت بخشی اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

(معارف القرآن حصہ چہارم صفحہ 208-209)

مولانا آزاد کی تفسیر: امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں اس آیت کا ترجمہ و تشریح یوں کرتے ہیں:

ترجمہ: مسلمانو! اللہ اور اسکے رسول کی پکار کا جواب دو، جب وہ پکارتا ہے تا کہ تمہیں

Marfat.com

(روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کردے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کردے یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے اتبعات وقیام کی دعوت ہے۔ غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کردیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے ساربانوں میں ابوبکر، عمر، علی، عائشہ، خالد ابن وقاص، ابن العاصؓ جیسے اکابر عالم پیدا ہوگئے اور پچاس برس کے اندر کرہ ارض کی سب سے بڑی مہذب اور اشرف قوم عرب کے وحشی تھی۔ (ترجمان القرآن جلد دوم۔ص59)

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اپنی تفسیر وتدبیر قرآن میں اسی آیت کی تشریح اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

فرمایا کہ اللہ ورسول ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہو اس سے تمہیں حقیقی اور جاوداں زندگی حاصل ہوگی۔ سیدنا مسیح نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا کہ انسان روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ (تدبر قرآن۔ص458)

امن عالم کیلئے خطرات وتہدیدات: آج امن عالم کو عموماً اور عالم اسلام کو خصوصاً جن خطرات وتہدیدات کا سامنا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1-مذہبی منافرت

2-وطینت اور نسلی عصبیت

3-سرمایہ داری اور اشتراکیت

4- تیسری عالمی جنگ کا خوف

مذہبی منافرت: مذہب کے نام پر بھی جو دنیا میں امن وآشتی کا پیغام ہوتا ہے کہ

Marfat.com

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔ جنگ وجدل کے معرکے گرم ہوتے رہتے ہیں۔ داعی امن واخوت کی بعثت کے وقت بھی فضا میں ان نعروں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔

بقول علامہ سید سلیمان ندوی۔

ہندوستان کے رشیوں اور مینوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کیلئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا۔ خدا کی رہنمائی وہ حصہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کیلئے مخصوص تھا۔ زردشت خاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندانوں سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے یہ پیغام محمدی ہی ہے جس نے یورپ، پچھم انراد مکن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کیلئے ملک وقوم اور زبان کی تخصیص نہیں۔ اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہیں ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری گونجی اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔ (نقوش رسول نمبر جلد 3 صفحہ 466)

آج جو معاشرے میں فساد برپا ہے وہ اس مذہبی منافرت کی بدولت ہر عالم دین نے دو چار علماء نام نہاد اور شاگردوں کو ساتھ ملا کر اپنی ایک جماعت بنالی ہے اور وہ ہر معاملے میں اپنی رائے پر چلتا ہے اور دوسروں کو اس پر چلانا چاہتا ہے۔ دوسروں کی رائے کا احترام میں وہ اپنی کسر شان خیال کرتا ہے۔ محض یہ کہہ کر ہمارا طریق عمل / طریقہ کار ان سے جدا ہے وہ دوسروں کے پیچھے چلنے سے اپنی جان چھڑا لیتا ہے حالانکہ اسلام اسے تفرقہ سے تعبیر کرتا ہے۔

یہی حال ہمارے سیاسی زعماء کا ہے کہ ہر سیاسی رہنما نے دو چار سیاسی ورکرز کو ساتھ ملا کر اپنی ایک سیاسی جماعت بنالی ہے چاہے عام انتخابات میں ایک بھی نشست نہ ملے۔ اسی

Marfat.com

جماعت سازی نے پاکستان کے عوام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ان میں الفت و محبت کے جذبات پھر ابھارنے کی بجائے باہمی عداوت اور نفرت کے بیج بوئے ہیں۔

وطنیت اور عصبیت: دوسرا بڑا خطرہ جو ملک عالمی امن وملت کو درپیش ہے وہ وطنیت اور عصبیت پرستی کا عفریت ہے، علامہ اقبال کا شعر ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

عصبیت کی تعریف: علامہ ابن منظور لسان العرب میں تعصب اور عصبیت کی تعریف یوں کرتے ہیں-التعصب ان یدعوالرجل الی نصر عصبیه واکتسال سعهم علی من ینادیهم ظالمین کانوا اومظلوسین۔ (لسان العرب، جلد 1 صفحہ 606)

ترجمہ: تعصب کا لفظ عصبیت سے ماخوذ ہے۔عصبیت اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے عصبات (عصبہ کی جمع ہے عصبہ کا لفظ، بیٹے، بھائی، چچا وغیرہ کیلئے مستعمل ہے اور یہاں دور نزدیک کے رشتہ دار اور ہم قوم لوگ مراد ہیں) کی حمایت کی تلقین کرے اور ان کے دشمنوں کے خلاف شر انگریزی اور فساد پر لوگوں کو اکٹھا کرے بغیر یہ دیکھے کہ اس کی قوم حق بجانب ہے یعنی مظلوم ہے یا ظالم۔

احادیث شریفہ میں عصبیت اور تعصب کی تعریف ملاحظہ ہو- حضرت واثلہ بن اسقع نے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔

یا رسول الله ! ماالعصبیه ! قال! تعین قومك علی الظلم۔
(سنن ابی داؤد کتاب الادب، باب فی عصبیہ)

Marfat.com

ترجمہ: یارسول اللہ! عصبیت کسے کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم میں مدد (حمایت) کرو۔

ایک اور حدیث شریف میں سرور دو عالم نے عصبیت کو اندھاپن اور گمراہی سے تعبیر کیا فرمایا۔من نصر قومہ علی غیر الحق فھو کاالبعیر الذی ردی فھو ینزع بذنبہ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی عصبیہ)

ترجمہ: جو شخص اپنی قوم کی ظلم میں معاونت کرے وہ اس اونٹ کی طرح سے جو گہرے گڑھے میں جا گرے اور دم پکڑ کے باہر نکالا جائے۔ایک حدیث میں عصبیت کو جاہلیت سے تعبیر فرمایا اور اس کی خاطر جان دے دینے کو جاہلیت کی موت قرار دیا ہے،فرمایا۔

من قتلتحت رایہ عصہ یدعوا عصبیۃ اوینصرعصبیۃ فقتلہ جاہلیہ

ترجمہ: جو شخص جاہلیت کے جھنڈے تلے قتال کرے اور تعصب کی دعوت دیتے ہوئے یا عصبیت کی حمایت کرتے ہوئے مارا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ یہاں تک کہ عصبیت پرستی کو ہوا دینے والوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔

لیس منا من دعا الی العصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔

ترجمہ: جو شخص عصبیت (جاہلیت) کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص تعصب کی خاطر قتل کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں اور جو شخص عصبیت کی موت مرے وہ بھی ہم میں نہیں۔

ترمذی کی ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا۔

من دعا دعوی الجاہلیہ فانہ من حبشی جہنم فقال رجل یارسول اللہ وان صام وان صلی قال وان صام وان صلی۔

Marfat.com

ترجمہ: جو شخص جاہلیت کی دعوت دے وہ جہنم کا ایندھن ہے، ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ چاہے وہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو؟ آپ نے فرمایا! ہاں چاہے وہ روزہ دار ہو نمازی ہی کیوں نہ ہو۔

ان ہدایات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اسلام کا دعوی کرنے والا مسلمانوں میں نفرتیں پیدا کرے انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے اور انہیں ایک دوسرے کے مقابل صف آراء کرے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس سے بڑا مجرم کون ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تعصب اور عصبیت پرستی کو اسلام نے انتہائی مبغوض فعل قرار دیا ہے یہ دین محمدی ﷺ کے خلاف ایک سازش ہے اور اسلامی معاشرے کے لئے انتہائی تباہ کن عمل ہے، اسی لئے داعی امن واخوت نے اس کے بارے میں بڑے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔فھنوہ ولا تکنوہ۔

ترجمہ: جوکوئی بھی عصبیت کی دعوت دے اس کی کھلی مخالفت کرو اور کنایۃً سے کام نہ لو۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت

سرمایہ داری: سرمایہ داری بھی امن عالم کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنی ہوئی ہے بلکہ تمام فتنہ وفساد کی جڑ، بنیاد یہی ہے، ساہوکاروں کی مجلس نشاط کا ساغر احمریں ہمیشہ غریبوں اور مزدوروں کے خون سے تیار ہوتا رہا ہے لیکن آج کے ساہوکاروں نے ایسے ہتھکنڈے ایجاد کیے ہیں۔ سرمایہ سمیٹنے کے لئے کہ وہ مزدوروں کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتے ہیں۔ بقول اقبالؒ۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

Marfat.com

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں دراصل قومیت پرستی کے ہی مہلک نتائج ہیں۔

سرمایہ داری کی ابتدا: محمد قطب شہید اپنی کتاب ''شبہات حول الاسلام'' میں لکھتے ہیں۔

''سرمایہ داری نظام یورپ کی پیداوار ہے، یہ مشین کی ایجاد کا نتیجہ تھا جو اتفاق سے یورپ میں ایجاد ہوئی اور وہیں سے دنیا کے باقی حصوں میں پھیلی..... ماہرین معاشیات کے درمیان اسی بات پر اتفاق رائے ہے یہاں تک کہ کارل مارکس جیسے سرمایہ داری کے شدید دشمن بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی دور میں سرمایہ دارانہ نظام سے انسانیت کو بڑا فائدہ پہنچا اور دنیا اس کی بدولت ترقی کی نئی منزلوں سے آشنا ہوئی، مادی پیداوار میں اضافہ ہوا، وسائل نقل وحمل بہتر ہوئے اور وسیع پیمانے پر قومی وسائل کا استعمال عام ہوا اور مزدوروں کا معیار زندگی پہلے سے جبکہ ان کا تمام تر دارومدار زراعت پر تھا کہیں زیادہ بلند ہو گیا۔

خرابی کا آغاز: مگر سرمایہ داری کا یہ دور جلد ہی ختم ہو گیا۔ اس کے فطری ارتقاء کے نتیجے میں دولت بتدریج سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آ گئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت غرض سب کچھ سے محروم ہو گئے۔ اس سے سرمایہ داروں کو سستے مزدور حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی جن کی محنت ومشقت کے طفیل ان کی دولت اور تجارت میں بے تحاشا اضافہ ہوا، اس کے باوجود انہوں نے مزدور (جو اشتراکیوں کے نزدیک مادی پیداوار میں اضافہ کے اصل ذمہ دار ہوتے ہیں) کی اجرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا، ان کی اجرتیں اب بھی اتنی کم تھیں کہ اس میں ان کے لئے معقول زندگی گزارنا ممکن ہی نہ تھا، ان کی بچت کا حاصل سرمایہ دار ہتھیا لیتے اور اپنی عیاشیوں اور خرمستیوں میں اڑا دیتے۔

مہلک نتائج: مزدوروں کے ان قلیل معاوضوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار ممالک کے

Marfat.com

باشندوں کی قوت خرید گھٹ گئی اوران کا تیار کردہ سامان یونہی پڑا رہنے لگا چنانچہ سرمایہ داروں کو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی اس تلاش نے نوآبادیاتی نظام نیز منڈیوں اور خام مال کے بارے میں بین الاقوامی رقابتوں کو جنم دیا اور بالآخر معاملہ اپنے ناگزیر منطقی نتیجے میں تباہ کن جنگوں تک پہنچا۔

سرمایہ داری کی دو بنیادیں: سودی بینک اور سودی قرضے' ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جب سے اپنے ابتدائی ''دورخیر'' سے نکل کر موجودہ ''دورشر'' میں داخل ہوا ہے قومی قرضوں پر اس کا انحصار بہت بڑھ گیا ہے چنانچہ بینک قائم ہوئے اور انہوں نے مالی کاروبار اس طرح استوار کیا کہ وہ بھاری سود پر حکومتوں کو قرضے دینے لگے، یہ قرضے اور بینکوں کا زیادہ تر کاروبار سود کی اساس پر چل رہا ہے جس کی اسلام نے واضح اور بین الفاظ میں ممانعت کی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

یـایھاالذین آمنو لاتاکلو الربوااضعافاً مضاعفة واتقوالله لعلکم تفحلون۔

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو سود در سود (سود مرکب) نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

یمحق الله الربوا ویربی الصدقات

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے (جو اسلام کا میکتا کارتا ہے) میں فرمایا۔

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا۔

الاکـل شـی مـن الـجاہلیته موضوع تحت قدمی جزان کل ربا مـوضـوع ولـکم رووس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون قضی الله اله

Marfat.com

لا ربا۔

ترجمہ: خبردار تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نیچے میں پامال ہیں اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے اور تمہیں اصل زر لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دوسری بنیاد، اجارہ داری: سرمایہ دارانہ نظام کی دوسری بنیاد شدید کاروباری مسابقت و منافست ہے۔ جس کے نتیجے میں چھوٹے چھوٹے کاروباری ادارے ختم ہو جاتے ہیں یا پھر سب مل کر بڑے بڑے کاروباری ادارے قائم کر لیتے ہیں تاکہ دوسرے اداروں سے مقابلہ کر سکیں۔ اس سے اجارہ داری (Monopoly) جنم لیتی ہے، اسلام اس کا بھی شدید مخالف ہے، اس بارے میں سرور کونین ﷺ کے واضح ارشادات ہیں فرمایا۔

من احتکر فهو خاطئ۔ اجارہ داری کرنے والا گناہ گار ہے۔

الجالب مرزوق والمتكر ملعون

ترجمہ: وہ شخص جو اشیاء ضرورت کو روکتا نہیں بلکہ وقت پر بازار لاتا ہے، اللہ اسے رزق دے گا اور احتکار کرنے والا لعنت کا مستحق ہے۔

اسلام سرمایہ داری کی ان دونوں بنیادوں کا شدید مخالف ہے پھر بھی اشتراکیت کے دعویدار اسلام کو سرمایہ دار کا حامی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں حالانکہ سرمایہ داری اسلام کے زیر سایہ آ جائے تو اس کے موجودہ ''دور شر'' کی خرابیاں بیمعنی بن کر رہ جائیں۔ یہ سارے مفاسد اس سے دور ہو جائیں اور یہ مجسم خیر بن جائے۔

اسلام کا اصول: سرمایہ دار کے منافع میں مزدور کی حصہ داری کا اصول جس کے متعلق اشتراکیت کا دعوی ہے کہ وہ اس کا پیش کردہ ہے، اسلام نے وضع کیا۔ امام مالکؒ تو مزدور کو

Marfat.com

سرمایہ دار مالک کے ساتھ منافع میں برابر کے حصہ کا حقدار سمجھتے ہیں کیونکہ منافع کمانے میں جتنا حصہ سرمایہ دار کے سرمایہ کا ہے اتنا ہی مزدور کی محنت شاقہ کا بھی دخل ہے لہذا ان کے خیال میں دونوں کا منافع میں مساوی حصہ ہونا چاہیے۔

اسلامی فقہ کے اسی اصول سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے معاشرتی انصاف (بالفاظ دیگر معاشرتی امن) کے قیام کی ضرورت پر کس قدر زور دیا ہے لیکن اسلام میں معاشرتی انصاف کے قیام کا یہ داعیہ کسی مادی ضرورت، مجبوری یا طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا تھا جس کے بغیر بعض لوگوں کے نزدیک بہتر معاشی روابط و تعلقات ممکن ہی نہیں بلکہ اسلام نے تو پرامن بقایا باہمی کی دعوت دی ہے، وہ تو طبقاتی کشمکش کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔

مزدور کی محنت شاقہ کو چونکہ سرمایہ دار کے منافع میں دخل ہوتا ہے اس کے لئے اس کا منافع میں حصہ تو فطری بات ہے اسلام نے تو ان لوگوں کو بھی اس کی کمائی میں حصہ دار ٹھہرایا ہے جو کسی وجہ سے کسب معاش کی بے رحم دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

انما صداقت للفقراء و المساکین کی رو سے وفی اموالھم حق للسائل والمحروم کی رو سے۔

اشتراکیت: اشتراکیت، جدلی مادیت (Dialectical Materialism) پر اعتقاد رکھتی ہے اس کے نزدیک اضداد کی کشمکش یعنی مزدوروں اور سرمایہ داروں کی طبقاتی کشمکش ہی وہ پراسرار وموثر عامل ہے جو انسان کی تمام اقتصادی اور مادی ترقی کا اصل باعث ہے، یہ ایک خالص مادہ پرستانہ نظریہ ہے، Engeles کہتا ہے ”مادہ ہی زندگی کی واحد حقیقت ہے“ کارل مارکس لکھتا ہے۔ انسان کی ساجی، سیاسی اور ذہنی زندگی ایسی ہی بنتی ہے جیسی کہ مادی حالات و واقعات اس کو بناتے ہیں، انسانی شعور اپنے معاشرتی حالات و

Marfat.com

واقعات کو پیدا نہیں کرتا بلکہ معاشرتی حالات و واقعات انسانی شعور کو وجود میں لاتے ہیں۔

اسلام کا نکتہ نظر: اسلام کا نظریہ اس باب میں یہ کہ انسان ایک آزاد ارادے اور اختیار کا مالک ہے اور سوائے خدائے بزرگ و برتر کی مشیت کے اور کسی کا تابع فرمان نہیں ہے۔ کائنات کی سب چیزیں تو انسان کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ (الجاثیہ: 13)

ترجمہ: اور جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ان سب کو اس (خدا) نے تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ اس بات کو علامہ اقبال نے کس حسین پیرائے میں بیان کیا ہے۔

تقدیر کی پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

یوں اسلام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اختیار اور قوت کے لحاظ سے دنیا میں انسان کا مقام بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور یہاں کی باقی ساری چیزیں اس کی خادم ہیں۔ اس کی ترقی جدلی مادیت کے کسی قانون اور اصول کی کبھی پابند نہیں رہی ہے باوجود یہ کہ اس کا جسم مادی ہے اور وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، اس کی روح اور فکر کی پرواز لامحدود ہے چنانچہ اس کی بنیادی انسانی ضروریات بھی بقول کارل مارکس صرف خوراک، مکان اور جنسی آسودگی ہی تک محدود نہیں ہیں یہ انسانیت کا پست ترین تصور ہے۔

(قائدین نا معلومات کے ایک مقالہ نگار (E.W.F Towrlim) نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Erolution Theory) کی تردید میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ معالج دماغی کے ماہر کارل اسٹیرن کے بیان کے مطابق نوع انسانی کو جن تین سب سے بڑی دھمکیوں یا تہدیدات کا سامنا ہے ان میں سے ایک نظریہ ارتقاء ہے اور بقیہ دو ہیں۔ مارکسزم اور فرائیڈ ازم")

Marfat.com

(Encyclopecdia of Ignorance P-228-Oxford-1978)

معاشی نظاموں کے اساسی اصول

کسی معاشی نظام کو ان سماجی نظریات سے الگ نہیں کیا جاسکتا جن پر اس کی عمارت اٹھتی ہے، موجودہ دور میں رائج تین اہم معاشی نظاموں میں سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ ان تینوں میں معاشی نظام اور ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے نظریئے کا ان کے مخصوص سماجی پس منظر سے گہرا تعلق ہے۔

سرمایہ داری: سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک فرد کی ذات مقدس ہے اور اس کا تقدس کسی صورت میں بھی پامال نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس پر کسی قسم کی سماجی پابندیاں ہونی چاہئیں یعنی وہ بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے جس پر وہ کوئی قدغن برداشت نہیں کرتا۔

اشتراکیت: اس کے برعکس اشتراکیت کسی قسم کی ذاتی اور نجی ملکیت کے حق کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ تمام ذرائع پیداوار کا مالک حکومت کو قرار دے کر ہر قسم کا مالک واملاک بحق سرکار ضبط کر لیتی ہے۔ اس کے نزدیک ''اجتماع'' سے الگ آزاد فرد کا کوئی وجود نہیں اس لئے افراد کو ذاتی ملکیت کا کوئی حق نہیں۔

اشتراکی تجربے کی ناکامی: اشتراکیت کا دعوی ہے کہ لوگوں میں مساوات قائم کرنے کے لئے ذاتی ملکیت کا خاتمہ ناگزیر ہے کیونکہ صرف اسی طرح انسان کو اپنے جیسے انسانوں کی محکومیت اور غلامی سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ روس میں پہلے تو ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں کمی ہوئی تو روسی حکومت کو محدود ملکیت کی اجازت دینا پڑی۔ اسٹائن کے عہد میں حکومت کو زائد کام کرانے کے لئے مزدوروں کو زائد اجرتوں کا لالچ دینا پڑا تھا اور اس طرح اس نے

Marfat.com

مزدوروں کی اجرتوں میں یکسانیت اور ذاتی ملکیت کے جذبے کے غیر فطری ہونے کی عملا خود ہی نفی کردی۔

نیز اشتراکیت کے سراسر غیر فطری نظریئے کو لوگوں پر جبراً ٹھونسنے کا روسی تجربہ بھی عملا ناکام ہو چکا ہے۔ افغانستان سے اسے اپنی فوجیں واپس بلانا پڑی ہیں اور ہنگری سے بھی روسی فوجوں کی واپسی شروع ہوگئی ہے۔ یہ پسپائی اس نظریئے کی ناکامی کی بین دلیل ہے اور ایک دن آئے گا' انشاء اللہ کہ یہ نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا اور صفحہ ہستی سے بالکل معدوم ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

اھم لیقسمون رحمت ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔

ترجمہ: کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔
(تفہیم القرآن جلد، ص 360 سے لیا)

معاشی درجہ بندی اللہ جل شانہ نے اس لئے مخلوق میں رکھی کہ انسان ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جائیں بلکہ ایک دوسرے کے کام آئیں مگر سب مرد و عورتیں شہزادے اور شہزادیاں بن جائیں تو پھر پانی کون بھر کر لائے گا۔

اسلام: اسلام کا نظریہ اجتماع اس معاملے میں مختلف ہے جس کی وجہ سے اس کا معاشی نظام بھی ان دونوں نظاموں سے مختلف ہے۔ جہاں تک فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کا سوال ہے۔ اسلام کے نزدیک فرد کی بیک وقت دو حیثیتیں ہیں۔ انفرادی حیثیت اور

Marfat.com

معاشرتی حیثیت۔ فرد بیک وقت آزاد بھی ہے اور ایک معاشرے کا رکن بھی، اسلام ایک طرف تو فرد اور اجتماعی رجحانات اور دوسری طرف فرد اور دوسرے افراد معاشرہ کے مفادات کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے مگر اس ہم آہنگی کی خاطر وہ نہ فرد کے مفاد کو نظرانداز کرتا ہے اور نہ اجتماعی بہبود سے صرف نظر کرتا ہے۔

اسلام ایک خوشگوار نقطہ اعتدال: اسلام کا معاشی نظام توافق ہم آہنگی کے اس تصور پر قائم ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کی دو انتہاؤں کے درمیان ایک خوشگوار نقطہ اعتدال ہے، اس میں دونوں نظاموں کی خوبیاں تو موجود ہیں مگر ان کی خامیوں سے اس کا دامن پاک ہے۔ یہ اصولی طور پر ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے مگر اس کو ایسی پابندیوں یعنی انفاق کی ترغیب اور حقوق العباد کی ادائیگی سے محدود کر دیتا ہے جو اس کو بے ضرر بنا دیتی ہیں، دوسری طرف اسلام حکمران اور معاشرے کو اجتماع کا نمائندے ہونے کی حیثیت میں ذاتی ملکیت کی تنظیم کی خاطر ضروری قوانین بنانے اور معاشرتی بہبود کے لئے ان میں حسب ضرورت تغیر و تبدل کرنے کا بھی پورا اختیار دیتا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ اپنے مضمون سیرت نبوی ﷺ کا پیغام عصر حاضر کے نام میں رقمطراز ہیں۔ اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف فن پروری اور جو اس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں (Absolutes) کا انکار کر دیا گیا ہے لہذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ لہذا جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔ اس سے وہ معاشرتی اور انفرادی انارکی نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عریانی' جنس پرستی اور اینگری ینگ مین اور بار برک ڈرلا جیسی کج روی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زر اندازی (سرمایہ داری یا تکاثر) واحد مقصد حیات بن گیا ہے چنانچہ اس کے نتیجے میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے

Marfat.com

اور دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر اسراف اعتراف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہو گی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہو گا اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی قاعدہ بنانا پڑے گا۔

عالمگیر جنگ کا خوف: عصر حاضر کے امن کو چوتھا اور سب سے بڑا خطرہ جو درپیش ہے وہ تیسری خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف ہے۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں سے جو ہولناکیاں اور تباہی کرہ ارض پر پھیلی ہیں۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی ہیں جہاں اب بھی جو نسل انسانی پیدا ہو رہی ہے اس پر ایٹم بم کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

جنگ کا مقصد: جدید اصول قانون میں حکومت کے اعلیٰ ترین فرائض دو قرار دیئے گئے ہیں۔ جنگ اور عدل گستری، ماہرین عمرانیات قیام امن کے لئے جنگ کو ناگزیر قرار دیتے ہیں لیکن دنیا میں جنگ کا مقصد محض جوع الارض کی تسکین اور سپر پاور بننے کا جنون ہے۔ روس اور امریکہ کے اسی جنون نے دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور گاہے گاہے یہ کسی چھوٹے ملک پر اس ملک کی حفاظت کے بہانے لشکرکشی کر کے دنیا میں اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں لیکن امریکہ کو ویت نام میں اور روس کو افغانستان میں منہ کی کھانا پڑی ہے۔ ہمارا ہمسایہ بھارت بھی انہی کے نقش قدم پر گامزن ہے، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں بھارت کی فوجی مداخلت اس بات کی غماز ہے کہ وہ جنوبی ایشیاء میں بڑی طاقت بننے کا خواب دیکھ رہا ہے روس اور امریکہ دونوں اس سلسلے میں بھارت کو ہر قسم کے

Marfat.com

جدید ترین اسلحہ سے لیس کر کے جنوبی ایشیاء میں طاقت کے توازن کو بہتر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مزید برآں جنگ کے کوئی قواعد وضوابط اور کوئی قوانین نہیں حتیٰ کہ پروفیسر نیولڈ نے صاف اقرار کر لیا ہے کہ جنگ اور قانون باہم بعض متصادم ہیں اور میدان جنگ میں قانونی پابندیوں کی رعایت کی صورت میں ممکن نہیں۔

اسی لئے دور حاضر کی مہذب اقوام میں دو تین صدیوں سے قانون بین الممالک کی ترتیب کا کام ہو رہا ہے اور اس مقصد کے لئے پہلے لیگ آف نیشنز اور بعد ازاں اقوام متحدہ میں UNO کے تحت متعدد بین المملکتی کانفرنس منعقد ہوتی رہی ہیں تا کہ جنگ کی ہولناکیوں کو ممکن حد تک کم کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جنگ تیس سالہ کے بعد ہالینڈ کے قانون دان گردیٹوس کی ان اصلاحی سفارشات کو قبول کر لیا گیا کہ جنگ میں بچوں' عورتوں' بوڑھوں' مذہبی رہنماؤں' کاشتکاروں' تاجروں اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔

نظریہ جنگ و امن: اس کے برعکس دائی امن واخوت نبی رحمت ﷺ نے چودہ صدی پیشتر انسانیت کو امن و آشتی کا درس دیا، جنگ کے قوانین سکھائے اور جنگ کے مقاصد متعین کئے۔

پیغمبر امن، داعی الی اللہ کا مقصد اولین یہ ہے کہ پر امن طریقہ سے خدا کی زمین کو ظلم و مصیبت، جبر واستبداد اور استحصال سے پاک کر کے مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرے جہاں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا نظام قائم ہو یعنی ان الحکم الا اللہ پر عمل ہو اور امن وامان کا دور دورہ ہو اور اس وقت تک قوت کے استعمال سے گریز کیا جائے جب تک شرپسند اور مخالف قوتیں خود مقابلہ پر نہ اتر آئیں۔ کار جن گاہ بہ شمشیر دسنان نیز کنند

Marfat.com

فرمان الٰہی ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر

ترجمہ: ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے جن سے جنگ کی جاتی ہے یہ اجازت اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے لیکن یہ جنگ کس لئے ہو، تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے نیز

وقاتلو هم حتی لاتکون فتنة و یکون الدین کله لله

ترجمہ: اور (مسلمانو) ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ ظلم، فساد باقی نہ رہے اور یہ دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔

لیکن ان شرائط کے ساتھ کہ اس میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے، حکم ربی ہے۔ قاتلو فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لایحب المعتدین ۔

ترجمہ: تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اگر وہ جنگ سے دستبردار ہو کر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے، وان جنحوا للسلم فاجنح لها اگر اہل کفر صلح کے لئے جھکیں تو ان سے صلح کرلیں۔

اسلامی قوانین صلح و جنگ: سرور کائنات ﷺ نے بیشتر غزوات میں اسلامی افواج کی فرو بہ نفس نفیس قیادت فرمائی اور اسلامی قوانین صلح و جنگ کی تعلیم دی فتح مکہ کے موقع پر ہادی عالم ﷺ نے فرمایا۔

ترجمہ: زخمی پر حملہ نہ کیا جائے' بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے' قیدی کو قتل نہ کیا جائے

Marfat.com

اور جو دروازہ بند کرے اس کو امان دی جائے۔

اغزو باسم الله فی سبیل الله تقاتلون من کفر بالله لاتغلوا ولا تغدروا ولا تمثلو ولا تقتلوا ولیدا ولا امراۃ۔

ترجمہ: تم اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر جہاد کرو، اللہ کا انکار کرنے والوں سے لڑو مال غنیمت میں چوری نہ کرو، بدعہدی نہ کرو (معاہدہ کا پاس کرو) مثلہ نہ کرو اور بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے، کھڑی فصلوں کو نہ اجاڑا جائے اور بستیوں کو ویران نہ کیا جائے کیونکہ آپ کا مقصد جنگ وقتال تو نہیں آپ ﷺ تو امن آشتی کے پیامبر تھے اور صلح واخوت کے نقیب' علامہ طبری کی روایت ہے۔

قد کان رسول الله بعث نیما حوله مکة السرایاتدعوا الی الله عزوجل ولم یاسرهم بقتال۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہ دیا تھا، قرآن مجید میں اہل مکہ پر سب سے بڑا احسان وہی جتایا گیا ہے۔ ارشاد ربی ہے۔ فلیعبدوا رب هذا البیت الذی اطمعهم من جوع وامنهم من خوف۔

ترجمہ: ان کو چاہیے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوچھیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔ بقول اقبالؒ۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے برہم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

داعی امن واخوت: حضور ﷺ کے اس قول پر میں امن کا شہزادہ ہوں پر علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف سیرت النبی ﷺ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں لیکن شہزادہ

Marfat.com

امن کی اخلاقی حلوت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں ہے۔

جبکہ شہنشاہ امن و اخوت کی حکومت کے بے شمار کارناموں سے لاتعداد کتب و سیرت بھری پڑی ہیں۔ مشتے نمونے از خروارے چند مثالیں ملاحظہ ہوں، مولانا امن احسن صاحب اصلاحی لکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی سیاست اور تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپ نے عرب جیسے ملک کے گوشے گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کی۔ کفار و مشرکین کا زور آپ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپ ﷺ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کیلئے بھی آپ ﷺ نے انتظامات فرمائے۔ یہ سارے کام آپ نے کر ڈالے لیکن پھر بھی انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی ﷺ سے پہلے کی تاریخ شہادت دیتی ہے اور آج کے واقعات بھی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مال و اسباب کی بربادی کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں جو اس ساری جدوجہد میں حضور ﷺ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے یا مخالف گروہ میں مارے گئے۔

پھر یہ بات بھی نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں، لیکن محمد رسول ﷺ کی قیادت میں جو انقلاب رونما ہوا، اس کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا۔

Marfat.com

اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد

جدید اصول قانون نے حکومت کے اعلیٰ ترین فرائض دو قرار دیئے ہیں۔ اولاً معاشرہ کو دیگر آزاد معاشروں کے حملہ سے محفوظ رکھنا یعنی دفاع ثانیاً معاشرے کے ہر فرد کی اس کے دیگر ارکان کے ظلم وزیادتی سے تاحدامکان حفاظت کرنا یعنی عدل گستری تاکہ امن، انتظام، خوشحالی اور ترفہ کا دور دورہ ہو۔ جنگ اور عدل گستری دراصل حفاظت حقوق کے دو ذرائع ہیں۔ جنگ غیر عدالتی ذریعہ ہے اور عدل گستری عدالتی ذریعہ، عدل گستری کے معنی ہیں کہ جماعت، قوم اور اس کے افراد کے جائز حقوق کی نگہداشت، حضور ﷺ نے عدالت کا جو مستحکم اور ترقی یافتہ ادارہ قائم فرمایا، وہاں امیر وغریب قانون کی نظر میں برابر تھے، قاضی حاکم وقت کو بھی اپنی عدالت میں طلب کرسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں قاضی کی عدالت میں حاضر ہوکر جواب دہی کی اور یہ تو کوئی بڑی بات نہیں، تاریخ شاہد ہے کہ خود شارعؑ نے حجتہ الوداع کے مجمع میں عام اعلان فرمایا کہ جس کسی کا آپ ﷺ پر حق ہو وہ لے لے اور جس کسی کو آپ ﷺ سے تکلیف پہنچی ہو، وہ بدلہ لے لے۔ گذشتہ اور موجودہ تہذیب یافتہ قوموں کی تاریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان درخشاں مثالوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی عدلیہ عاملہ یا تنفیذیت سے اس حد تک آزاد ہے کہ بادشاہ وقت بھی قاضی کا فیصلہ نافذ ہونے سے نہیں روک سکتا'

Marfat.com

تاوقتیکہ قاضی کا فیصلہ شریعت اسلامی کے خلاف نہ ہو۔

قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے نامعقول کام سے اور سرکشی سے اور تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو''

شان نزول: امام احمدؒ نے اس آیت کریمہ کے شان نزول میں ایک حدیث روایت کی کہ عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ ایک روز اپنے مکان کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ ادھر سے عثمان بن مظعون گزرے اور یہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے عثمان! بیٹھتا نہیں ہے۔ عثمان نے کہا کیوں نہیں، پس آپ کے پاس بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ ناگاہ آپ ﷺ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور برابر نظر جمائے رہے اور پھر نظر جھکاتے گئے یہاں تک کہ اپنے دائیں جانب زمین پر ٹھہرائی اور آپ ﷺ پر ایسی حالت طاری ہوئی گویا آپ ﷺ کچھ سنتے ہیں پھر وہ حالت رفع ہوئی اور آپ ﷺ نے پھر نظر آسمان کی طرف اٹھانا شروع کی پھر اس کے بعد عثمان کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرنے لگے۔ عثمان نے کہا، آج میں نے آپ کی ایسی حالت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی مجھے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں میرے پاس رب عزوجل کا بھیجا ہوا پیغام آیا تھا۔ عثمان نے پوچھا، کیا پیغام لایا تھا۔ آپ نے آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآخر پڑھی۔ عثمان بن مظعون کہتے ہیں کہ یہی وقت ہے کہ میرے دل میں ایمان کا نور داخل ہوا اور میری نظر میں محمد ﷺ محبوب ہو گئے (2)

ولید بن مغیرہ کی گواہی: جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے

Marfat.com

تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے ظاہر کیا یہ تھا۔

واللہ ان لہ حلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ و ان الصلہ لمورق واعلاہ لمشر وماھو بقول بشر۔

ترجمہ: خدا کی قسم اس کلام میں خاص حلاوت ہے اور اسکے اوپر خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے پتے اور شاخیں نکلنے والی ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

جامع ترین آیت: مفسرین نے اس آیت کریمہ کو قرآن کی جامع ترین آیت قرار دیا ہے معالم میں ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ سب سے بزرگ آیت قرآن میں اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ہے اور بھلائی و برائی کے بیان میں زیادہ جامع آیت سورہ النحل کی ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآخر ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں بھی اسی مضمون کا ذکر فرمایا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ بھلائی اور برائی کے بیان میں سب سے زیادہ جامع آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآخر ہے۔ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے سبب سے عثمانؓ بن مظعون ایمان لائے اور لکھتے ہیں کہ اگر قرآن میں کوئی اور آیت سوائے اس آیت کے نہ ہوتی تو بھی ثابت ہوتا کہ قرآن مجید تبیان لکل شی وھدی ورحمۃ (کھلا بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت) ہے۔

یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

Marfat.com

آیت کے اوامر ونواہی: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے۔ عدل، احسان اور اہل قرابت کو بخشش اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ فحش گوئی اور ہر برا کام اور ظلم وتعدی۔

عدل: لغت میں عدل کے معنی توسط کے ہیں یعنی دونوں جانب برابر رہے، نہ حد سے بڑھے اور نہ گھٹے، بات یہ ہے کہ عدل سے مراد اعتقاد وافعال اور اقوال سب میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ہے یعنی ہر ایک چیز کو اس کی حد پر رکھے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

ابن عربی نے عدل کے مختلف مفہوم بتائے ہیں، مثلاً ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے خط نفس پر اور اس کی امن جوئی کو اپنی خواہشات کی تکمیل پر مقدم سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کرنا، خلاف عدل ہے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر کلمہ توحید سے کی یعنی لا الہ الا اللہ (سے) کیونکہ الوہیت کے ساتھ شرک انصاف (عدل) کے خلاف ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت مضمر ہو۔ اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جن کا انجام اچھا نہ ہو۔ قناعت وصبر اختیار کرے اور نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ بمصداق قول ربانی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (سورۃ بقرہ آیت 286)

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے یعنی تمام مخلوق خدا کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کرے، کسی ادنی واعلی معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہر یا باطن کوئی ایذا یا تکلیف نہ پہنچے۔

Marfat.com

ایک عدل یہ ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے۔ ابوعبداللہ رازی نے بحر محیط میں فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

امام قرطبی نے عدل کے ان تمام مفہوم کی تفصیل کے بعد فرمایا کہ اس آیت کا صرف لفظ عدل تمام اعمال و اخلاق حسنہ کی پابندی اور برے اعمال و اخلاق سے احتراز کو حاوی اور جامع ہے۔

ایک عدل یہ بھی ہے کہ جب دو فریق اپنا کوئی معاملہ اسکے پاس لائیں تو کسی سے رو رعایت اور لحاظ کئے بغیر حق کے مطابق ان میں فیصلہ کرے۔

اسی لحاظ سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں ان تحکموا بالعدل کے یہی معنی ہیں جب تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلو اھوا قرب للتقوی ٭

(سورہ المائدہ، آیت-8)

اس کے علاوہ بے شمار احادیث میں بھی عدل وانصاف کی تاکید کی گئی ہے اور ظلم وستم پر وعید وارد ہے جو حکومت لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کے کلیات خمس یعنی (دین، عقل، نسب، نفس، مال) کی غیر جانبدارانہ اور مکمل حفاظت کرے تو ان کی وفاداری میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا ہے، عدلیہ کے لازمی جزو دو ہیں، شرع یعنی قانون اور تشریح یعنی قانون سازی، اسلامی قانون شخصی قانون ہے یعنی مسلمان جہاں بھی ہو، اس قانون کے تحت زندگی بسر کرنے کا پابند ہے۔

Marfat.com

قانون کے استحکام اور تغیر پر بھی بڑی گرما گرم بحث ہوئی ہے۔ سائمنڈ کی رائے ہے کہ قانون کا کچھ اصولی حصہ غیر تبدل پذیر ہونا چاہیے۔ جس سے ذیلی قواعد حسب ضرورت بنائے اور بدلے جاسکیں تا کہ قانون زمانے کے بدلتے ہوئے حالات ومقتضیات کا ساتھ دے کر تمدن کی ترقی میں مدد ومعاون ہو نہ کہ حارج ومانع۔ اسلامی قانون قرآن مجید کے غیر متبدل اصولی احکام اور سنت کے اجتہادی احکام پر مشتمل ہے۔

اسلامی قانون کی ترقی پذیری: اجتہاد کے اصول نے اسلامی قانون کو ایک حرکی اور ترقی پذیر ضابطہ حیات بنا دیا ہے۔ ابن قیم اعلام الموقعین میں رقمطراز ہیں کہ احکام کی تبدیلی اور اختلاف زمان ومکان، احوال، نیت اور عادات انسانی کے اختلاف سے وابستہ ہیں۔

اسلامی ضابطہ قانون وتشریح یعنی اجتہاد کی ابتداء میں معاذ بن جبلؓ کی مشہور حدیث سے ہوتی ہے جسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو دریافت فرمایا کہ وہ بطور قاضی کس طرح فیصلے کریں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ قرآن کے مطابق اور اگر اس میں رہنمائی نہ ملے تو سنت کے مطابق اور اس میں بھی کوئی ہدایت نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ''اجتہد برائی'' رسول اللہ ﷺ نے اس پر صادر کیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ امت میں ایسے صائب الرائے پیدا ہوئے ہیں۔

الغرض اسلامی قانون میں ہر ملک اور ہر زمانے میں کارآمد ہونے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اور اس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ کی اس خوشخبری سے ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہے کہ ہر سو (100) برس کے بعد ایک مجدد پیدا ہوگا۔ جو اس امت کے دین کی تجدید کرے گا۔

Marfat.com

حدیث:ان اللہ عزوجل یبعث لھذا الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجد ولھا دینھا

زمانہ قدیم میں ملزم کے اہل خاندان بلکہ اہل قوم بھی جواب دہ ہوتے تھے سب سے پہلے توریت میں حضرت موسیٰ پر یہ حکم نازل ہوا کہ جواب دہ صرف خاطی اور مجرم ہو اور قران میں یہ اصول بیان ہوا کہ

ولا تزروازرۃ و زر اُخری

اسلام نے نیت کا زبردست نظریہ پیدا کر کے لاکھوں بے گناہوں کو تحفظ عطا فرمایا حدیث کی کتابوں میں سب سے متواتر یہی حدیث آتی ہے۔

انما الاعمال بالنیات ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''

لیکن جہاں نیت کا حال نہ معلوم ہو سکے تو ظاہر واقعات اور قرائن پر انحصار کا اصول وضع فرمایا۔ حدیث میں ہے، ہم ظاہر پر فیصلہ کرتے ہیں اور پوشیدہ باتوں کا حال اللہ کو معلوم ہے۔'' جدید اصول قانون کے مطابق قبضہ قانون کا 9/10 حصہ ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بار ایک جانور لایا گیا جس کی ملکیت کے دعویدار دو اشخاص تھے۔ آپ نے اسی شخص کے حق میں فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں جانور تھا۔

مخاصمات کی تین بنیادیں: ہر دور اور ہر معاشرے میں تین چیزیں باہمی نزاع کا باعث رہی ہیں۔ زر، زمین اور زن اور ان تینوں کے متعلق کتاب وسنت میں ایسے تفصیلی احکام ملتے ہیں کہ کسی الٰہی شریعت اور انسانی قانون میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آج کل زر کا حصول اور اس کی مساویانہ یا منصفانہ تقسیم مسئلہ بنی ہوئی ہے بلکہ آج کا مسئلہ ہی یہی ہے اور اسی کی بنا پر معاشرے سرمایہ دار معاشروں اور سوشلسٹ معاشروں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور افراد دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں۔ سرمایہ دار Haves اور نادار

Marfat.com

Have Nots

زر سے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں۔

1- کسب زر کا طریقہ

2- صرف زر یا تقسیم دولت کا طریقہ

لوٹ مار، دھوکہ فریب کے ذریعے حصول زر کو تو ہر معاشرے میں مبغوض گردانا گیا ہے، لیکن پھر بھی دو طریقے حصول زر کے ایسے ہیں۔ جنہیں بہت سے معاشروں میں قانونی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ ایک سود اور دوسرے قمار' لیکن اسلام نے حصول زر کے اس طریقے کو حرام قرار دیا ہے۔ جو بغیر محنت کے ہاتھ آئے' قمار کو تو قرآن میں ''میسر'' یعنی آسانی سے ہاتھ آنے والی دولت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے رجس من عمل الشیطان کہا ہے۔

سود کی ممانعت: سود سے متعلق فرمایا۔ یایھا الذین آمنو لا تاکلوا الربوا اضعفاً مضعفة (سورہ آل عمران: آیت 130)

مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو جو (قرض کی اصل رقم میں مل کر) دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا!

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس (سورہ البقرۃ: آیت 275)

تراجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں (حشر میں) وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باولا کر دیا ہو۔

اس سے آگے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

یمحق اللہ الربوا ویربی الصداقت (سورہ البقرۃ: آیت 276)

Marfat.com

ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔

ایک جگہ سود خوری کو اللہ اور رسول کے ساتھ اعلانیہ جنگ کہا ہے۔ دھوکے، غلطی اور سود کے امکان سے بچنے کے لئے حدیث میں حضور ﷺ نے ایک ہی جنس کی کم وبیش مقدار کا تبادلہ منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے صرف دست بدست اور برابر مقدار کی جنس کے تبادلے کو جائز قرار دیا۔

تقسیم دولت کا اصل الاصول یہ قرار دیا۔

کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم (سورہ الحشر: آیت 7)

ترجمہ: تا کہ دولت صرف مالداروں میں نہ گردش کرتی رہے۔

زکوۃ، مال گزاری، وراثت اور وصیت کے قوانین بنا کر تقسیم دولت کو متوازن بنانے کی کوشش کی گئی۔

رقم کا لین دین: زر کے لین دین سے متعلق احکام صادر کر کے بہت سے مخاصمات کو ہی ختم کر دیا۔ فرمایا:

ترجمہ: مسلمانو! جب کبھی تم مقررہ مدت کے لئے ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو چاہیے کہ لکھ لیا کرو۔

قرضے کی ادائیگی کی تاکید بہت سی احادیث میں وارد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن قرضے معاف نہیں کرتا۔ آپ ﷺ مقروض اشخاص کی نماز جنازہ پڑھانے سے بھی احتراز فرماتے۔

بیع وشری کے واضح قوانین وضع کئے۔ ملامست (کپڑے کو چھو لینا) اور منابذت (کپڑے پر اپنا کپڑا پھینک دینا) کی شکل میں بیع کو حرام قرار دیا۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے مزانبہ (باغ کے تازہ پھل کو خشک پھلوں کے بدلے

Marfat.com

اس طرح فروخت کرنا کہ خشک پھل کا پیمانہ مقرر کیا جائے اور تازہ پھلوں کا اندازہ کیا جائے) سے بھی منع فرمایا۔ محاقلہ یعنی کھڑی فصل کے بدلے غلہ کی مقرر مقدار کی فروخت سے بھی منع فرمایا۔

حدیث کے مطابق جو شخص کسی ایسی بنجر زمین کو جو کسی کی ملکیت نہ ہو، جو قابل کاشت بنائے، وہ اسی کی ہے اور ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرنے پر سخت وعید فرمائی۔ احادیث میں ہمسائے اور شریک ملکیت کو شفع کا حق دیا گیا ہے تا کہ ہمسایوں میں منافرت نہ پیدا ہو۔ زمین کی پیداوار پر عشر لگا کر غریبوں کا حق محفوظ کر دیا گیا۔

عورتوں کے حقوق: مقدمات کی تیسری بنیاد زن (عورت) کو اسلام نے جو حقوق دیئے ہیں کسی قانون اور کسی معاشرے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ منو کے قانون کے مطابق عورت مرد کے لئے پیدائش اولاد کا ذریعہ ہے اور اس کی نجات اس پر منحصر ہے کہ مرد کی خدمت میں اپنے آپ کو فنا کر دے اور اس کی موت کے ساتھ خود بھی ستی ہو جائے۔ یہودی قانون میں عورت کو مرد کی جائیداد قرار دیا گیا ہے۔ مسیحی کلیسا کے فیصلے کے مطابق عورت اور مرد یکساں نہیں ہیں۔ انسان صرف مرد ہے اور عورت میں انسانی روح کی بجائے کوئی دوسری روح ہے۔ رومی قانون نے بھی جو یورپ کے تمام متمدن قوانین کا سرچشمہ ہے، عورت کا مقام مرد سے بدرجہا فروتر مقرر کیا۔ خاندانی زندگی میں صرف باپ، بیٹے، بھائی اور شوہر کی حیثیتیں ہیں۔ ماں، بہن اور بیوی کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مسیحی اور یہودی عقیدہ (پیدائشی گناہ) کا بوجھ سراسر عورت پر ڈالتے ہیں کیونکہ حوا ہی آدم کی لغزش کی وجہ بنی لیکن اسلام میں عورتوں کے بھی مردوں پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ایک درجہ فضیلت ہے، کہہ کر انسان کی معاشرتی زندگی کے سب سے بڑے انقلاب کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

نکاح میں اس کی مرضی کو ضروری قرار دیا گیا۔ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی مرضی دریافت نہ کر لی جائے۔ ابوموسیٰ کی روایت (نسائی، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) کے مطابق اگر کنواری عورت انکار کرے تو اس پر جبر جائز نہیں اگر مرد کو طلاق کا حق ہے تو عورت کو بھی ناپسندیدگی اور جبر کی صورت میں خلع کا حق ہے۔ شعار (کسی شخص کا اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرنا کہ وہ بھی بدلے میں اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے اس سے کر دے) سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ ظاہر ہے اس میں لڑکیوں کی رضامندی شامل نہیں ہوگی اور لڑکیوں کی رضامندی کا حق متاثر ہوتا ہے۔

للرجال نصیب مما اکتسبو وللنساء نصیب مماا کتسبن

(سورۃ نساء، آیت 32)

"مردوں نے جو کچھ کمائی کی، اس میں ان کا حصہ ہے، عورتوں نے جو کچھ کمائی کی اس میں ان کا حصہ ہے" کے ذریعے عورتوں آزاد قرار پایا ورنہ اس سے قبل تو وہ خود ایک موروثی شے تھی (عربوں کے ہاں باپ کی وراثت میں اس کی بیویاں بھی بیٹوں کے حصے میں آتی تھیں)۔

یورپ میں آج تک عورت اپنے ذاتی نام سے نہیں پہچانی جاتی وہ بیٹی ہے تو مس جوزف ہے اگر بیوی ہے تو مسز جیک ہے لیکن مسلمان عورت خواہ وہ بیٹی ہو یا بیوی ہمیشہ فاطمہ اور خدیجہ کی حیثیت سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔

آج کل بیانات اور تقاریر میں مرد و زن کو یکساں خطاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً خواتین و حضرات! Ladies and gentlemen یا مرد و عورت لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو برس قبل یہ انداز بیان انسانیت کو سکھایا تھا۔

Marfat.com

ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمومنت
(سورہ الاحزاب: آیت 35)

نیز، والمومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض یا مرون بالمعروف و ینهون عن المنکر (سورہ التوبہ: آیت 71)

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"

مرافعہ: قاضیوں کے فیصلے کے خلاف رسول اکرم ﷺ کی عدالت عظمی میں مرافعہ بھی ہوتا تھا۔ مسند احمد بن حنبل میں آپ ﷺ کے پاس مرافعوں کی کئی نظریں ملتی ہیں۔ کتانی نے بھی اپنی کتاب التراتیب الاداریہ میں ابن الجوزی اور موطا کے حوالے سے اس تنظیم کا ذکر کیا ہے۔ عہد نبوی میں مرافعہ کے علاوہ "استصواب" اور "تصحیح" کی مثالیں بھی ملتی ہیں، جب کسی افسر کے غلط فیصلے یا طرز عمل کی اطلاع آپ ﷺ کو دی جاتی تو آپ ﷺ بصیغہ "تصحیح" دخل فرما کر اس کی تلافی اور تدارک فرماتے۔

آپ ﷺ نے بعض مقدمات میں موقتی قاضی بھی مقرر فرمائے۔ مبسوط میں امام سرخسی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ سے فرمایا کہ ان دو آدمیوں کا فیصلہ کراؤ۔ عمرو بن العاص نے کہا کیا آپ ﷺ کی موجودگی میں "میں فیصلہ کروں" فرمایا ہاں، پوچھا کس صورت میں؟ فرمایا اس طرح کہ اگر اجتہاد کرو اور صحیح فیصلے پر پہنچو تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر خطا کرو تو ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔

عدل گستری کے باب میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ قاضی کو صرف روئیداد پر فیصلہ کرنا چاہیے اور اپنی ذاتی معلومات پر فیصلہ نہ کرے۔ نیز غیظ و غضب کی حالت میں آپ ﷺ نے مقدمات فیصلہ کرنے سے منع فرمایا۔

Marfat.com

کتمان شہادت: اسلام نے بار ثبوت مدعی کے سر ڈالا ہے اور مقدمے میں گواہ ثبوت کا ایک اہم عنصر ہوتے ہیں۔ کتمان شہادت (گواہی کو چھپانا) اور جھوٹی گواہی کے خلاف بہت سی احادیث میں سخت تنبیہ آئی ہے۔ حریم بن فاتک راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر تین مرتبہ یہ فرمایا!

''جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ہے''

قتل کے مقدمات میں عدم شہادت کی صورت میں آپ ﷺ نے قسامت یعنی جماعتی قسم کا قاعدہ اختیار کیا۔

احسان: لغت میں اس کے معنی اچھا کام کرنے ہیں' اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی فعل یا خلق وعادت کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے' دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے۔

آیت مندرجہ بالا میں اول عدل کا حکم دیا گیا ہے، پھر احسان کا۔ آئمہ کے نزدیک عدل یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دے دے اور اپنا وصول کرے۔ نہ کم نہ زیادہ اور کوئی تمہیں تکلیف پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اسے دو نہ کم نہ زیادہ۔ جبکہ احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور اپنے حق میں کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کرلو۔ اسی طرح دوسرا کوئی تم پر دست ظلم دراز کرے یا تمہارے ساتھ زبان دراز کرے تو تم برابر کا بدلہ لینے کی بجائے معاف کردو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين

Marfat.com

(سورہ النحل: آیت 126)

یا فرمان الٰہی ہے۔

جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله

(سورۃ الشوری آیت:40)

ترجمہ: برائی کا بدلہ اس کے مثل برائی ہے۔ پس جس شخص نے معاف کیا اور نیک کام کیے پس اسکا اجر اللہ پر ہے۔

ان آیات میں عدل کا جواز اور احسان کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مشہور حدیث جبرائیل میں عبادت کا مرتبہ احسان اس طرح مذکور ہے۔

ان تعبدالله کانك تراه فان لم تكن تراه فانه یراك

یعنی اللہ کی بندگی اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تو نہیں، تو وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے۔

یعنی بالجملہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت مقرر فرمائی ایک عدل ہے دوم احسان اور سوم ایثار ذی القربی یعنی رشتے داروں کے ساتھ نیکی وصلہ رحمی، ایک اور جگہ فرمایا وآت ذالقربی حقہ یعنی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ اس حق میں رشتہ دار کو مال دینا، جسمانی مذمت کرنا، بیمار پرسی، خبر گیری، زبانی تسلی اور ہمدردی کا اظہار سب شامل ہیں۔

یہاں تک تین حکم ایجابی تھے۔ آگے تین ممانعت وحرمت کے احکام ہیں۔

فحشا: ہر ایسے قول یا فعل کو کہتے ہیں جس کی برائی ظاہر اور واضح ہو۔ ہر شخص اس کو برا سمجھے۔

منکر: وہ قول وفعل ہے جس کے حرام وناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، جیسے

Marfat.com

ارشاد ربانی ہے۔

قل انما حرم ربی الفواحش ماظھر منھا ومابطن

ترجمہ: اے نبی کہہ دے کہ میرے رب نے تو فواحش سے قطعی منع کر دیا ہے جو ان میں ظاہر ہوں اور باطن ہوں۔

منکر میں تمام گناہ، ظاہری، باطنی، عملی، اخلاقی سب شامل ہیں۔

بغی: بغی کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔اس سے ظلم وعدوان مراد ہیں۔ یہاں اگرچہ منکر میں فحشاء اور بغی دونوں داخل ہیں لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناعت کی وجہ سے الگ اور پہلے بیان فرمایا۔بغی کو اس لئے علیحدہ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ وجدل تک یا اس سے بھی بڑھ کر عالمی فساد (عالمی جنگ) تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ بغی، ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب اللہ اس دنیا میں بھی دیتے ہوں، مع آخرت کے عذاب کے اس سے ظاہر ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب تو ہوتا ہی ہے۔اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیتا ہے اگرچہ وہ یہ نہ سمجھے یہ کسی ظلم کی سزا ہے۔

آیت مذکورہ بالا میں اسلام کا جو نظام عدل واحسان بیان ہوا ہے وہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کے انسداد اور انسانیت کی فلاح کے لئے نسخہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

Marfat.com

سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ اور اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں، ازواج مطہرات کے اسوۂ مبارکہ کی روشنی میں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآنی احکامات اور اسلامی تعلیمات کے مطالعے سے جہاں ایمان اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ دنیا و آخرت میں کسی ایک معاملہ کا دارومدار محض عقیدہ اور محض ایمان پر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ آمنو کے حکم کے ساتھ وعملوا الصالحات کا ذکر بھی ہے۔ بے شک عقیدہ و ایمان خشت اول ہے مگر عمل صالح کے بغیر تر میر ناممکن ہے۔ قرآن و سنت میں نتائج وثمرات اور جزا و سزا کا سارا انحصار عمل اور کسب پر ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی حکمت سے انسان کو وہ تمام قوتیں ودیعت فرمائیں جن کی مدد سے وہ اپنی جسمانی نشوونما کا انتظام کر سکے' اس لئے انسان کو کسب معاش کا متعدد پیرایوں میں حکم فرمایا: یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوٰت الشیطن انہ لکم عدو مبین (البقرہ :168)

لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور پاک اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقنکم واشکروا للہ ان

Marfat.com

کنتم ایاہ تعبدون (البقرہ:172)

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

اس معاملے کی اہمیت اور عظمت کو مزید اُجاگر کرتے ہوئے انبیاء ورُسل کو بھی حکم فرمایا۔

یایھاالرسل کلوا من الطیبت و اعملوا صالحاً (المومنون:51)

اے رسولو کھاؤ ستھری (پاکیزہ) اور حلال چیزیں اور کام کرو بھلا۔

ان تینوں آیات سے یہ نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

1-رزق حلال کھانے والا شیطان کی پیروی سے محفوظ رہتا ہے۔

2-رزق حلال وطیب کھانا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

3-طیبات سے اعمال صالحہ کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔

انبیاء کے پیشے: حضرت نوح نے دنیا میں سب سے پہلی کشتی بنائی تھی اور جس کے بنانے میں سالہا سال صرف ہوئے تھے۔ یہ کشتی آپ نے اللہ کے حکم سے بنائی تھی تا کہ مومنو کو طوفان نوح سے بچایا جاسکے۔ لہذا حضرت نوح کو فرمایا۔

واضح الفلك باعيننا ووحينا (سورۃ ہود، آیت :37)

اور کشتی بنایئے ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے۔

یہ کشتی ایک بڑا جہاز تھا جس میں الگ الگ درجے اور مختلف احاطے تھے۔ حیوانات کے نر اور مادہ کیلئے الگ احاطہ تھا اور اسی (80) مسلمانوں کے لئے الگ احاطہ تھا یعنی بڑھئی (نجاری) کا کام آپ کو بذریعہ وحی سکھایا گیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کان ذکریا بخاراً حضرت ذکریا بڑھئی کا کام کرتے تھے۔

Marfat.com

حضرت داؤدؑ کو زرہ سازی سکھائی گئی:

علمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكم فهل انتم شاكرون (الانبیاء:80)

یعنی ہم نے داؤدؑ کو زرہیں بنانے کی صفت سکھائی تھی تا کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں۔سو کیا تم شکر کرتے ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت داؤدؑ کو لوہاروں کا کام سکھایا۔ پھر اس صفت کو داؤدؑ کے ذریعے مسلمانوں میں رائج کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں لوہا نرم کر دیا تھا۔آپ وحی کی تعلیم کے مطابق اسی موڑ پر نہایت ہلکی مضبوط و مربوط اور زمانے کے اعتبار سے جدید قسم کی عمدہ زرہیں تیار کر لیتے تھے جو جنگ میں دفاع اور دشمن سے حفاظت کا خوب کام دیتی تھیں۔

اسی طرح حضرت ادریس خیاطی (درزی) حضرت ابراہیم (بزازی) کا کام کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ سُوت کاتا کرتی تھیں۔ حضرت الیاس کو (نجاری) کا پیشہ سکھایا گیا۔

امام الانبیاء کا اسوۂ مبارکہ: امام الانبیا ﷺ کا اسوۂ حسنہ اکل حلال کے سلسلے میں یہ ہے کہ آپ نے اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں اور آپ کا فرمان ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے گلہ بانی فرمائی ہے۔شادی سے ذرا پہلے اور شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بعثت کے بعد آپ کا رزق بقول آپ کے (میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے ہے) جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی۔

واعلموا انما غنتم من شی فان لله خمسه و للرسول ولذی القربی

Marfat.com

والیتمیٰ والمساکین و ابن السبیل (الانفال:41)

تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ بھی غنیمت تم حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتامی اور مساکین اور مسافر کیلئے ہے۔

امام الانبیاء کے اقوال: کسب الحلال فریضة بعد الفریضة۔

رزق حلال حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ مطلب یہ ہے ایمان اور نماز روزہ اور بنیادی فرائض کی ادائیگی کے بعد رزق حلال کے حصول کی فکر اور کسب معاش کی کوشش بھی اک اسلامی فریضہ ہے۔

ما اکل اخذقسط خیرا من ان یاکل من عمل یدیه وان نبی الله دائودؑ یاکل من عمل یدیه۔

جو کھانا انسان اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کمائے اور کھائے اس سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔

کسب مال کے حرام ذرائع: ویسے تو کسب مال کے حرام طریقوں کی تفصیل قرآن و سنت میں موجود ہے اور مسلمانوں کو بھی بخوبی معلوم ہے لیکن میں یہاں ان ذرائع کا اجمالاً ذکر کرتا ہوں۔ جو لوگوں میں آج کل بڑے فضول ہیں۔ مثلاً خیانت، رشوت، غضب، بیت المال یعنی پبلک کے مال میں غبن، سرقہ، ناپ تول میں کمی، قحبہ گری، شراب اور دیگر مسکرات یعنی افیم، ہیروئن وغیرہ کی صنعت و تجارت، سودخوری، جوا، سٹہ اور تجارت کے وہ تمام طریقے جو دھوکے یا دباؤ پر مبنی ہوں یا جن سے جھگڑے یا فساد کو راہ ملتی ہو، ان میں سے ان ذرائع کا خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آج کل مسلمانوں میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔

1-ڈاکہ اور رہزنی: انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی

Marfat.com

الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا۔

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں ہی فساد برپا کرتے ہیں ان کی جزا تو یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا صلیب دیئے جائیں۔'' احکام القرآن میں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ڈاکے اور راہزنی کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی سود کی طرح ڈاکہ اور رہزنی بھی اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے مترادف ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور اس قبیح فعل نے واقعی لوگوں کا سکھ چین سکون چھین لیا ہے اور زمین میں فساد کی سی کیفیت ہے۔

2- گانے بجانے اور وڈیو فلم کا کاروبار فلمی صنعت، اداکاری، گلوکاری وغیرہ۔ اللہ کا فرمان ہے۔ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولیک لھم عذاب مھین (لقمان:6)

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے کلام دلفریب تا کہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دے، ایسے لوگوں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت میں کلام دلفریب سے مراد گانا بجانا اور ہر وہ لعو ولعب ہے جو راہ خدا سے بھٹکانے والا ہو یعنی یہ گلی گلی اور ہر محلے میں وڈیو فلمیں گانوں کی لوں کا کاروبار بھی اس میں شامل ہے، ثقافت اور کلچر کے نام پر فلمیں وڈیو ٹی وی پر شریف گھرانوں کی باعصمت لڑکیوں اور خواتین کی غیر محرم لڑکوں اور مردوں کے ساتھ اداکاری (کسی کی بیوی اور معشوقہ بننا) اور گلوکاری وغیرہ میرے نزدیک سب اسی ذیل میں آتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ کھیلوں کے مقابلے مثلاً کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال اور دیگر ان ڈور اور آؤٹ ڈور کھیلوں کے کئی کئی دن کے مقابلے اور اسٹیڈیم میں تماشائیوں کا ہجوم بھی لہولعب ہے جو خدا اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے کھیلوں کے مقابلے تو بالکل

Marfat.com

ہی ناجائز ہیں صرف سکول و کالج کی چار دیواری کے اندر خواتین ایمپائروں کی موجودگی میں اجازت دی جاسکتی ہے۔اسی طرح نوجوانوں میں صحت مند مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے اور ان کی توجہ دیگر صحت مند یعنی اخلاق افعال سے ہٹانے کے لئے مقابلے ہوں تو بہتر ہے۔ لیکن اسے پیشہ بنالیا جائے اور لوگوں کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس کے ذریعے تماشائیوں سے پیسے بٹورنا (ٹکٹ لگا کر) میں سمجھتا ہوں یہ بھی کسب حال کا حرام طریقہ ہے۔ ٹکٹ کے ذریعے موسیقی کی محفلیں (Musical Consert) سجانا بھی حرام ہے اور اس کی کمائی بھی حرام ہے۔ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنو لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ (النور:19)

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

مال کی حرص اور زر پرستی: قرآن مجید نے زر پرستی' دولت کی حرص و ہوس اور خوشحالی پر فخر و غرور کی مذمت کی ہے اور اسے انسان کی گمراہی اور تباہی کا ایک بڑا سبب بتایا ہے۔

الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر کلا سوف تعلمون (التکاثر 1 تا 3)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر رکھا ہے۔قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو جلد ہی تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی اشاعت کے نام پر اور فنانس کارپوریشن کی صورت میں یتیموں' بیواؤں اور پنشروں کی عمر بھر کی کمائی ہضم کرنا' مال کی حرص اور ڈاکے کی بدترین صورت ہے اور اس میں شہر کا حاکم بھی ملوث نظر آتا ہے

بقول شاعر

Marfat.com

جس دور میں لُٹ جائے فقیروں کی کمائی

اُس دور کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے

فضول خرچی کی ممانعت: قرآن مجید میں اس بات سے بار بار منع کیا گیا ہے کہ انسان جائز طریقوں سے حاصل شدہ تمام مال و دولت کو ناجائز کاموں یا اپنی عیش و عشرت اور لطف و لذت پر خرچ کر ڈالے اور اپنا معیار زندگی زیادہ سے زیادہ بلند کرنا ہی اس کا مطمع نظر رہ جائے۔ اللہ کا فرمان ہے۔

ولا تبذو تبذیرا ان المنذرین کانوا اخوان الشیطن
(بنی اسرائیل،27:26)

فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔

ولا تسرفوا اله لا یحب المسرفین (الانعام:141)

خرچ میں حد سے نہ گزرو۔ اللہ تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

و کلوا و اشربوا ولا تسرفوا نه لایحب المسرفین (الاعراف:31)

اور کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مال دولت صرف کرنے کا صحیح طریقہ: قرآن مجید کی نظر میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے میں اعتدال کی روش اپنائے نہ بخل سے کام لے اور نہ اسراف کرے۔

والذین اذ انفقوالم یسرفوا ولم یقتدراذ کان بین ذلك قوابا۔

اور اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

Marfat.com

ولا تجعل يدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوداً (بنی اسرائیل:29)

اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حریت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔

بلکہ بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے سے آخرت کے گھر کی بہتری کیلئے کوشش کر اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر اور (خلق خدا کے ساتھ) احسان کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور اپنی دولت کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر"

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

ماعال من اقتصر

وہ محتاج نہیں ہوا جس نے خرچ میں اعتدال کی راہ برتی۔ اس حدیث شریف کی تشریح میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی مرحوم اپنی کتاب اسوۂ رسول اکرم ﷺ میں لکھتے ہیں کہ جو شخص سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیتا ہے اس کے پاس اتنا بچتا ہی نہیں کہ وہ فضول کاموں میں خرچ کرے۔

ازواج مطہرات کا مقام: سب سے پہلی بات جو قرآن مجید ازواج مطہرات کے بارے میں کہتا ہے وہ ان کا مسلم معاشرے میں مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ینساء النبی لستن كاحد من النساء (الاحزاب۔32)

نبی ﷺ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ تو عام عورتوں کے لئے نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان کے شوہر نامدار امام الانبیاء بھی تو مردوں

Marfat.com

اورعورتوں کے لئے نمونہ ہیں۔لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنۃ (الاحزاب:21)

ازواج مطہرات کا اسوۂ مبارکہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یایھاالنبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھافتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلاo وان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیما (الاحزاب28-29)

اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ آپ کی ازواج آپ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپ ﷺ خاموش ہیں آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا۔ھن کماتری یساء لننی النفقۃ "یہ میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ یہ مجھ سے خرچ کیلئے رقم مانگ رہی ہیں"۔اس پر دونوں صاحبوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ کے نکاح میں چار بیویاں تھیں، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور ام سلمہؓ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی اور فرمایا:

Marfat.com

''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا' اپنے والدین کی رائے لے لو پھر فیصلہ کرو۔'' پھر آپ نے ان کو بتایا کہ اللہ کی طرف سے یہ حکم آیا ہے اور یہ آیت ان کو سنا دی۔ انہوں نے عرض کیا'' کیا اس معاملہ کو میں اپنے والدین سے پوچھوں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہوں''۔اس کے بعد حضور ﷺ باقی ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے ہاں گئے اور ہر ایک سے یہی بات فرمائی اور ہر ایک نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ نے دیا تھا۔

سادگی اور کفایت شعاری: حضور ﷺ اگر زیادہ نان نفقہ کے مطالبات مان لیتے تو پھر ایک تو ان مطالبات کو پورا کرنے کے لئے آپ کو زیادہ وقت کسب معاش کو دینا پڑتا اور اس طرح آپ کو فرائض نبوت کی ادائیگی کیلئے کم وقت ملتا آپ کی بعثت کا مقصد تو یہی تھا۔

یھاالرسول بلغ ماأنزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته (المائدہ 67:)

کسب معاش آپ کا منصب نہیں تھا دوسرے آپ کا گھرانہ بھی عام گھرانوں کی طرح ہو جاتا۔ان کے اور اس میں کیا فرق باقی رہ جاتا۔روایت ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے یمن سے آیا ہوا ایک منقش کپڑا دروازے پر بطور پردہ لٹکا دیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور دروازے پر منقش پردہ دیکھ کر فرمایا کہ کپڑا در و دیوار کو پہنانے کے لئے نہیں ہوتا جس پر حضرت عائشہؓ نے وہ پردہ اتار دیا۔(صحیح مسلم کتاب القیاس)

آج کے دور کا المیہ یہی ہے کہ مرد حضرات اپنی بیویوں کے مطالبات زر کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں جب وہ کہتی ہیں کہ فلاں صاحب کی بیگم کا بازو سونے کی چوڑیوں سے بھرا ہوا تھا اس نے ہر انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔اس کے پاس بریزے کے کئی سوٹ ہیں۔ ایک سوٹ سات سو روپے میں آتا ہے جب بھی اس کے گھر جاؤ وہ ہر وقت پہنے

Marfat.com

اوڑھے ایک میک اپ کیے رہتی ہے‘ اس کے خاوند کے پاس نئی پجارو (کار) ہے۔ (آج پجارو اوپر کے طبقے میں Status Symbal ہے) اس کی کوٹھی اتنی عالی شان ہے اور اندر سے اتنی Decorated ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی۔ جہاں چند پاکستانی خواتین ا (ہوتی ہیں ان کا محبوب موضوع کپڑوں اور زیورات کے جدید ترین فیشن ہوتے ہیں اسی لئے حضور اکرم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے اور جنت میں انہیں عورتیں کم نظر آئیں تو داروغہ جنت کو اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا وہ اپنے قیمتی کپڑوں اور زیورات میں مقید ہیں۔ پاکستان میں جو فی کس آمدن ہے اور جو کمر توڑ مہنگائی ہے اس میں 17 گریڈ تو درکنار ایک 22 گریڈ کا افسر بھی اس ٹھاٹھ باٹھ سے نہیں رہ سکتا جو آج کے پاکستانی افسر اور ملازموں کا چلن ہے۔ پجارو کی قیمت اس کی ساری سروس کی تنخواہ کے برابر ہے۔ پھر وہ کھاتے کہاں سے ہیں اور بیوی بچوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہیں؟ ظاہر ہے رشوت سے یا اپنے اختیارات کے غلط اور ناجائز استعمال سے۔ کیونکہ تنخواہ میں تو اعلیٰ افسر بھی اپنے گھر کے جائز اخراجات کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ گذشتہ سال 18 گریڈ کے انتہائی ایماندار سیشن جج کا سچا واقعہ اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ اس کے دو جوان بیٹے ایک چارپائی پر سونے پر مجبور ہیں کیونکہ اس تنخواہ میں وہ ان کے لئے 200/250 روپے کی ایک چارپائی نہیں خرید سکتا۔ پھر ایک 17 گریڈ کا افسر ایس ڈی او اور مجسٹریٹ وغیرہ پچیس تیس ہزار روپے کے بیڈ کہاں سے خریدتا ہے، دیوار سے دیوار تک قالین Wall to Wall کہاں سے بچھاتا ہے، اے سی والی گاڑی کہاں سے رکھتا ہے، گھر میں اے سی اور ہر آسائش کیسے مہیا کرتا ہے، ظاہر ہے رشوت سے۔ اگر ایک 17 گریڈ کے افسر کی تنخواہ اور دیگر سہولتیں اتنی ہی زیادہ ہیں تو پھر اس کے مقابلے میں محکمہ تعلیم کے ایک 20 گریڈ کے پرنسپل یا سکولوں کا ڈائریکٹر وہ معیار کیوں نہیں رکھ سکتا؟ وہ کیوں ساری عمر

Marfat.com

کرائے کے مکانوں میں رہتے اور سائیکلوں پر پھرتے ہیں۔ (ڈاکٹر آفتاب ملک گورنمنٹ کالج لاہور اب یونیورسٹی کے پرنسپل سائیکل پر پھرتے ہیں)

پاکستان میں رشوت خوری اور کمیشن خوری کی وجوہات: رشوت' کمیشن اور پبلک کے خزانے میں غبن بلکہ عوام کے بینکوں (جہاں عوام کا پیسہ جمع ہوتا ہے) میں سے کروڑوں کے قرضے لے کر واپس نہ کرنے اور معاف کرانے کا رواج کیوں ہوا؟ اس کی وجہ معیار زندگی کو بلند کرنا' پچارو کلچر کے پیچھے بھاگنا' رزق کے حصول میں حرام حلال کی تمیز نہ کرنا' اسراف اور فضول خرچی میں کوئی قباحت محسوس نہ کرنا ہے اور اس میں خواتین کا بڑا کردار ہے خواتین اپنے شوہروں سے، مائیں اپنے بیٹیوں سے' بہنیں اپنے بھائیوں سے یہ نہیں پوچھتیں کہ یہ کمائی کہاں سے لائے' کہاں تو حسرت وتنگدستی کا یہ حال کہ نان جویں تک کو محتاج پھر یک دم دھن برسنے لگتا ہے آخر کیسے؟ حلال میں تو یہاں گھر کا خرچہ ہی چلا لینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ میں یہ اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں میں اور میری بیوی گزنٹڈ آفیسر ہیں لیکن ہم دونوں کی تنخواہیں مل کر بھی ہمارے جائز اخراجات کا ساتھ آدھے مہینے تک بھی نہیں دے سکتے، یہ ہمیں ہی معلوم ہے کہ ہم کیسے رو پیٹ کر مہینہ پورا کرتے ہیں۔

ہمارے سارے مسائل کا حل کل حلال کے حصول اور سادگی اور کفایت شعاری کو اپنانے میں مضمر ہے۔ رزق حلال اتنا میسر نہیں ہوتا کہ وہ فضول کاموں میں خرچ ہو، شادی بیاہ کی انتہائی بیہودہ اور موت فوت کی لغو رسموں میں کام آئے۔ فیشن پرستی ونمود ونمائش کی لت میں مبتلا ہوا انسان اگر یہ فضول خرچیاں چھوڑ دے تو وہ خود بخود اپنے اخراجات میں سادگی اور کفایت شعاری اپنانے پر مجبور ہوگا، اس میں خواتین ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔

Marfat.com

چند قابل عمل تجاویز: 1- خواتین اپنے رہن سہن اور ضروری فرائض کی ادائیگی مثلاً نکاح بیاہ اور موت فوت کے سلسلے میں حضورؐ و ازواج مطہرات کے اسوہ کو اپنائیں۔ جن کے گھروں میں مہینوں چولہا نہیں جلتا تھا ہم اگر اپنا موازنہ ان سے کریں تو ہمارے وہ اخراجات جنہیں ہم جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ فضول خرچی کے ذیل میں آئیں گے۔ خصوصاً لباس اور زیورات اور مکانات کی آرائش کے ضمن میں ہمیں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

2- ہم عہد کریں کہ ہم اپنے مردوں، خاوندوں، بیٹوں، بھائیوں سے پوچھیں کہ وہ کہاں سے کما کر لاتے ہیں؟ کیا وہ جائز ذرائع ہیں؟ ہم ان کو بجائے فضول خرچی پر مجبور کرنے کے ان کو بھی سادہ زندگی گزارنے پر مجبور کریں گی۔

3- ہم تمام کمائی اپنی ذات، اپنے گھر بار اور اپنی آسائشوں پر صرف کرنے کی بجائے ازواج مطہرات کی طرح دوسرے حقداروں اور ناداروں پر خرچ کرنے کا عہد کریں جیسے حضرت عائشہؓ نے حضرت امیر معاویہ کی بھیجی ہوئی درہموں کی پوری تھیلی فقرا میں بانٹ دی اور اپنے افطار کے لئے ایک درہم بھی نہ رکھا۔ لونڈی کے کہنے پر اتنا کہا تم اس وقت یاد دلا دیتی اب طعنہ دینے سے کیا فائدہ۔

4- سادگی اور کفایت شعاری کو اپنا کر پاکستانی خواتین ملک میں روز افزوں مہنگائی کے عفریت کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

5- پاکستانی خواتین نہ صرف اپنے مردوں کو مجبور کریں گی کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں انتہائی امانت اور دیانت کو اپنائیں بلکہ جو خواتین خواہ وہ ہماری قریبی عزیز و اقارب اور دوست احباب کی بیویاں بھی ہوں کو فضول خرچی سے منع کریں گی اور اگر وہ اور ان کے مرد حرام کمائی سے باز نہ آئیں گے اور کل حلال کے لئے کوشش نہ کریں تو ان کا مکمل معاشرتی قطع تعلق کریں گی اور ان سے رشتے ناطے بھی نہیں رکھیں گی۔

Marfat.com

نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

آج انسانیت کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے وہ خود اس کی بقاء اور سلامتی کا ہے اس وقت پورا عالم انسانی ایک ایسے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے جسے دہکانے میں ہماری اپنی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ ہلاکت اور تباہی کے مہیب اور تاریک سائے ہر سو بڑھتے اور پھیلتے ہی جا رہے ہیں۔ وسائل حیات کا بڑا حصہ جو انسان کی بہتری اور فلاح و بہبود پر صرف ہوتا ہے وہ آج دنیا کو جہنم میں تبدیل کرنے پر صرف ہو رہا ہے۔ دنیا کے دس ایٹمی ممالک مثلاً روس' امریکہ، فرانس، جرمنی، برطانیہ، اسرائیل' بھارت، پاکستان اور شمالی کوریا کے جوہری بم اگر خدانخواستہ اچھٹ پڑیں تو یہ تمام عالم کو جلا کر خاکستر کرنے کیلئے کافی ہیں۔ بظاہر امن و آشتی کی باتیں ہیں، باطن جنگ و جدل اور کشت و خوں کے نقیب ہیں۔ انسان انسان کا دشمن ہے، نفرت و عداوت، حقارت و تعصب اور مذہبی تنگ نظری نے انسانیت کی رداء کو تار تار کر دیا ہے۔ عالم انسانی جسے اخوت و محبت، بھائی چارے، باہمی ہمدردی و تعاون، ایثار قربانی کا چمن زار ہونا چاہیے تھا وہ آج بغض و عناد، ظلم و ناانصافی، بے رحمی، بے حسی، طمع و حرص، برادر کشی اور جارحیت کا گڑھ بن چکا ہے۔ بڑے ممالک اور بڑی طاقتوں روس اور امریکہ نے پہلے چھوٹے ممالک کو بورژوا اور کیمونسٹ بلاکوں میں تقسیم کیا، اب انہوں نے

Marfat.com

براہ راست جارحیت کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ افغانستان کو پہلے روس نے 1979ء سے 1989ء تک انہیں کامل دس سال تک اپنی تگ وتاز کا نشانہ بنائے رکھا 2002ء میں امریکہ نے اس کا تورا بورا بنا دیا۔ ڈیزی کٹر بموں سے نہ مساجد بچ سکیں نہ بچوں کے سکول، اور نہ مریضوں کی پناہ گاہیں ہسپتال محفوظ رہے۔ یہ کیسی تہذیب ہے؟

ابھی تک آدمی صید زبوں شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکاری ہے

آج دنیا ایک عجیب وغریب قسم کے فکری انتشار اور ذہنی پراگندی کا شکار ہے۔ صدیوں تک انسانیت ملوکیت اور شہنشاہیت کے استبداد اور مطلق العنانی کی چکی میں پسی رہی پھر جمہوریت کا سورج طلوع ہوا۔ لیکن یہ بھی انسانیت کے دگرگوں حالات میں کوئی تبدیلی نہ لا سکی کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے اسے آزادی کی ہے نیلم پری

سرمایہ داری نظام: 1789ء میں انقلاب فرانس کے نتیجے میں صنعتی انقلاب نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جو سرمایہ داروں کی ہی جنگ زرگری ہے۔ سید قطب شہید اپنی کتاب ''شبہات حول الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

''سرمایہ داری نظام یورپ کی پیداوار ہے' یہ مشین کی ایجاد کا نتیجہ تھا جو اتفاق سے یورپ میں ایجاد ہوئی اور وہیں سے دنیا کے باقی حصوں میں پھیلی..... اس کے فطری ارتقاء کے نتیجے میں دولت بتدریج سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آگئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت غرض سب کچھ سے محروم ہو گئے۔ اس سے سرمایہ داروں کو سستے مزدور حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی جن کی محنت ومشقت کے طفیل ان کی دولت وتجارت

Marfat.com

میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ اس کے باوجود انہوں نے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ نہ کیا۔ مزدوروں کے ان قلیل معاوضوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار ممالک کے باشندوں کی قوت خرید گھٹ گئی اور ان کا تیار کردہ سامان یونہی پڑا رہنے لگا چنانچہ سرمایہ داروں کو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی جس نے نوآبادیاتی نظام کو منڈیوں اور خام مال کے بارے میں بین الاقوامی رقابتوں کو جنم دیا اور بالآخر معاملہ ناگزیر منطقی نتیجے میں تباہ کن جنگوں تک جا پہنچا۔"

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

کمیونزم: آجر و مزدور اور سرمایہ و محنت کی آویزش کو ختم کرنے کے مدعی کمیونزم نے دو وقت کی روٹی کے لئے بھی مزدور کو قطار میں کھڑا کر دیا۔ بقول اقبال:

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کمیونزم نے تو روٹی کپڑے کے سوا مزدور کے سارے حقوق پر ہی ڈاکہ ڈال دیا۔ اسے ہر قسم کے حقوق سے محروم کر دیا۔ حق ملکیت جو ایک جذبہ محرکہ ہے کسی کام کے لئے اس سے بھی محروم کر دیا۔ کیپٹل ازم نے جس طرح اسلام کے شورائی نظام کو جمہوریت کی صورت میں اور فلاحی ریاست کا تصور مستعار لیا لیکن سودی معیشت کے نظام میں اس طرح انسانیت کو جکڑا کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو گیا۔ اسی طرح کمیونزم اور سوشلزم نے اسلام سے غیر سودی معیشت تو مستعار لی لیکن باقی نظام تمام تر انسانی ذہن کی اختراع۔ لہذا کمیونزم بھی مقہور و مظلوم انسانیت کا مقدر نہ بدل سکا حتی کہ انسانیت ان سب نظاموں اور نظریوں کو آزمانے کے بعد ایک نئے عالمی نظام کی طرف دیکھنے پر مجبور ہے۔ یہ نیا عالمی نظام

Marfat.com

جو اس کے دگر گوں معاشی حالات کو سنوار دے اسے غربت و افلاس کے عمیق اور تاریک گڑھے میں گرنے سے بچالے اور معاشی عروج و ترقی سے ہمکنار کرے۔ روز روز جوہری جنگ بلکہ تیسری عالمگیر جنگ کی طرف بڑھتے ہوئے اور عالمی دہشت گردی کا شکار عالم انسانی کو امن و عافیت اور صلح و آشتی کی نوید دے۔

اسلام کا اصول: سرمایہ دار میں جہاں سو ایک کا لاکھوں کیلئے مرگ مفاجات اور اشتراکیت کی بنیاد جدلی مادیت (Dialectial Materialism) یعنی افراد کی کشمکش (سرمایہ و محنت کی کشمکش) ہی وہ پراسرار اور موثر عوامل ہے جو انسان کی تمام تر اقتصادی اور مادی ترقی کا اصل باعث ہے وہاں اسلام نے سرمایہ دار کے منافع میں مزدور کی حصہ داری کا اصول (جس کے متعلق اشتراکیت کا دعوی ہے کہ وہ اس کا وضع کردہ ہے) وضع کیا۔ امام مالک تو مزدور کو سرمایہ دار مالک کے ساتھ منافع میں برابر کے حصہ کا حقدار سمجھتے ہیں کیونکہ منافع کمانے میں جتنا حصہ سرمایہ دار کا ہے اتنا ہی مزدور کی محنت شاقہ کو بھی دخل ہے۔ لہذا ان کے خیال میں دونوں کا منافع میں مساوی حصہ ہے۔

اسلام کے اسی اصول سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے معاشرتی انصاف (بالفاظ دیگر معاشرتی امن) کے قیام کی ضرورت پر کس قدر زور دیا ہے لیکن اسلام میں معاشرتی انصاف کے قیام کا یہ داعیہ کسی مادی ضرورت، مجبوری یا طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتا جس کے بغیر بعض لوگوں کے نزدیک بہتر معاشی روابط و تعلقات ممکن ہی نہیں بلکہ اسلام نے تو پرامن بقائے باہمی کی دعوت دی ہے وہ طبقاتی کشمکش کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔ مزدور کی محنت شاقہ کو چونکہ سرمایہ دار کے منافع میں نمایاں دخل ہوتا ہے اس کے لئے منافع میں حصہ تو فطری بات ہے۔ اسلام نے تو ان لوگوں کو بھی اس کی کمائی میں حصہ دار ٹھہرایا ہے جو کسی وجہ سے کسب معاش کی بے رحم دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم(البقرة :361)

''اوران کے سرمایہ میں مانگنے والے اور محروم طبقہ کے لوگوں کے لئے حق معلوم ہے۔''

اسلام ایک خوشگوار نقطہ اعتدال: ان متضاد دو متباین اور ہردم باہم برسرپیکار ازموں، نظاموں اور نظریوں کی ستائی ہوئی انسانیت جس نئے عالی نظام کی متلاشی ہے وہ اسلام آج سے چودہ سو سال قبل لے کر آیا۔ اسلام کا نظریہ اجتماع اس معاملے میں مختلف ہے جس کی وجہ سے اس کا معاشی نظام بھی ان دونوں سے مختلف ہے۔ اسلام فرد کی انفرادی حیثیت اور معاشرتی حیثیت دونوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اسلام ایک طرف تو فرد اور اجتماعی رجحانات اور دوسری طرف فرد اور دوسرے افراد معاشرہ کے مفادات کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس ہم آہنگی کی خاطر وہ نہ فرد کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اجتماعی بہبود سے صرف نظر کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا معاشی نظام توافق و ہم آہنگی کے اس تصور پر قائم ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے دو انتہاؤں کے درمیان ایک خوشگوار نقطہ اعتدال ہے۔ اسی میں دونوں نظاموں کی خوبیاں تو موجود ہیں مگر ان کی خامیوں سے اس کا دامن پاک ہے۔ یہ اصولی طور پر ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے مگر اسے ایسی پابندیوں نے انفاق کی ترغیب اور بخل سے ترہیب نیز حقوق العباد کی ادائیگی سے محدود کر دیتا ہے جو اسے بے ضرر بنا دیتی ہیں۔ دوسری طرف اسلام حکمران اور معاشرے کو اجتماع کے نمائندے ہونے کی حیثیت میں ذاتی ملکیت کی تنظیم کی خاطر ضروری قوانین بنانے اور معاشرتی بہبود کے لئے ان میں حسب ضرورت تغیر و تبدل کرنے کا بھی پورا اختیار دیتا ہے۔ جیسے ان فی المال حقا سوی الزکوة ''مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔(ترمذی)

دوسری طرف قرآن مجید نے تکاثر اسراف واتراف اور دولت وثروت کو گن گن کر جمع کرنے کی سخت مذمت کی ہے اور جو وہ سخاوت، فیاضی، صدقہ وخیرات کی تلقین کی ہے اور

Marfat.com

اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہوگی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہے اقوام عالم کا ضروری معاشرتی قاعدہ یعنی بین الاقوامی ضابطہ بنانا ہوگا۔ یعنی ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کا استحصال کرنے کی بجائے انہیں بھی اپنی ترقی میں شریک کریں، ان کی امداد کریں، انہیں اپنے علوم اور ٹیکنالوجی اور مہارتیں منتقل کریں تاکہ وہ بھی ترقی کریں۔

بقول اقبالؒ:

تا نہ باشد در جہاں محتاج کس

نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

شعر کا تعلق گو مسلمانوں سے ہے۔ لیکن چونکہ:

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله

''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور مخلوق میں وہی اللہ کو محبوب ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔'' (شیخین)

وحدت نسل انسانی:

فرمان الٰہی ہے:

كان الناس امته واحدة فبعث الله النبين مبشرين و منذرين و انزل معهم الكتاب باالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه .

(سورۃ البقرہ:213)

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو کے ث کیا۔ وہ (نیک عملی کے نتائج کی) بشارت دیتے اور

Marfat.com

(بدملی کے نتائج سے) متنبہ کرتے نیز ان کے ساتھ ''الکتاب'' (یعنی وحی الٰہی سے لکھی جانے والی تعلیم) نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کردینے والی ہو۔

قرآن کریم نے کئی آیات میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے ان میں سے سورۃ نساء کے آغاز میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: ''اے لوگو اپنے رب کا تقوی اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سی سردار عورتیں پھیلائیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس اللہ کے ذریعے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں (رشتوں) کی نگہداشت کرو اور اللہ تم پر نگہبان ہے۔(النساء :1)

اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے اور تفریق بین الناس کا شدید مخالف ہے۔قوم و نسل، رنگ وزبان کے امتیازات کا استیصال کرتا ہے۔نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری تہذیب اور مذہب میں نظر نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کا یہ نظریہ امن کی بنیان مرصوص پر دائمی اخوت و مساوات کی مستحکم تعمیر کرتا ہے۔یہی وحدت دین اور وحدت معبود کا مظہر ہے۔

وحدت دین: مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں رقمطراز ہیں:

قرآن کہتا ہے خدا کے جتنے پیغمبر پیدا ہوئے، خواہ وہ کسی زمانے اور کسی گوشے میں ہوئے ہوں سب کی راہ ایک ہی تھی اور سب خدا کے ایک ہی عالمگیر قانون سعادت کی تعلیم دینے والے تھے۔یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے۔یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرنی اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنی۔

ولقد بعثنا کل أمة رسولا ان اعبدوالله و اجتنبو الطاغوت

Marfat.com

''اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر معیاث کیا (جس کی تعلیم یہ تھی) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے (یعنی سرکش اور شریر قوتوں کے اغوا سے) اجتناب کرو۔''

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لااله الا انا فاعبدون (سورۃ الانبیاء:25)۔

''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔''

وان هذا امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون (سورۃ المومنون:52)

''اور (دیکھو) یہ تمہاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس میری عبودیت و نیاز کی راہ میں تم ایک ہو جاؤ (اور) نافرمانی سے بچو۔''

قرآن کا فرمان ہے خدا نے تمہیں ایک ہی جامہ انسانیت دیا تھا تم نے انسانیت کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تمہاری نسلیں بہت سی ہیں، تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں، تمہاری قومیں بے شمار ہیں، تمہارے رنگ بھی یکساں نہیں ہیں، یہ بھی باہمی نفرت و عداوت کا بڑا ذریعہ بن گیا ہے (یورپ اور امریکہ میں کالوں کی بستیاں، ریسٹورنٹ اور سکول تک الگ ہیں۔ خ۔م) تمہاری بولیاں مختلف ہیں پھر ان کے علاوہ امیر و فقیر، سرمایہ دار و نادار، آقا و نوکر، ضعیف و قوی، ادنیٰ و اعلیٰ بے شمار اختلاف پیدا کر لئے ہیں اور سب کا منشاء یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو۔ ایسی صورت میں بتاؤ وہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے، تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، تم

Marfat.com

سب کی بندگی و نیاز کیلئے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے تم بے شمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتہ عبودیت میں جکڑے ہوئے ہو، تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو، تم کس درجے میں اور کسی حلقے کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا۔ تمہارے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے تم محسوس کرو گے تمام دنیا تمہارا وطن ہے۔ تمام نسل انسانی تمہارا گھرانا ہے اور تم سب ایک ہی رب العالمین کی عیال ہو۔ چنانچہ اس کی ہدایت ہے کہ خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے یا بھیجے گئے جن کے بارے میں ارشاد ہے:

منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك

(سورۃ المومن :78)

سب کی تعلیم یہی تھی کہ ''الدین'' پر مبنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ- ارشاد ربانی ہے :

شرع لكم من الدين ماوصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم و موسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه (سورة الشوریٰ:13)

اور (دیکھو!) اس نے تمہارے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ ''الدین'' (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو اور اسی راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ۔

دین کے اعتقاد و عمل کی اصل: پھر ایک مقام پر صاف صاف الفاظ میں واضح کر دیا

Marfat.com

کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت وفلاح حاصل کرسکتا ہے۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الآخر والملیکۃ والکتاب و النبین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمسکین و ابن السبیل والسائلین و فی الرقاب واقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ والموفون بعھدھم اذا عھدوا والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون

(سورۃ البقرہ: 177)

''اور (دیکھو!) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف اور پچھّم کی طرف کرلیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظاہر رسم اور ڈھنگ کی کرلی) نیکی کی راہ تو اسکی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، تمام کتابوں پر، تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ اپنا مال خدا کی محبت کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوۃ ادا کرتا ہے۔ قول وقرار کا پکا ہوتا ہے۔ تنگی اور مصیبت کی گھڑی میں یا خوف وہراس کے وقت ہر حال میں ثابت قدم رہتا ہے۔ (یادرکھو) ایسے ہی لوگ ہیں (جو اپنی دین داری میں) سچے ہیں یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے ہیں۔

(ترجمان القرآن جلد اول ص 225-226)

اسلام، اللہ کا پسندیدہ دین:

فرمان الٰہی ہے :ان الذین عنداللہ الاسلام سورۃ آل عمران کی یہ آیت کریمہ

Marfat.com

بڑی مہتمم بالشان اور فیصلہ کن آیت ہے کہ اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین تو اسلام ہے۔ (19)

نیز صاف صاف الفاظ میں فرمادیا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھوفی الآخرۃ من الخاسرین (85:3)

''اور (دیکھو) جو کوئی اسلام کے سوا (جو تمام رہنمایان حق کی تصدیق پیروی کی راہ ہے) کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت کے دن وہ نامرادلوگوں میں ہوگا۔''

رسول انسانیت:

پھراس دین کامل اور اللہ کریم کے پسندیدہ اور چنیدہ دین

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (سورۃ المائدہ:3)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے پسند کرلیا کہ دین اسلام ہو۔''

مولا نے اپنے حبیب ﷺ کی عالمگیر کامل رسالت ونبوت کا اعلان فرمایا:

قل یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

''آپ فرمادیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

یعنی آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔آپ رسول عالم ﷺ ہیں لہذا ہر کس و ناکس کو طوعاً و کرھاً آپ ﷺ پر ایمان لانا لازم ہے اور آپ کی تعلیمات پر

Marfat.com

عمل کرنا لازم ہے۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموت والارض طوعا و کرھا والیہ یرجعون (آل عمران:83)

''پھر کیا یہ چاہتے ہیں اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی دوسری راہ ڈھونڈ نکالیں' حالانکہ زمین و آسمان میں جو کوئی بھی موجود ہے خوشی سے یا ناخوشی سے مگر سب اسی کے حکم کے فرمانبردار ہیں اور بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تعلیمات نبوی ﷺ: The Untold Story کے مصنف کرنل پی ایم کول لکھتے ہیں کہ حضرت انسان کی پانچ ہزار سالہ تحریری تاریخ میں پندرہ ہزار ے ہوئی ہیں۔گویا اوسطاً تین ثقافی سال ہوتی رہیں اندازہ لگایا گیا یہ کہ اس پانچ ہزار سالہ دور میں تین سو سال ایسے خوش قسمت تھے جب باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی گویا اس دور کا صرف چھ فیصد حصہ جنگ سے محفوظ رہا۔لیکن وہ بھی زیادہ تر اس لئے کہ یہ کسی جنگ کے بعد کا حصہ تھا یا پھر کسی جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا اور جنگ کا مطلب ہے انسانوں کی موت جو بے گناہ ہیں یعنی مرگ انسانیت پہلی عالمی جنگ میں 80 لاکھ انسان لقمہ اجل بن گئے اور دوسری عالمی جنگ میں 5 کروڑ انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔1945ء سے 1985ء تک کوئی بڑی اور عالمگیر جنگ تو نہیں ہوئی لیکن ڈیڑھ سو چھوٹی چھوٹی ے ہوئیں جن میں تین کروڑ انسان مارے گئے۔6 اگست 1945ء کو ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم نے جسے (Little Boy) یعنی چھوٹا لڑکا کا ظریفانہ نام دیا گیا تھا' ایک لاکھ اکتالیس ہزار انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا اور آج اندازاً پچاس سے ساٹھ ایٹم بم موجود ہیں اور ایٹمی آلات کا عالمی ذخیرہ دوسری عالمگیر جنگ کے مجموعی بارود سے تقریباً تین ہزار گنا بارودی طاقت رکھتا ہے۔زیادہ سے زیادہ تباہ کاری آلات ایٹم بم سے بھی آگے بڑھ کر

Marfat.com

ہائیڈروجن بم' نیوٹرون بم' کروز میزائل اور سٹار وار تک جا پہنچے ہیں۔ کیا یہ آلات بقاء انسانی کے پچھن ہیں؟ یا عالمی امن کے قیام کیلئے ممد و معاون ہیں؟

جیافری بے نی اپنی کتاب The Causes of War میں لکھتا ہے:

''901ء سے لے کر اب تک روس نے اوسطاً ہر صدی کے چھیالیس سال جنگ کرنے میں گذارے ہیں''۔

اس کے نتیجے میں لاتعداد معصوم جانیں ضائع ہوئیں اور متعدد مسلمان ریاستوں کے اندر اللہ کا نام لینا ممنوع تھا۔ 1979ء سے 1989ء تک افغانستان پر حملے کے نتیجے میں جب روس کا شیرازہ بکھرا تو یہ مسلمان ریاستیں آزاد ہوئیں لیکن چیچنیا اور بوسنیا ابھی تک اپنی آزادی کی جنگ تنہا لڑ رہے ہیں جسے روس اور امریکہ دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔ (خ۔م)

بریگیڈیئر گلزار احمد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''آج کی جنگوں سے غیر تسلی بخش نتائج برآمد ہوتے ہیں اور جس طرح ایک جنگ کا خاتمہ دوسری جنگ کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اگر ان کا موازنہ نبی اکرم ﷺ کی غزوات کے ساتھ کیا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آج کی جنگ کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ ہوا کرتی ہے۔ قتال کے ختم ہو جانے پر سرد جنگ اور اقتصادی جنگ شروع ہو کر پوری نوع انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ دوسری طرف غزوات نبوی ﷺ کا ہر غزوہ اور ہر سریہ اس خطے کو امن وامان اور صلح واخوت کی گراں بہا دولت عطا کرتا ہے تو مغرب کے ایک مفکر نے جنگ کے بعد ایام صلح کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''اگر تم اپنی توجہ صرف فتح پر مرکوز کر دو گے اور جنگ کے بعد نتائج پر توجہ نہ دوں گے تو شاید تم جنگ جیتنے تک اس قدر کمزور ہو چکے ہو گے کہ اپنی فتح سے فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔ (جیا

Marfat.com

فری بلے نی۔ The Causes of War سبنیک ملن-لندن-1973ء۔
ص21)

یہ صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کو پیش آچکی تھی۔ صلح حدیبیہ اور پھر فتح خیبر کے بعد کی صلح کو دیکھا جائے تو کس قدر فرق معلوم ہوتا ہے یعنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہنے والوں نے کس طرح جزیرۃ العرب میں امن اور اخوت کے بیج بوئے تھے جو صدیوں تک اپنے پھل دیتے رہے۔

مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی جنگ کی ہولناکیوں پر ایک شاعر کا منظوم تبصرہ ملاحظہ ہو :

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہوتا ہے
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہوتا ہے
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
روح تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں یا غیروں کے
زیست فاقوں سے ماری جاتی ہے

اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں: آج کل جن نازک حالات اور بحران سے امت مسلمہ گذر رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی پیش گوئی فرما چکے ہیں۔

حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ (تمام) قومیں تم پر متحد طور پر ٹوٹ پڑیں جس طرح کہ کھانا کھانے والے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم

Marfat.com

بہت زیادہ تعداد میں ہو گے لیکن تم جھاگ کی طرح ہو گے جس طرح سیلاب کی وجہ سے (پانی کے اوپر جھاگ آ جاتا ہے) اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا خوف دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری (دھن) ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کمزوری (دھن) کیا ہے؟ فرمایا کہ دنیا سے محبت اور موت سے کراہت (ابوداؤد، کتاب الملاحم۔ د4 ص 483-484 دارالحدیث۔ حمص۔ شام 1973ء)

روزانہ روس، چیچنیا اور بوسنیا پر وحشیانہ بمباری کر رہا ہے، امریکہ تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر اسلامی ممالک کو برائی (Evil) کے مرکز اور دہشت گردوں کو پناہ دینے کا الزام دے رہا ہے وہ جنگ آزادی یعنی آزادی کے لئے جدوجہد مثلاً کشمیر کے مسلمانوں کا بھارت کے خلاف جہاد اور فلسطینی مسلمانوں کا اسرائیل کے خلاف جدوجہد اور دہشت گردی میں کوئی فرق کرنے کو تیار نہیں اس کے برعکس عراق پر کیمیائی اور مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے بے بنیاد الزام کے بہانے اس پر حملہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ برطانیہ اس کا حمایتی ہے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اس بحران سے عہدہ برآ ہونے کی صورت نکالے۔

1- مسلم نیشنز آرگنائزیشن M.N.O کا قیام:

اُمت مسلمہ عالمی سطح پر امن و آشتی اور اخوت و مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ بقول اقبالؒ:

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب خود امت مسلمہ کے اندر امن و اخوت اور اتحاد و اتفاق موجود ہو یعنی وہ میثاق مدینہ کی شق نمبر 19 کہ وان مسلم المومنین وحدة

Marfat.com

(مسلمانوں کا امن ایک ہے یعنی اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا) پر عمل کرتے رہنا چاہیے تھا کہ مسلمان اس کے باوجود امن بین المسلمین قائم نہیں رکھ سکے۔ اسی وجہ سے وہ کرۂ ارض پر حضور پر نور ﷺ کی تعلیمات کے مطابق امن و عافیت اور اخوت و مساوات کی فضا قائم کرنے میں ناکام رہے لیکن اب اگر امت مسلمہ کے قائدین و اکابرین بشمول تمام اسلامی ممالک کے حکمران اسمبلیوں کے ارکان سیاسی و مذہبی جماعتوں کے عہدیداران و ارکان اور علماء و مشائخ عظام اور دانشوران اپنی ذمہ داریاں پوری کریں کہ آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس O.I.C کو صحیح معنوں میں (U.N.O) اقوام متحدہ کے مقابلے اور پلے کی تنظیم بنانے میں ہر ممکن سعی و کاوش کریں اور اس کا نام مسلم نیشنز آرگنائزیشن M.N.O یا مسلم امہ آرگنائزیشن U.M.O رکھیں اور مسلم ممالک میں قوت و اتحاد پیدا کریں۔

بقول اقبالؒ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی ان کا نبی ﷺ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

نیز اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو ان مختلف گروہوں، قوموں، قبیلوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو ایک نقطے اور ایک محور و مرکز پر اکٹھا کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عدل اجتماعی Social Justice کے قیام کا ضامن دین ہے۔ یہ واحد دین ہے جو رنگ و نسل اور قومی عصبیت کے خلاف ہے۔ وہ تمام انسانوں کو ایک ہی نسل بلکہ بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔ اللھم اشھدان العباد کلھم اخوۃ۔ خدایا گواہ رہنا تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ (حصن حصین۔ ص:105)

Marfat.com

اسود و احمر کی تو نے ختم کر ڈالی تمیز
ایک ہی صف میں بٹھائے تو نے آقا و غلام

کیونکہ ان سب کا باوا آدم اور اماں حوا ایک ہے اور ان سب کا اللہ ایک ہے۔ جس کا پسندیدہ دین بھی ایک ہے' اسلام اور جو قوم خود ایک سے زیادہ خداؤں کی قائل ہو وہ نسل انسانی کی وحدت پر کیسے یقین رکھ سکتی ہے۔ لہذا وہ تو نسل انسانی کو طبقات میں تقسیم کر کے رکھ دے گی وہ تو انسانوں کو مالدار اور نادار میں بانٹ دے گی۔ وہ تو انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی اور انسانوں کو ایک نقطے' ایک محور و مرکز پر کیسے جمع کرے گی وہ تو خود منقسم ہے۔ لہذا مسلمانوں کو امت مسلمہ کو حضرت اکبر الہ آبادی کے اس مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

لہذا ملت اسلامیہ کے لئے جس کی ایک ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی منکرات کی روک تھام ہے۔ ضروری ہے کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے قوت و شوکت حاصل کرے۔ ادھر موجودہ دور کی سب سے بڑی نفسیاتی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی قومیں مادی علوم میں جس کو اپنا ''امام'' تسلیم کر لیتی ہیں وہ ذہنی و نفسیاتی اعتبار سے اپنے دیگر تمام تہذیب و تمدنی معاملات میں بھی اسی کو ''امامت'' یعنی قیادت کے منصب پر فائز سمجھنے لگ

Marfat.com

جاتی ہیں۔

جو حال موجودہ ترقی یافتہ قوموں کا آج ہے وہی حال قرون وسطی میں مسلمانوں کا یعنی مسلم امہ کا بھی رہ چکا ہے۔ جبکہ اہل اسلام اپنے باطن کے ساتھ ساتھ ظاہری حیثیت کے بھی ممتاز تھے تو اس وقت دوسری قومیں انکے اقوال کو سند کا درجہ دیتی تھیں بلکہ انہیں سے انہوں نے یہ علوم سیکھے ہیں اور ان میں سبقت لے گئی ہیں اور مسلمان علم کے میدان میں بچھڑ گئے بقول اقبالؒ:

قوت مغرب نواز جنگ و رباب
نے زرقص دختران بے حجاب
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

اور ان کے اقوال سے استدلال کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ یہ مقام جب تک پھر دوبارہ پیدا نہیں ہوتا تب تک امت مسلمہ صحیح معنوں میں کوئی معزز مقام حاصل نہیں کرسکتی۔ غرض جب تک موجودہ صورتحال معلوم نہیں ہوتی ہم اقوام عالم کو معروف اور منکر کے اسباق ٹھیک ٹھاک نہیں پڑھا سکتے اور معروف و منکر ہر دور اور ہر معاشرے میں مختلف نوعیت کے ہوسکتے ہیں۔ موجودہ دور کے منکرات میں جوا' لاٹری، سٹہ بازی، سودی کاروبار، فحش فلمیں، فحش لٹریچر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا غلط استعمال، ڈش، کیبلز، نیوڈ کلب اور مختلف قسم کے انسانیت سوز اور مخرب اخلاق رجحانات نمایاں ہیں۔

مگر دور جدید کا سب سے بڑا منکر اس کے مہلک اور تباہ کن سائنسی ایجادات اور خطرناک قسم کے تمدنی اور اجتماعی رجحانات خلائیات اور اجرام سماوی کی تسخیر بھی ہے۔ ب ایک طرف انسانیت کی ایک بہت بڑی اکثریت نان جویں کی محتاج ہے۔ خط غربت

Marfat.com

وافلاس سے بھی نیچے زندگی کرنے پر مجبور ہے۔ترقی یافتہ جنگی جنون میں مبتلا اقوام کی باہمی قومی ونسلی رقابت کش مکش اور معرکہ آرائیوں کے نتیجے میں خلافت اراض کے تقاضوں سے گریز وفرار کو ظاہر کررہا ہے۔ یہ بے جا اسراف وتبذیر ہے۔ یہ تمام خرابیاں موجودہ خودکشی کرتی ہوئی تہذیب کے تحفے اور مادیت ولادینیت اور خدافراموشی کے عالمگیر نتائج ہیں۔

ان ہلاکت خیزیوں سے عالم انسانی کو بچانا امت مسلمہ کی اولین ذمہ داری ہے اور یہ کارنامہ صرف عالم اسلام یعنی امت مسلمہ ہی انجام دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اتنی طاقتور ہو جائے کہ منشائے الہی کو بوقت ضرورت بزورقوت نافذ کرسکے۔

جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا
میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

3-جدید وقدیم علوم سے بہرور ''اولوالالباب کی جماعت یعنی Think Tanks کا قیام:

فرمان الہی ہے :

کنتم خیر أمة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر (آل عمران:110)

''تم بہترین امت ہو جو تمام لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے تم انہیں معروف کا حکم کرتے رہو اور منکر سے روکتے رہو۔''

نیز فرمایا :

ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینهون

Marfat.com

عن المنكر و اولئك هم المفلحون(آل عمران: 104)

''اور تم میں ایک ایسی جماعت (ضرور) ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں' ان دونوں آیتوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ پہلی آیت کا تعلق پوری نوع انسانی سے ہے جبکہ دوسری آیت ملت اسلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے اسی لحاظ سے دوسری آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو ہر قسم کے دینی و شرعی معاملات میں تمہاری رہنمائی کرے (علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ خیر سے مراد اتباع قرآن وسنت ہے۔ تفسیر ابن کثیر -390/1) اور مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں خیر کی اس سے جامع اور مانع تعریف نہیں ہوسکتی پورا دین شریعت اس میں آ گیا۔ (معارف القرآن-2-140) اور تمہارے ملی واجتماعی مسائل حل کرے اس مخصوص جماعت کی حیثیت پوری ملت اسلامیہ کے درمیان ایک نگران اعلی اور شاہد کی سی ہوگی جیسا کہ ''ولتکن منکم'' کے الفاظ تقاضا کررہے ہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ اسی کا منطقی وعقلی تقاضا ہے کہ ایسی جماعت کو دینی و دینوی تمام علوم و مسائل پر عبور ہونا چاہیے تاکہ وہ امت مسلمہ کی صحیح صحیح رہنمائی کرسکے۔ (اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں' مجلس نشریات اسلام آباد کراچی نمبر 18' ص495)

مولانا ندوی کا اشارہ جس جماعت کی طرف ہے انہیں آج کل کی اصطلاح میں Think Tanks تھنک ٹینک کا نام دیا گیا اور اسی قسم کی جماعتیں تھنک ٹینکس تمام ترقی یافتہ ممالک میں کام کررہی ہیں یہ سرکاری بھی ہوسکتے ہیں- جیسا کہ آیت کے الفاظ یـــــــا سرون بالمعروف معرف کا حکم کرے تقاضا کررہے ہیں۔ اصل میں مسلمان حکمرانوں کا اصل کام تو یہی ہے۔

Marfat.com

الـذيـن ان مـكـنهـم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوالزکوۃ و امروا بالمعروف و نهوعن المنکر (الحج :41)

لیکن انہوں نے اپنا اصل کام قیام صلوۃ اور زکوۃ کی ادائیگی کے نظام کا قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا اور یہ فریضہ یعنی ملی طور پر امت مسلمہ اپنے طور اور طریقے سے انجام دے رہی ہے' لیکن وہ دعوت کے ذیل میں آتا ہے وہ حکم تو نہیں کر سکتی کہ اس کے پاس قوت نافذہ Administration نہیں ہے لہذا یہ بھی امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اس قسم کی بااختیار جماعت Think Tanks قائم کرے جو ہمارے دینی وملی اور اجتماعی مسائل کا حل ڈھونڈے اور قوم کی رہنمائی کرے۔

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com

پاکستان کے لئے مثالی نظام کی تشکیل
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

کرۂ ارض پر پاکستان واحد ملک ہے جو ایک نظریئے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ دو قومی نظریہ جس کی بنیاد ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں جسے ہندو ابھی تک تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔ حالانکہ ہمارا مذہب، ہمارے عقائد و نظریات، ہمارا کلچر، ہماری تہذیب، ہمارے رسوم و رواج، یہاں تک کہ ہماری خوراک تک ان سے جدا ہے۔ ہمارا اپنا الگ تشخص ہے۔ ہمارا اپنا نظام معاشرت ہے۔ ہمارا اپنا نظام معیشت ہے۔ ہمارا اپنا نظام سیاست و حکومت ہے۔ جو خلافت کے نام سے چہار وانگ عالم میں مشہور ہے۔ جو گذشتہ صدی تک ترکی میں قائم رہا ہے۔ جس کا ماتم علامہ اقبالؒ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
اپنوں کی سادگی بھی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

ابھی حال ہی میں ایک اور خلافت کی قبا نام نہاد افغانیوں نے غیروں سے مل کر چاک کی ہے۔ جس خلافت کا تذکرہ اور ذکر تاریخ عالم میں مرقوم و محفوظ ہے یا یوں کہئے کہ یہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے، تاریخ اسلام۔ ہمارے اپنے مورخ ہیں۔ علامہ ابن جریر طبری علامہ ابن کثیر، ابن اثیر اور علامہ ابن خلدون جن کا مقدمہ تاریخ میں اپنی طرز

Marfat.com

کی ایک نئی چیز اور بے مثل اضافہ ہے۔ ہمارا اپنا نظام تعلیم ہے۔ جو صدیوں سے رائج چلا آ رہا ہے۔ اس کے موسس اول نبی آخرالزماں محمد ﷺ ہیں۔

عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم: سید المرسلین و خاتم النبین ﷺ جس طرح دور آخر کے لئے مثالی شخصیت بن کر آئے۔

لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة (الاحزاب:21)

اسی طرح وہ مثالی معلم بھی ہیں ان کا لایا ہوا نظام تعلیم بھی مثالی ہے۔ قرآن کریم میں آپ کا فرض منصبی یوں بیان ہوا ہے۔ يعلمهم الكتاب والحكمة و يزكهم (سورۃ البقرہ:15)

وہ (رسول) ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا اور پاک وصاف کر کے نکھارتا ہے اور آپ ﷺ کا اپنا قول ہے ولما بعثت معلما ''اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' (ابن ماجہ)

اوپر دی گئی آیت شریف سے نصاب تعلیم کا تعین بھی ہو گیا یعنی آپ ﷺ کتاب..... قرآن اور حکمت اس سے مراد علماء نے یہاں سنت یعنی حدیث مراد لی ہے۔

بہر حال ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف علوم ہیں۔ اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے۔ اس میں ان علوم کا بھی ذکر ملتا ہے، جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں مثلاً علم نباتات، علم ہیئت اور ٹیکنالوجی یہاں تک کہ علم جنین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ قرآن شریف میں علم جنین کی اتنی مفصل تشریحات آئی ہیں کہ ان کا جدید ترین دور تک بھی اثر ہو رہا ہے۔

دو سال قبل پیرس میں ایک کتاب Bible, Quran and Science آئی ہے۔ وہ ایک مشہور سرجن بکائی کی تصنیف ہے۔ اسے بچوں کی ولادت کے علم سے دلچسپی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ علم جنین کے متعلق جو تفصیلات قرآن مجید نے دی ہیں ان کا علم نہ

Marfat.com

یونان کے مشہور قدیم اطباء کو تھا اور نہ زمانہ حال کے یورپی لوگوں کو ہے، جنہوں نے سالہا سال تک اس موضوع پر تحقیق کی لیکن اب سے چودہ سو سال پہلے ایک امی اسکا ذکر کرتا ہے تو یقیناً یہ انسانی کلام نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن کی اسی بات سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کرلیا۔ عہد نبوی ﷺ میں قرآن ہی نصاب تعلیم تھا۔ اسی طرح قرآن مجید میں بیالوجی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حیوانات اور مویشیوں کا بھی تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

تعلیم کی تعریف: یوں تو دنیا میں جب سے وہ علم کی روشناسی ہوئی ہے۔ بہت سے نظام ہائے تعلیم رائج رہے ہیں اور بہت سے معلم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً ارسطو اور افلاطون سے لے کر جان ڈیوی John Devy اور رسکن سب نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے متعلق علم کی تعریف کی ہے۔ جو علم التعلیم کے موضوع پر کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کا ذکر طوالت کے خوف سے قلم زد کرتے ہیں اور چونکہ ہمارا مطمع نظر پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اور وہ یقیناً اسلامی نظام تعلیم ہے اور اسلامی تعلیم کی واحد درسی کتاب قرآن مجید فرقان حمید ہے۔ لہٰذا قرآن نے جو علم کی تعریف کی ہے وہی معتبر ہے علم کی تعریف یہ ہے کہ علم کسی شے کے ادراک کو کہتے ہیں۔ قرآن نے اسے سماء و تصورات کی خبر و آگہی قرار دیا ہے۔ و علم آدم الاسماء کلھا (سورۃ البقرہ: 31) قرآن نے علم کو یقینی، حق اور دلیل کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ قرآن پاک کی رو سے علم انسانی سے مراد محض تصور ہی نہیں بلکہ اس کی تصدیق بھی اس میں شامل ہے۔ حاصل شدہ علم کا تجزیہ کرنا اس کو پرکھنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب چیزیں علم میں شمار ہوتی ہیں (اردو و دائرہ معارف اسلامیہ 451:13) گویا علم حقیقت اور یقین کے احاطہ و ادراک کو کہتے ہیں علم کی تعریف میں بقول محمد قطب (1949ء ص252) ہر علم داخل ہے۔ سب دینی و دنیاوی علوم علمی اعتبار سے حق ہیں۔ البتہ ان میں فرق مراتب ضرور ہے اور

Marfat.com

اس کے نفع وضرر میں کلام ہوسکتا ہے۔

علم کی اہمیت:

قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

تہذیب وتمدن کے چراغ علم سے روشن ہوتے ہیں اور یہی ان کی قوت وشوکت کا راز ہے'یورپی تہذیب کا غلبہ واستیلا علم وفن کا مرہون منت ہے۔جیسے کبھی اسلامی تہذیب کا غلبہ و استیلاء بھی علم وفن کی بدولت تھا۔اسلام نے علم کو بہت اہمیت دی ہے۔ بقول سید محمد سلیم مغرب میں تحصیل علم لازمہ حیات اور اسلام میں اساس حیات ہے۔قرآن میں اس کی اہمیت اس امر سے ظاہر ہے کہ لفظ علم مختلف صورتوں میں 228 مرتبہ وارد ہوا ہے۔(دائرہ و معارف ج13 ص447)

آیۃ الکرسی کی تفسیر: حضور نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ان اعظم آیته فی القرآن آیته الکرسی قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت آیۃ الکرسی ہے۔جس میں اللہ کریم کی ایک صفت علم کا بیان یوں ہوا ہے۔

ولا یحیطون شی من علمه الا بماشاء وسیع کرسیه السموت والارض

''اور وہ نہیں گھیر سکتے اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اسی کرسی (علم) نے آسمانوں کو اور زمین کو''۔

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:''مفسرین کرام نے اسی لفظ (کرسی) کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں اور ان اقوال سے علامہ ابن جریر

Marfat.com

طبری نے حضرت ابن عباس کا یہ قول پسند کیا ہے۔قال ابن عباس کرسیه علمه و رجعه الطبری قال و منه الکرامة التی نصبح العلم و قیل للعلماء الکراسی قرطبی۔ ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کرسیہ سے مراد اس کا علم ہے، ابن جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی سے کراستہ ماخوذ ہے۔جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے اور عربی میں علماء کو کراسی بھی کہا جاتا ہے''۔ (ضیاء القرآن ج-1(2562) ص72)

چونکہ پہلے بھی صفت علم کا ذکر ہو رہا تھا تو اس کا علم جو حکومت کی علامت ہے۔تمام آسمانوں اور زمینوں پر چھایا ہوا ہے۔آیت الکرسی کی فضیلت رسول اللہ ﷺ کے اسی فرمان سے ظاہر ہے۔من قرآیته الکرسی فی دبر کل صلوة مکتوبة لم یمنعه من دخول الجنته بعد الموت'' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔اس سے قبل اسی سورۃ کی آیت نمبر 247 میں جب بنی اسرائیل کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو ان کا امیر مقرر کیا تو ان پر حسب عادت ان کے امیر و مالدار لوگوں نے یہ اعتراض کیا۔

''ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی فراخی اسے مال و دولت میں نبیؑ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلے میں اور زیادہ دی ہے، اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے۔

حضرت سموئیلؑ نے انہیں بتایا کہ حکومت کے لئے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں۔ بلکہ اس کا صحیح معیار ہو تو علم و شجاعت ہے اور ان دونوں ہاتھوں میں طالوت تم سب سے ممتاز ہے۔اسلام میں بھی خلیفہ کے انتخاب کے لئے یہ دونوں صفات علم اور شجاعت میں ممتاز ہونا

Marfat.com

ضروری ہیں۔

اسلامی تعلیم کی تعریف: امام غزالیؒ (1979ء ص60) نے اسلامی تعلیم کی تعریف یوں کی ہے۔

"نفس انسان کو بری عادات اور مہلک خصلتوں سے بچانا اور اسے عمدہ اخلاق سے مزین کر کے سعادت دارین کے حصول کوشش کا نام تعلیم دینا ہے۔"

دور جدید کے مفکر تعلیم پروفیسر سید محمد سلیم 1980ء ص30) اسلامی تعلیم کی تعریف فرماتے ہیں کہ "تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعہ معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے، اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے"

ذرائع علم: علم کے حصول کے مترادف ذرائع حواس، عقل، وجدان، وحی والہام اور تاریخی روایات ہیں اور ان سب کی حیثیت مسلم و معتبر ہے۔ اسلام مختلف علمی منابع کے مراتب و مدارج کا معترف ہے۔ جہاں حسی علم کا تعلق ہے' حواس کو اہمیت حاصل ہے۔ جہاں عقل و قیاس سے رابطہ ہے۔ دلائل اور براہین طلب کئے ہیں- جہاں تاریخ و روایت سے کام چل سکتا ہے نقلی' علم سے استشہاد پر ابھارا ہے یہی آخری علم ہر لحاظ سے برتر اکمل اور یقینی و محکم ذریعہ ہے۔ یعنی وحی والہام دیگر علمی ذرائع کے لئے معیار اور کسوٹی کا کام دیتے ہیں اور ان کی کج رویوں کو درست کرتے ہیں۔

1- حسی و تجربی علم وحواس خمسۃ کی پیداوار ہے۔ حواس عطیہ خداوندی ہیں ان کے صحیح یا غلط استعمال کے بارے میں اللہ کے ہاں بازپرس ہوگیا۔

ان السمع و البصر والفواد کل اولئک کان عنه مسولا

Marfat.com

(بنی اسرائیل: 36)

قرآن بار بار مشاہدۂ فطرت کی دعوت دیتا ہے۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت o و الی السماء کیف رفعت o والی الجبال کیف نصبت o و الی الارض کیف سطحت (الغاشیہ: 30)

قرآن کی 66666 آیات میں 756 آیات یعنی 1/9 حصہ مشاہدۂ فطرت اور اس پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ تسخیر کائنات کا دارومدار اسی حسی و تجربی علم پر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تجربی علم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جب مدینے کی کھجوروں کے پھل پھول بڑھانے والے تجربات (پیوند کاری) کی آپ نے توثیق فرمائی۔ ہم عصر بہتر جنگی تکنیک سیکھنے کے لئے آپ ﷺ نے صحابہ کی جماعت کو مقام جرش کی طرف بھیجا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی اجازت سے بحری بیڑا تیار کرایا۔

2- فکری، قیاسی یا برہانی علم کی بنیاد غور وفکر اور دلیل و برہان ہے۔ قرآن کریم عقل و شعور اور فکر و خیال کو ابھارتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ وہ تدبر، تعقل، تفکر اور فہم وشعور کی دعوت دیتا ہے۔ بعض مسائل کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ حسی علم کی بجائے صرف عقل وفکر کے ذریعے ہی انہیں حل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تعلیمی، اخلاقی، سیاسی اور فلسفیانہ مسائل فکری علم سے شروع ہوتا ہے اور ظن وتخمین اور شک پر ختم ہو جاتا ہے اور ظن حق وصداقت کا بدل نہیں بن سکتا۔ اسلام عقل کو مکمل خودمختاری نہیں دیتا بلکہ اسے وحی کے تابع رکھتا ہے۔

3- وحی والہام پر مبنی علم انسان کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا حسی اور فکری علم ہے۔ مسائل جن کے بارے میں عقل حیران و پریشان رہ جاتی ہے اور کوئی یقینی قطعی حل بتانے سے عاجز آجاتی ہے۔ مثلاً حیات وکائنات کی تخلیق، خالق کائنات کی ذات وصفات حیات

Marfat.com

بعد الممات، جزاوسزا، خیروشر و جبر واختیار، روح و بدن اور کتنے اقتصادی سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل ہیں جونبوی ﷺ علم کی راہنمائی کے بغیر حل ہی نہیں ہوسکتے۔

اسلام کے تعلیمی مقاصد: مسلمان ماہرین تعلیم مثل قاضی ابن جماعہ، امام غزالی، محمد قطب، سید قطب، ڈاکٹر محمد رفیق الدین اور علامہ ڈاکٹر اقبال نے اسلامی تعلیم کے عمومی مقاصد درج ذیل قرار دیئے ہیں۔

1- **حب الٰہی:** اسلامی نظام حیات کی طرح اسلامی تعلیمی نظام کا نصب العین بھی حب الٰہی اور اطاعت خداوندی ہے۔ خداہی انسانیت کی آخری منزل۔ وان الـــــی ربک المنتھی (النجم:42) سچے مومن خدا کے متوالے ہوتے ہیں۔ والـذین آمنو اشد حب الله (سورۃ البقرہ:165)

2- **سعادت دارین:** دوسرا نصب العین دنیا وآخرت میں سعادت و کامرانی ہے، مشہور علمی و روحانی تحریک سنوسی کے بانی محمد ابن علی النوسی تعلیم کی غایت یہ قرار دی ہے۔ وابتغ فیمـا اتـاك الله الدار الآخر ولا تنس نصیبك من الدنیا و احسن کما احسن الله الیك (القصص:77) اور ہر مومن کی یہ دعا ہے ربنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار (201)

3- **حسن اعمال:** موت وحیات کا سارا سلسلہ اسی لئے ہے کہ انسانوں کے حسن عمل کا مشاہدہ کیا جائے۔ خلـق المـوت والـحیـاة لیبلوکم ایکم احسن عملاً (الملک:2) اس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون حسن عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

4- **کردار کی تشکیل وتعمیر یا تزکیہ نفس:** تعلیم کا مقصود و مدعا یہ کہ پختہ سیرت و کردار

Marfat.com

کے افراد تیار کرے ...... فلاح و بہبود کے لئے ہموار کریں۔ فرد کی ذاتی کامیابی و کامرانی اور ناکامی کا دارومدار بھی تزکیہ نفس پر ہے۔ قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا (الشمس 10-9)

علم کا مقصود ہے پاکی وعقل وخرد　　فقر کا مقصود ہے عفت قلب ونگاہ

5- عبادت الٰہی: خدا نے جن و انس کو اسی لئے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ وما خلقت الجن و الانس الا یعبدون (الذاریات:56) ایک اور مقام پر فرمایا: لا نرید منك رزقا نحن نرزقك (اے نبی) ہم آپ سے رزق کموانا نہیں چاہتے رزق تو ہم آپ کو دیں گے یعنی رزق کمانا زندگی نہیں ہے۔ عبادت زندگی ہے اور زندگی عبادت کے لئے ہے۔

6- فروغ انسانیت: اسلامی تعلیم فرد وگروہی مفادات سے بلند ہو کر انسانیت کے وسیع تر مفادات کی ترجمان وعلمبردار ہے۔ بقول محمد قطب (1980ء ص16) اسلام شہری کی بجائے آفاقی انسان پر توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کا نصب العین ایسی انسانیت ہے جو روئے زمین کے تمام انسانوں کی نمائندہ ہو کسی مخصوص گروہ انسانی کی ترجمانی نہ ہو صرف اسی قسم کی تعلیم سے دنیا میں پائیدار امن قائم ہو سکتا ہے۔

7- خلافت و نیابت الٰہی: اللہ کی زمین پر انسان اسکا خلیفہ یعنی نائب ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفه (البقرۃ:30) احکام خداوندی اور اس کی ہدایات کی روشنی میں دینی و دنیوی امور و معاملات کو سرانجام دینا نہایت اہم ہے۔ اس کے برعکس جو شخص خدا کی مرضی کے خلاف صرف اپنی ذاتی خواہشات پوری کرتا ہے۔ وہ نفس کا پجاری اور اللہ کا باغی ہے۔ صدر مملکت، سرکاری حکام، وزراء، امراء سے لے کر عوام الناس تک اپنے اختیارات کی

Marfat.com

حدتک سب نیابت الٰہی میں شریک ہیں اور اسی کے آگے جواب دہ ہیں۔وسائل ارضی سے اللہ کی رضا و مرضی کے مطابق استفادہ اوران کی تنظیم اور تقسیم کا مطلب اللہ کی زمین میں عدل وانصاف اور امن وآشتی کا قیام ہے۔اس کے برعکس مرضی سے یہ تمام امور چلانا اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنا ہے جواللہ کوسخت ناپسند ہے۔

8-ہمہ گیراور متوازن شخصیت کی تعمیر: قرآن انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں یعنی جسمانی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، علمی اور تمدنی پہلوؤں کی متوازن اور مربوط ترقی ونشوونما کا آرزومند ہے۔ کلوا و اشربوا کے ساتھ ساتھ ولا تسرفوا کا بھی حکم ہے۔اپنی معیشت کو بہتر بنانا فرض ہے لیکن دولت کمانے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنا حرام ہے۔قل من حرمہ زینۃ التی اخرج لعبادہ (الاعراف:32) کی رو سے زیب وزینت جائز ہے تو ساتھ یہ بھی حکم ہے۔ولا تبرج الجاہلیۃ الاولی فتنہ انگیز بناؤ سنگھار اور اسکی بے جا طور پر نمائش یعنی تبرج منع ہے۔عبادت فرض ہے مگر رہبانیت ممنوع ہے یعنی انسان کی زندگی میں عقل و وحی، روح وبدن، اخلاق اور اقتصاد ایک حسین اور متوازن اجتماع ہے۔جس سے ایک متوازن شخصیت معرض وجود میں آتی ہے۔یہی اسلامی تعلیم کا مرکزی نصب العین ہے اور اسلامی تعلیم پر پہلی عالمی کانفرس نے اس کی توثیق کی۔ (العطاس 1979ء ص158)

9-بذریعہ قوت و طاقت مقام محمود کا حصول: قوت وغلبہ مظہر الٰہی ہے اور اللہ کریم نے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے حبیب رسول ﷺ اور اس کے سچے پیروکاروں کے لئے اسے پسند کیا ہے۔ واللہ العزۃ ولرسولہ و للمومنین حق کے قیام اور باطل کے انہدام کے لئے قوت اور طاقت کا حصول ضروری ہے۔اسلام دنیا میں غلبے کے لئے آیا

Marfat.com

ہے، اسلام حق کا مظہر ہے۔ لہذا غلبہ واقتدار اس کا مقدر ہے اور باطل کی قسمت میں مٹنا ہے لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ مسلمان دنیا میں اتنے طاقتور ہوں کہ دشمن ان کی طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھنے کی جرات نہ کر سکے۔ اسی کے لئے مسلمانوں کو حکم ہے کہ تمام مسائل و ذرائع، علوم وفنون، سائنس ٹیکنالوجی، صنعت وتجارت، جنگی ساز وسامان یعنی جدید ترین اسلحہ وہتھیار غرض ہر وسیلہ کا حصول قوت وطاقت کا ذریعہ بنائیں۔ واعدو لھم مااستطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و اخرون من دونھم (سورۃ الانفال:60)

اللہ نے سورۃ مزمل میں اپنے حبیب نبی ﷺ کے لئے فرمایا- عیسی ان یبعث ربک مقاما محمودا یعنی حصول قوت وطاقت محمود ومقاصد کے لئے ہو اور طاقت و قوت اور غلبہ واقتدار حاصل کرنے کے بعد انسانیت کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ یہی مقام محمود ہے نہ کہ جبار بن کر انسانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے۔ بہانے بہانے سے ان کی اپنی زمین، اپنا وطن ان پر تنگ کر دیا جائے جیسے کشمیر، افغانستان، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمانوں پر یہود وہنود اور امریکہ و روس نے ان کی اپنی زمین ان پر تنگ کر دی ہے، ان کو جینے کے حق سے بھی محروم کر دیا ہے اور دعوی ہے جمہوریت کا، حقوق انسانی کی پاسبانی کا اور دنیا میں امن وآشتی کے قیام کا۔

اسلامی تعلیم کی مختصر تاریخ: عہد نبوی ﷺ میں قرآن وسنت یعنی کتاب وحکمت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، تیراکی، تقسیم ترکہ کے لئے ریاضی، مبادی لب، علم ہیئت، علم انساب اور تجوید القرآن کی تعلیم دی جائے۔ عربی کے علاوہ دوسری غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کو بھی ضروری قرار دیا۔ مدینہ کی ریاست کے حاکم اعلی کی

Marfat.com

حیثیت سے آپ کو مترجمین کی ضرورت تھی جو غیر ملکی زبانیں جانتے ہوں۔آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارث ؓ کو فارسی اور عبرانی اور یونانی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔

اسلامی نظام تعلیم کا جو دور صفہ کی اولین درسگاہ سے شروع ہوا وہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ (۴۵۹ھ بمطابق ۱۰۶۷ء) قاہرہ کی جامعہ زہرا ۳۵۹ھ۔۹۷۰) جامع نراوین مراکش اور تیونس کی جامع زینونہ (تعمیر ۱۳۸۳ء) سے ہوتا ہوا اور مختلف مسلمان سلاطین کے عہد میں ترقی کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء میں دیوبند ضلع سہارن پور میں مدرسہ دیوبند کے قیام پر منتج ہوا۔

مدرسہ دیوبند: اس ادارہ کا اصل مقصد دینی تعلیم کے ایک مرکز کا قیام تھا یہاں درس نظامیہ کو تعلیم کی بنیاد بنایا گیا تعلیمی پروگرام 9 سال کا تھا دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ پیشہ وارانہ تعلیم کا بھی انتظام تھا مثلاً طب ایک ضمنی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی تھی۔اس کے علاوہ خطاطی، جلد سازی، کپڑا بننا اور سینا پرونا وغیرہ مہارتوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا تاکہ دیوبند کا تعلیمی نظام مسلمانان ہند کی تعلیمی اور معاشی ضرورتیں پوری کرسکے لیکن تعلیم کا یہ پہلو ترقی نہ کرسکا اور تعلیم صرف درس نظامی تک محدود ہوگئی۔

برصغیر پاک و ہند کی تعلیمی تاریخ: برصغیر پاک و ہند میں انگریز تاجروں کے روپ میں آئے سر ولیم ہنٹر Villiom Hunter نے ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے کہ ملک پر قبضہ سے پہلے مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ علمی اعتبار سے ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ان کا نظام تعلیم اعلیٰ درجہ کی ذہنی تربیت دے سکتا تھا اور یہ ہندوستان کے دیگر تمام تعلیمی نظاموں نے بدر جہا بہتر تھا۔پنجاب کے متعلق مسٹر آرنلڈ Arnold رپورٹ میں لکھتا ہے کہ تعلیم یہاں عام ہے۔مسلمان، ہندو اور سکھ سبھی تعلیم

Marfat.com

حاصل کرتے ہیں البتہ اساتذہ سب مسلمان ہیں بیشتر اساتذہ بغیر کسی معاوضے کے تعلیم دیتے ہیں۔ یہ مدارس اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہیں لڑکیوں کے لئے الگ مدارس ہیں۔

دیوبند کی تعلیمی تحریک اور علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کا موازنہ: یہ تحریک جہاں انگریزی تعلیم کے ساتھ مکمل عدم تعاون کی علامت تھی وہاں علی گڑھ کی تعلیمی تحریک انگریزی تعلیم کے ساتھ مصالحت و مفاہمت کی مظہر تھی۔ یہ تعلیمی تحریک مسلمانوں میں عام تعلیم Mass Eolucation پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ متمول طبقے کے بچوں کی تعلیم کے لئے جاری کی گئی تھی تعلیم کے لئے فیس وصول کی جاتی تھی اور رہائش Residential ہونے کی وجہ سے صرف وہی لوگ اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتے تھے جو تعلیم کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس دیوبند میں تعلیم مفت تھی اور طلبہ کے جملہ اخراجات، رہائش، لباس، خوراک دیوبند برداشت کرتا تھا جبکہ کپڑے دھونے کے لئے صابن مہیا کیا جاتا تھا۔

علی گڑھ کا نظام مسلمانوں کے نظام تعلیم سے انحراف تھا اور یہ تعلیم کو تجارت بنانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ علی گڑھ نے دو متضاد عناصر اسلامی اور مغربی تہذیب کو یکجا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بوجوہ نہ مغربی تہذیب مکمل طور پر اپنا سکے (کیونکہ ان کا مذہب اس کی اجازت نہ دیتا تھا) اور نہ اسلامی تہذیب ان میں پوری طرح سرایت کر سکی۔ دینیات کے ایک پیریڈ کو اسلامی تعلیم کے مترادف سمجھ کر اسلامی تصور تعلیم کو ختم کر دیا۔ تعلیم کو قابل خرید و فروخت شے بنا کر مسلمانوں کی تعلیمی روایت کو مجروح کیا اور تعلیم کو ایک خاص طبقے تک محدود کر کے مفت اور عام تعلیم کے اسلامی تصور کو بہت نقصان پہنچایا اور تعلیم کو ایک طبقاتی معاشرتی عمل قرار دیا۔ علی گڑھ کا سرکاری ملازمتوں کے حصول کو

Marfat.com

منتہی ومقصود بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ مسلمان اسلام کے مزاج اور زندگی کی حقیقی قدروں سے یک سر بیگانہ ہو گئے۔ یعنی حصول علم کی بجائے ڈگری لینا تعلیم کا مقصد ٹھہرا۔ اس وجہ سے کوئی بھی علمی یا تحقیقی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکا، یہاں کے تعلیم یافتہ مسلمان ایثار وقربانی سے عاری خود غرضی مادیت پرست اور دنیا پرست بن گئے۔

تضادات: ہم جدید تعلیم کے بارے میں تضادات کا شکار ہیں ایک طرف ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لارڈ میکالے اور تمام انگریزوں کی سازش تھی کہ مسلمانوں کو ایک دینی تعلیمات سے بے بہرہ کر کے صرف دینوی تعلیم خصوصاً انگریزی زبان وادب اور انگریزی علوم کی تعلیم دی جائے۔ جس کا مقصد دفاتر کے لئے صرف کلرک پیدا کرنا تھا۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ جب کسی قوم کی زبان کی تعلیم جب کہ وہ فاتح بھی ہو طوعاً وکرہاً حاصل کی جائے اس کی تہذیب لازماً مفتوح قوم میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہی المیہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا دیوبند نے اس تہذیبی حملے کے خلاف بند باندھنے کی کوشش کی۔

دوسری طرف ہم انگریز کی غلامی سے آزادی کا سہرا اسی تعلیم کے سر سجاتے ہیں اور ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہم ابھی تک انگریز کی فکری اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کی غلامی سے بچ گئے کیونکہ انگریز کی غلامی سے آزادی کی تحریک تو ۱۸۵۷ء سے ہی شروع ہو گئی تھی جب ان کی آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی سلطنت دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور عملاً انگریزوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور مغل بادشاہ ان کا وظیفہ خوار یا ملازم بن کر رہ گیا تھا۔ بہادر شاہ ظفر اور رحمت خان روہیلہ اور دوسرے آزادی کے متوالے لیڈر کون سے سکول کالج کے پڑھے ہوئے تھے۔ خود سرسید احمد خان، وقار الملک، محسن الملک، کس سکول کالج سے پڑھے تھے؟ علی گڑھ کے نظام کی اصلاح چاہتے تھے، مولانا شبلی نعمانی نے درس نظامی میں اصلاح کی غرض سے ندوۃ العلماء لکھنو کی بنیاد رکھی

Marfat.com

لیکن مسلمانوں میں صرف دو ماڈل قبولیت عامہ حاصل کر سکے۔ دینی تعلیم کا نمائندہ مدرسہ دیوبند کا نظام اور انگریزی نظام تعلیم کا نمائندہ یا ماڈل علی گڑھ کا نظام اور دونوں نظاموں میں اصلاح کی تحریک کے دونوں ماڈل یا نمائندے ندوۃ العلماء اور جامعہ علیہ قبول عالم حاصل نہیں کر سکے۔ بقول شیخ محمد اکرام ندوہ میں نہ جدید علی گڑھ کی مادیت آسکی اور نہ دیوبندی روحانیت اور اس کا معیار روز بروز گرتا چلا گیا۔ دینی و دنیوی تعلیم کے امتزاج کے تجربے ناکام ہو چکے ہیں، اب ان تجربوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟

تجاویز:

پاکستان میں تین قسم کے تعلیمی نظام کارفرما ہیں۔

1- عربی میڈیم دینی مدارس

2- اردو میڈیم عام سکول و کالج

3- انگریزی میڈیم مثلاً چیفس کالج، کیڈٹ کالجز، بیکن ہاؤس سسٹم وغیرہ

1- اس طبقاتی تعلیم سے پاکستان کا معاشرہ بھی کئی طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں پس ماندہ رہ جانے کا الزام دینی مدارس کو نہیں دے سکتے۔ وہاں تو یہ علوم پڑھائے ہی نہیں جاتے اور نہ پڑھائے جا سکتے ہیں، وہ صرف دینی تعلیم کے لئے ہیں۔ ہاں البتہ ان میں بنگال یعنی بنگلہ دیش کے نظام تعلیم کی طرف دینی مدارس میں انگریزی زبان، ریاضی اور بنگالی کی بجائے اردو کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں دینی مدارس کا اپنا دینی بورڈ ہے اس سے تمام دینی مدارس الحاق شدہ ہیں۔ وہی امتحان لیتا ہے وہاں دینی مدارس میں انگریزی ریاضی اور بنگلہ زبان کی تعلیم لازمی ہے پھر ان کی تعلیم کو عام سکول کی میٹرک کے برابر تسلیم کیا گیا ہے اس طرح دینی مدارس کے فارغ التحصیل بھی کالج میں داخلہ کے اہل ہیں۔ ہمیں بھی اس قسم کا نظام رائج کرنے کی کوشش کرنا چاہیے لیکن علماء کے تعاون سے انہیں اس

Marfat.com

بات پر آمادہ کر کے ان کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے کیونکہ ان کے تعلیمی نظام میں مداخلت سے معاملات بگڑ جانے کا احتمال زیادہ ہے جو کسی صورت بھی سودمند نہیں ہے۔ ان کی بات بھی کی جائے اپنی کہی جائے، ان کے جو جائز مطالبات ہوں وہ بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے ان پر غور کر کے کھلے دل سے تسلیم کئے جائیں، تب ہی کوئی بات بن سکتی ہے۔

دوسرے پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل ایک بہت ہی اہم قدم ہے۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمیوں کا کام نہیں ہے اس کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام عالم اسلام کے ماہرین تعلیم کی ایک عالمی تبلیغی کانفرنس منعقد کی جائے بلکہ اگر دوسرے غیر مسلم ممالک کے خصوصاً یورپ و امریکہ کے ایسے ماہرین تعلیم کو بھی دعوت دی جائے۔ جو اسلام کا اور اسلامی نظام تعلیم کا گہرا مطالعہ رکھتے ہوں اور متعصب بھی نہ ہوں، غیر جانبدار ہوں۔ ان کی آراء بھی ہمیں ایک صحیح سمت میں اقدام کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ یہ تمام ماہرین تعلیم جس نظام پر جو ہمارے حالات اور ہماری روایات کے مطابق ہو اس پر سب متفق ہو جائیں تو وہی نظام تعلیم اپنانا ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ اسی میں ان شاء اللہ پاکستان کی بہتری بھی ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ کی رفاہی منصوبہ بندی اور اس کی عہد حاضر میں ضرورت

الحمدالله الذی و حده والصلوة والسلام علی من لا بنی بعده

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ جب بھی کسی معاشرے میں اتراف واسراف کا چلن ہوتا ہے جب معاشرہ طبقات یعنی امیر اور غریب، مالدار و نادار میں بٹ جاتا ہے۔ امیر اور غریب' مالدار اور نادار تو ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں ان کے درمیان امارت وغربت کی حائل خلیج اتنی وسیع ہو جائے کہ وہ خلیج کے دو کنارے معلوم ہوں تو تباہی و بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔

اتراف واسراف سے مراد یہ ہے کہ جب کسی معاشرے کے امراء و حکام حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر دولت سمیٹنے اور اس دولت کو جائز و ناجائز کاموں یعنی عالیشان محلات و مکانات کی تعمیر پر اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی سجاوٹ پر ان میں آسائشات و تعیشات کی بھر مار کرنے پر صرف ہو اور جو ہاتھ ان محلات و مکانات کی تعمیر اور سجاوٹ و بناوٹ کا باعث ہوں وہ اس قدر ہنرمندی اور محنت و مشقت کے باوجود بھی نان جویں کے محتاج ہوں۔ جب ملک وملت کے غریب عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی (جو محاصل کی صورت میں حاصل ہوتی ہے) حکام و امراء کے لئے بے جا مراعات اور عیش وعشرت کی نذر ہو جائے تو عدل و انصاف اور اعتدال و میانہ روی سے تہی معاشرہ لازماً زوال سے ہمکنار ہو کر رہتا ہے۔

Marfat.com

اس حقیقت کو قرآن مجید میں بطور ایک عالمگیر قانون کے بیان میں کیا گیا ہے کہ کسی معاشرے کی تباہی و ہلاکت کا باعث اس کے خوشحال' کھاتے پیتے اور اونچے طبقات کا بگاڑ ہوا کرتا ہے۔ جب کسی قوم کی ہلاکت قریب ہوتی ہے تو اس کے دولت مند صاحب ثروت اور مقتدر لوگ فسق و فجور، ظلم وستم اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ ''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں فسق کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں''

تاریخ کی پہلی قوم جس نے اللہ کی زمین پر سرکشی و نافرمانی کا طوفان اٹھایا وہ حضرت نوحؑ کی قوم تھی۔ قرآن میں کئی مقامات پر قوم نوحؑ اور اس کے سرداروں کا کردار پیش کیا گیا ہے جس کی بدولت آخر وہ طوفان نوح یعنی سیلاب میں غرق ہوئے اس کے ساتھ ساتھ حضرت نوحؑ کے کردار کی درخشاں مثالیں پیش کی گئیں۔

پہلی برائی: دولت وثروت کی فراوانی پہلی برائی جو انسان کے اندر پیدا کرتی ہے وہ ہے غرور وتکبر، کبر ونخوت، اپنے آپ کو برتر اور دوسرے کو حقیر وکمتر سمجھنا، خواہ وہ نبی کیوں نہ ہو اور یہ ایک اہم سبب ہے انسانوں کی ضلالت وگمراہی کا۔ سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۱۴ میں بتایا گیا ہے کہ انتہائی شدید مخالفت ومزاحمت کے مقابلے میں ساڑھے نو سو برس تک حضرت نوحؑ نے کمال صبر وتحمل کے ساتھ اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کی۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے نہایت دردمندی کے ساتھ قوم کو راہ راست پر لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر قوم کے سرداروں نے ان کی ایک نہ چلنے دی ان کی اور ان پر ایمان لانے والے غریب

Marfat.com

لوگوں کی تذلیل کی۔ جب کشمکش انتہا کو پہنچ گئی تو ان کی قوم کے سرداروں اور سرمایہ داروں نے یہ کہہ کر ان کی تعلیمات و ہدایات کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا کہ ان پر ایمان لانے والے غریب لوگ تھے جنہیں معاشرہ میں کوئی بلند مرتبہ و مقام حاصل نہیں تھا۔ "قالوا نئومن لك و اتبعك الا رذلون"(2)

ترجمہ: انہوں نے کہا کیا ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رزیل ترین لوگوں نے کی ہے۔اسی طرح قریش مکہ سے جب کہا گیا "واذا قیل لھم امنو کما امن الناس قالو انومن کما امن السفاء"(3)

ترجمہ: جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔

دوسری برائی: دوسری برائی جو دولت و امارت کی بہتات امیروں کے اندر پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں خوشحالی و بدحالی کو خیر وشر کا معیار قرار دیتے ہیں اور یہ انسان کی ضلالت و گمراہی کا دوسرا بڑا سبب ہے۔ یہاں اگر کوئی خوشحال ہے خواہ اس کی خوشحالی کتنی ہی بداعمالیوں اور بددیانتیوں کا نتیجہ ہو وہ کامیاب و کامران ہے اور جو خستہ حال ہو خواہ کتنا ہی نیک اور دیانتدار ہو وہ بہرحال ناکام و نامراد ہے۔ قرآن ہمیں یہ عالمگیر اصول بتاتا ہے کہ تمام انبیاء کی مخالفت کرنے والے خوشحال اور کھاتے پیتے لوگ تھے اور ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جس کو دنیا میں خوب مال و اولاد نصیب ہے وہی حق پر ہے فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو ماننے والے نہیں اور انہوں نے کہا ہم تجھ سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے

Marfat.com

والے نہیں ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے عہد کے کفار مکہ کا بھی یہی انداز نظر تھا جس کو بار بار قرآن کریم نے غلط قرار دیا۔ سورۂ مریم میں فرمایا "ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں؟ حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان وشوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں" (5)

اسی بات کی مزید وضاحت کے لئے عرب کی دو مشہور ترین اقوام قدیمہ میں سے عاد اور ثمود کے حالات قرآن مجید میں جا بجا بیان کئے گئے ہیں۔ عاد ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ ایشیاء اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زیر نگیں تھا بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دست صنعت کا نتیجہ تھیں (6) اسی لئے حضرت ہودؑ نے ان سے فرمایا "یہ تمہارا کیا طریقہ ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے مقبرے تعمیر کر ڈالتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبار بن کر ڈالتے ہو" (7)

سورۂ حم السجدہ میں ہے انہوں نے زمین میں حق کے بغیر تکبر کیا اور کہا کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟ (آیت نمبر ۱۵) سورۂ فجر میں ہے انہوں نے دنیا میں بڑی سرکشی دکھائی اور بہت فساد برپا کیا۔

قوم ثمود کے آثار پورے شمالی حجاز میں پھیلے ہوئے ہیں قریش کے تجارتی قافلے انہی پر سے گزر کر شام کی طرف جاتے تھے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ "اس کے سردار حد سے

Marfat.com

گزرے ہوئے مفسد لوگ تھے جن کے ہاتھوں کوئی اصلاح کا کام نہ ہوتا تھا''(8) وہ اپنی عیش وعشرت اور اپنی شان وشوکت دکھانے کے لئے میدانی علاقوں میں شاندار محل اور پہاڑوں کو تراش تراش کر عظیم الشان عمارات ومقابر بناتے تھے(9) یادگاریں اب تک باقی ہیں ان پر عادی وثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں(10)

ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ ایک طرف غریبوں کو سر چھپانے کو ڈھنگ کی جگہ نہیں ملتی اور دوسری طرف حکام وامراء شاندار محلات ومکانات تعمیر کرتے ہیں اور ان میں آسائشوں کے انبار لگاتے ہیں کہ وہ بیک وقت چڑیا گھر اور عجائب گھر نظر آتے ہیں۔

قوم ثمود کے سرداروں کے نزدیک حضرت صالحؑ اس لئے ایمان لانے کے قابل نہ تھے کہ ان پر غریب لوگ ایمان لائے تھے۔انہوں نے اپنی قوم کو خدا پرستی کی دعوت دی اور ظلم وفساد اور عیش پرستی سے روکا تو اس کے 9 بڑے بڑے قبائلی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ''خدا کی قسم کھا کر فیصلہ کرلو کہ رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے۔پھر صالح کے ولی (قبیلے کے سردار) سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں''۔(یہی کچھ سلوک رسول اکرم ﷺ کی قوم کے سرداران قریش نے آپ کے ساتھ کیا) لیکن اللہ نے ان کی اس چال کو ناکام بنادیا اور اس کے بعد زبردست کڑاکے دار زلزلہ آیا جس نے حضرت صالحؑ اور اہل ایمان کے سوا پوری سرکش قوم کو ہلاک کردیا اور ان کے عالیشان گھر اس طرح پڑے رہ گئے کہ گویا وہاں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا اور اب تک وہ سامان عبرت ہیں۔

تیسری برائی: مال ومتاع کی کثرت تیسری برائی جو انسان کے اندر پیدا کرتی ہے وہ

Marfat.com

ہے بے حیائی و بے شرمی اور عریانی وفحاشی۔ حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اور ان کے ساتھ ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہوئے تھے۔ جہاں قوم لوط آباد تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو اہل عرب اپنا دینی پیشوا مانتے تھے۔ قوم لوط میں خباثت یہ تھی کہ اس میں مردوں کی مردوں سے بدفعلی عام تھی اور یہ فعل بد اعلانیہ ایک دوسرے کے سامنے اور بھری مجلسوں میں کرتے تھے (جیسے اہل عرب خانہ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے اور آج بھی عہد حاضر کے مہذب معاشروں کی قانون ساز اسمبلیوں نے اس فعل بد کے جواز کے لئے قانون پاس کئے ہیں) مزید برآں یہ ایک رہزن قوم تھی، کسی شخص یا قافلے کا اس کے علاقے سے بخیریت گزر جانا ممکن نہ تھا۔ (۱۲) حضرت لوطؑ نے برسوں اس کو خدا سے ڈرایا اور ان اخلاق سوز حرکتوں سے باز آجانے کی تلقین کی مگر اس کا جواب یہ تھا ''اے لوط! اگر تو نے یہ باتیں نہ چھوڑیں تو ہم تجھے اپنے ہاں سے نکال دیں گے'' (13)

بالآخر انہیں ان کی سرکشی و نافرمانی کی سزا اس طرح دی گئی کہ ان پر پتھروں کی بارش کی گئی جن میں سے ہر ایک نشان زدہ تھا کہ کس پتھر کو ان میں سے کس بدکردار کا خاتمہ کرنا ہے۔ (14)

چوتھی برائی: چوتھی برائی جو مال و دولت کی کثرت سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ ہے عشق و محبت اور عاشقی معشوقی۔ اس سے مالداروں اور سرمایہ داروں کی خواتین بھی اپنا دامن نہیں بچا سکتیں۔ اس کی تاریخی مثال حضرت یوسفؑ کے تاریخی قصے میں ملتی ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید میں ایک پوری سورت، سورۃ یوسف نازل ہوئی۔ اس میں ایک طرف برادران یوسف کا کردار ہے۔ عزیز مصر کی بیوی کے کردار کی صورت میں مصر کے اونچے طبقے کی عورتوں کا کردار ہے، جنہوں نے حسن یوسف کی تابناکی سے دم بخود ہو کر اپنی انگلیاں تک

Marfat.com

کاٹ لی تھیں۔مصر کے حاکموں کا کردار ہے جنہوں نے اپنی عورتوں کے اخلاقی بگاڑ کی سزا حضرت یوسفؑ کو دی اور بے قصور انہیں برسوں جیل میں ڈالے رکھا۔یہ بھی امراء حکام کے کردار کا ایک رخ ہے کہ اپنی اور اپنی خواتین کی بدعملیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بے گناہ لوگوں پر جھوٹے مقدمات بنا دیئے جاتے ہیں اور انہیں پس زنداں بھیج دیا جاتا ہے۔

پانچویں برائی: پانچویں برائی جو اموال کی بہتات انسان کے اندر پیدا کرتی ہے وہ ہے خواہش نفس کی پیروی۔قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ اور اہل مدین اور اصحاب الایکہ کا حال بیان ہوا ہے۔مدین کا علاقہ شمالی حجاز میں واقع تھا۔اہل مدین پیشہ کے لحاظ سے تاجر تھے، خدا کے علاوہ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ ان میں جو اخلاقی برائیاں تھیں وہ یہ کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور انہوں نے اللہ کی زمین میں بڑا فساد برپا کر رکھا تھا۔ مدین کے سرداروں نے حضرت شعیبؑ سے کہا ''کیا تمہاری نماز ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کریں''۔ (15) یعنی وہ اس بات پر مصر تھے کہ اپنے مالوں میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق ہر طرح کے تصرف کی آزادی ہونی چاہیے خواہ وہ لوٹ مار ہو یا تجارت میں بے ایمانی اور بددیانتی یا کمزور لوگوں پر ظلم و ستم ہو۔ان کے نزدیک قوم کا پھلنا پھولنا اسی پر منحصر تھا کہ وہ ہر طرح کے حرام اور ناجائز طریقوں سے مال و دولت حاصل کریں اور صرف جائز طریقوں کی پابندی کے معنی تھے کہ قوم برباد ہو جائے۔اسی لئے انہوں نے اپنی قوم سے کہا ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو برباد ہو جاؤ گے''۔ (16) آخر کار دونوں قومیں خدا کے عذاب سے دوچار ہوئیں۔

چھٹی برائی: چھٹی برائی جو مال و دولت اور اقتدار و حکومت انسان کے پیدا کرتی ہیں وہ یہ

Marfat.com

ہے کہ وہ قوم کو طبقات میں تقسیم کر دیتے ہیں۔اس کی تاریخی مثال توں مصر میں فرعون کے عہد کا معاشرہ ہے۔قرآن مجید فرعون کے جرائم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے''اس نے زمین میں بڑی سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں اور طبقات میں تقسیم کر دیا۔ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا،اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا در اصل وہ مفسدین میں سے تھا۔''(17)

اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں سب شہری یکساں ہوں اور سب کو برابر کے حقوق دیئے جائیں بلکہ اس نے سیاست کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے کسی کو مراعات و امتیازات سے نواز کر اسے حکمران گروپ ٹھہرایا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا اور پیسا جائے۔اس دوسرے گروہ میں خصوصاً اس نے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔''(18)

سلطنت روما کے زوال کے اسباب: ساتویں صدی عیسوی کے اوائل یعنی حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت عرب کی دو ہمسایہ قیصر و کسریٰ کی دو مشہور سلطنتیں یعنی روما اور فارس بھی روبہ انحطاط تھیں۔سلطنت روما کے زوال کے اسباب ایک مغربی مصنف لکھتا ہے''رومیوں کے اعلیٰ طبقوں میں دنیاوی اور مادی خواہشات، اغراض نفسانی، عیش و عشرت کی ہوس عوامی معاملات سے سرد مہری اور بے توجہی نے رومی طاقت کو رفتہ رفتہ روبہ زوال کر دیا۔''(19)

بقول گبن آپ ﷺ کی ولادت کے وقت روم زوال کے پست ترین نقطے تک پہنچ گیا، وہ لکھتا ہے''روم کی مثال اس عظیم الشان درخت کی سی ہوگئی تھی جس کے سائے میں ایک وقت تک تمام اقوام آباد تھیں مگر اب ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور

Marfat.com

ٹہنیاں بھی جھڑ گئی تھیں اور اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا۔''(20)

رابرٹ بریفالٹ کے نزدیک روما کے زوال کا باعث یہ تھا کہ ''رومی سلطنت انسانوں سے (ظلم وزیادتی کے ذریعے) ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک مخصوص جماعت (حکمرانوں) کی راحت رسانی اور عیش وآرام کا سامان فراہم کرتی تھی۔''(21)

سلطنت کسریٰ کے انحطاط کے اسباب: فارس میں بقول ابن خلدون چار ہزار دوسو اٹھاسی سال سے موروثی شخصی اور مطلق العنان شہنشاہیت قائم تھی۔(22) شہنشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے اور اہل فارس بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے گویا وہ خدا ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سربسجود ہوتے تھے۔ ان کے ربوبیت کے ترانے گاتے تھے اور انہیں قانون تنقید اور شریعت سے بالاتر تصور کرتے تھے۔ ان کے رؤسا، امراء اور وزراء کو لذت اندوزی اور عیاشی کے سوا کسی بات کی فکر نہ تھی تکلفات زندگی، تعیّشات اور سامان آرائش وآسائش کی بھرمار تھی اور اس میں ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس بے پناہ عیاشی اور امور سلطنت سے غفلت کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سازشیں، بغاوتیں اور خونریزیاں روز کا معمول بن گئیں اور بدامنی وبے چینی عام ہوگئی اور یوں نظم مملکت روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا(23)

سلطنت فارس کے انحطاط میں جو عوامل کارفرما تھے ان میں ایک یہ تھا کہ وہاں امراء کا طبقہ سرفانہ اور عیش پسندانہ زندگی میں مشغول ہو کر دوسرے امور مملکت کے فرائض سے غافل ہو چکا تھا اور اس کا بار دوسرے طبقے پر جو محصولات اور حکومت کے بے جا مطالبات کی چکی میں پس رہا تھا۔ تیسرا طبقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا جانوروں سے بدتر زندگی گزرنے پر مجبور تھا۔ اس کشمکش نے یقیناً اجتماعی بدنظمی اور انتشار کو دعوت دی کیونکہ رعایا زیادہ عرصہ تک

Marfat.com

ظلم وتشدد اور بنیادی حقوق سے محرومی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

مصری ادیب محمد حسین ہیکل اپنی کتاب ''حیات محمد'' میں لکھتے ہیں ''شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر کے تخت شاہی پر قبضہ کرلیا اور رعایا کی بہبود کی بجائے شاہی خزانے اپنے ہوا و ہوس میں لٹانے شروع کر دیئے۔(24)

آج کے جمہوری دور کے حکمرانوں کو بھی کئی تحفظات حاصل ہیں۔انہیں عدالت میں طلب نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ تحفظ تو ارکان اسمبلی کو بھی حاصل ہوتا ہے اجلاس کے دوران انہیں گرفتار بھی نہیں کیا جاسکتا۔یعنی وہ قانون سے بالا ہیں۔ ہر جمہوریہ کا صدر تنقید سے بالاتر ہے تو پھر بالواسطہ طور پر وہ بشریت سے بالا ہوا یا وہ نبی کی جو معصوم عن الخطا ہے۔دعویٰ ہے مہذب اور جمہوری معاشرہ ہونے کا لیکن حقوق میں جمہور کے برابر نہیں بلکہ ان سے افضل و اعلیٰ، برتر و بالا۔

عرب کی حالت زار: چھٹی صدی کے اوائل میں عرب ان دو عظیم سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہاں کوئی خاص حکومتی نظم نہ تھا البتہ آل منذر شاہان فارس کی طرف سے حیرہ اور قیصر کی جانب سے شام میں آل جھنیہ اور مفرد اور حجاز ہو خجر یا جعفر اکل اطرار حکمران تھے تمام عرب بت پرست تھا۔بقول حالی

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا

ملحد قاطع الرحم، شگون کے لینے والے ستاروں اور پتھروں کے پجاری تھے وہ بچھو، سانپ اور مردہ جانوروں کو کھاتے تھے معمولی باتوں پر مدتوں لڑائی جاری رکھنا، قتل و غارت گری، رہزنی، قمار بازی ان کے ہر دلعزیز کھیل تھے۔سود خوری عام تھی، بدکاری، بادہ نوشی اور دیگر منشیات پینے کے بے حد شوقین تھے۔(25)

Marfat.com

مولد نبی یعنی مکہ کے شہری: محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں ''شہر مکہ کی آبادی کو درجوں کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔

پہلا درجہ: سرداران قریش کے مناصب' سقایت و رفادت اور کعبہ سے متعلقہ جملہ خدمات کی بنا پر ان کی حویلیاں کعبہ کی دیواروں سے متصل تھیں۔

دوسرا درجہ: قریش کی حویلیوں کے بعد ان لوگوں کے مکانات تھے جو وجاہت میں قریش سے دوسرے درجہ پر تھے مگر اوروں سے افضل۔

تیسرا درجہ: یہودی اور نصرانی مزدوروں اور غلاموں کی جھونپڑیاں جن کا رخ صحرا کی طرف تھا انہیں شہر کے بیرونی رخ پر اسی لئے آباد کیا گیا تھا کہ ان کے مذہبی مناجات کی آواز قریش اور اہل مکہ کے کانوں تک نہ پہنچے۔(26) یعنی وہ تیسرے درجے کے شہری تھے۔

بادی النظر میں ہم اسے معاشی درجہ بندی بھی کہہ سکتے ہیں یعنی عرب کا معاشرہ معاشی طبقات میں تقسیم ہو گیا تھا۔

(1) حاکم طبقہ: سرداران قریش کا زیادہ تر ذریعہ معاش تجارت تھی مذہبی مناصب بھی ان کے قبضے میں تھے۔ مذہب، تجارت اور حکومت پر ان کی اجارہ داری تھی۔

(2) دیگر اہل حرفہ یا زراعت پیشہ یا عام دکاندار (3) خدمت پیشہ اور مزدور پیشہ

رسول اکرم ﷺ کی رفاہی منصوبہ بندی

اس بدترین ماحول، انتہائی مایوس کن حالات اور بہت ہی ناسازگار فضا میں آپؐ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے، ایک نقشہ فکر و عمل، ایک متعین نصب العین اور ایک ہمہ گیر اصلاح و رفاہ عام کی منظم سکیم اور منصوبے لے کر اُٹھے۔ آپؐ نے اس عظیم انقلاب کی بنیاد

Marfat.com

رنگ، نسل، وطن، قوم، زبان یا پاپائیت وشہنشاہیت یا معاشی طبقات پر مبنی نظام پر رکھنے کی بجائے ''دین'' پر رکھی جوان سب امتیازات کو مٹا کر تمام انسانیت کو واحد امت بنا دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے ''کان الناس امتہ واحدۃ'' ابتدا میں ایسا تھا کہ لوگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے۔(27) اس لیے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔

''یایھاالناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی'' (28) اے ادمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ پھر تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے ''الخلق عیال اللہ''

لہذا رنگ ونسل، لسان وزبان، قوم وقبیلہ، ملک وملت، مذہب ومعاش پر مبنی طبقات کے کیا معنی؟ سیرت کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے رفاہی منصبے کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے درج ذیل چار اقدامات کیے۔

1۔ اعتقادی اقدامات۔ دین کے بنیادی عقائد کی تعلیم

2۔ سماجی اقدامات۔ اس تعلیم کی بنیاد پر ایک امت مسلمہ کی تنظیم

3۔ معاشی اقدامات۔ اس تنظیم کو نئے معاشی اصول وضوابط پر استوار کرنا

4۔ سیاسی اقدامات۔ پھر ان کی بنیاد پر ایک رفاہی مملکت کا قیام جس میں اپنے رفاہی منصوبے کو درجہ کمال تک پہنچانا

1۔ اقتصادی اقدام: دین اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں۔

(1) ایمان باللہ: شرک کے مقابلے میں توحید کی تعلیم تمام انبیاء کی بعثت کا اولین مقصد بھی توحید کی تعلیم دینا تھی۔ توحید اپنی اہمیت واصل کے اعتبار سے تمام دین کا خلاصہ اور تمام عقائد واعمال کا سرچشمہ ہے۔

Marfat.com

(2) ایمان بالملائکۃ: اہل عرب کے اس عقیدے کی تردید کہ فرشتے خدا کی اولاد (بیٹیاں) ہیں یا اس کی خدائی ہیں۔ شریک یا لائق عبادت ہیں بلکہ مخلوق ہیں۔

(3) ایمان بالرسالت: آپ ﷺ کی رسالت تمام عالم کے لئے ہے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوگئی۔ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں۔ لہذا اسلام تمام اقوام عالم میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے آیا۔

نظم میں سب برابر ٹھہرے۔ امیر و غریب، شریف و رذیل، عالم و جاہل، خاص و عام، آقا و غلام کے درمیان نہ تو نفرت و رقابت پیدا کی گئی اور نہ ان طبقات کو آپس میں لڑا کر کوئی مادی منفعت یا دنیاوی مقصد حاصل کیا گیا۔ جیسے موجودہ صدی میں کمیونزم میں اشتراکیت نے کیا جو ایک غیر فطری فلسفہ اور نظام تھا جو اسی صدی میں اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی ذہنیت کو تبدیل کرنا اور اس کے نقطہ نظر کا نصب العین کو منقلب کرنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے غیر معمولی ذہانت و فطانت حکمت و تدبر اور سب سے بڑھ کر جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ کٹھن کام عقائد میں تبدیلی کے ذریعے کیا۔ بقول اقبال:

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

3- معاشی اقدام: اپنے رفاہی منصوبے کو مستقل بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے تیسرا اہم اقدام جو آپ ﷺ نے اٹھایا وہ تھا معاشی اقدام۔ جدید ماہرین معاشیات نے انسان کی مادی ترقی و فلاح و بہبود کے لئے زیادہ بچت کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ اس سے مزید سرمایہ کاری کی جا سکے جبکہ اسلام نے اس کے لئے انفاق کو ضروری قرار دیا ہے جس کی

Marfat.com

ایک منظم صورت صدقات زکوۃ وعشر اور خمس وغیرہ ہیں۔

1۔ زکوۃ وعشر وخمس اور صدقہ فطر: اوائل اسلام میں چونکہ سرور عالم ﷺ کا واسطہ مشرک سرداران مکہ سے تھا جن کی سخاوت وفیاضی اگر چہ ضرب المثل تھی عام دعوتیں کرنا اور ان پر دل کھول کر خرچ کرنا ان کی قدیم روایت تھی عرب اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کے چولہوں کی آگ کبھی بجھتی نہ تھی۔لیکن یتامی ومساکین اور سائل ومحروم کی مدد کرنا بلکہ اسے ان کا حق سمجھنا ان کے لئے ایک نئی بات تھی۔ یہاں آ کر ان کے دادو عیش کرنے والے ہاتھ رک جاتے تھے جس کی وجہ سے قرآن کریم ان کو بخیل قرار دیتا ہے اور مکی سورتوں میں جا بجا اس بخل کی مذمت کرتا ہے جیسا کہ اس دور کی ایک سورہ حم السجدہ (جو آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی)(32) میں ان الفاظ میں ان کی مذمت کی گئی۔وویل للمشرکین الذین لا یوتون الزکوۃ وھم بالاخرۃ ھم کافرون"(33)

ترجمہ: تباہی ہے ان مشرکین کے لئے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔اس لئے کہ اس دور میں ایمان لانے والوں کی ایک معتد بہ تعداد پہلے سے ہی مفلس اور تنگ دست تھی جبکہ مقابلہ میں مکہ کے بڑے بڑے مالدار وساہوکار مسلمانوں کے مخالف تھے جو مسلمانوں کے ایمان لانے کی پاداش میں سخت اذیتیں دیتے تھے ان کا سماجی اور معاشی مقاطعہ کرتے (جیسا کہ شعب ابی طالب میں کیا) اس کا واحد حل یہی تھا کہ ان مسلمانوں کو جو کچھ کھاتے پیتے تھے یا اہل ثروت تھے انفاق پر ابھارا جائے۔اس کے لئے سرور دو جہاں ﷺ نے اسی دور میں اطعام المسکین، الحض علی الاطعام، انفاق،انفاق فی سبیل اللہ، زکوۃ اور ایتاء زکوۃ کے پرزور الفاظ کے ذریعے ان میں انفاق کا

Marfat.com

جذبہ پیدا کیا۔ بالآخر ۹ھ میں سورۃ توبہ کی آیت صدقات میں پہلے ذکر کردہ مدات میں چند مزید مدات کے اضافہ کے ساتھ مجموعی طور پر یکجا کر کے ''فریضہ من اللہ'' کے الفاظ کے ساتھ آٹھ مصارف زکوۃ کی حتمی طور پر تجدید دی گئی۔ (34)

اسلامی معیشت کے ماہر مولانا مودودی زکوۃ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''یہ مسلمانوں کی کواپریٹو سوسائٹی ہے یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے لئے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے یہ ان کے مزدوروں، اپاہجوں، بیماروں، تیمیوں، بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو کل خدانخواستہ تم نادار ہو گئے تو دوسرے مالدار تمہاری مدد کریں گے'' (35)

رفاہی کاموں میں زکوۃ سے کتنی مدد ملتی ہے اس کا اعتراف عمران خان جیسے قومی ہیرو نے بھی اپنے ٹی وی انٹرویو کے دوران کیا ہے کیونکہ وہ غریبوں ناداروں کے لئے کینسر جیسے موذی مرض کے مریضوں کے لئے ہسپتال تعمیر کرنے کا آج کل اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہیں اور اس میں زکوۃ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

2۔ سود کی حرمت یعنی سودی معیشت کا قلع قمع معاشی اقدام کے سلسلے کا

دوسرا اقدام: اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو جدید کیا ہر دور کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل کی بنیادی اور سب سے بڑی وجہ سودی معیشت ہوتی ہے۔ جو بے لگام اور بے رحم سرمایہ داری کو جنم دیتی ہے معاشرے میں خود غرضی، بے حسی اور بے رحمی، حرص، طمع اور لالچ کو رواج دیتی ہے جائز اور ناجائز حلال وحرام کی تمیز ختم کر دیتی ہے۔ چور بازاری سمگلنگ

Marfat.com

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کر کے مصنوعی قلت پیدا کرنا اور پھر اشیاء کی قیمتیں بڑھانا یعنی مہنگائی کرنا، اسراف وفضول خرچی اور بخل اسی کی ناجائز اولاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اوائل اسلام میں ہی زکوۃ کو انفاق کا ایک عام قانون بنانے کے ساتھ ساتھ سود کو حرام کر کے سودی معیشت اور اس پر مبنی سرمایہ داری پر ایک کاری ضرب لگائی جیسا کہ مکی دور کی سورہ الروم کی اس آیت سے ظاہر ہے۔

ترجمہ: اور یہ جو تم سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہوتو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔ بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کی رضا کے لئے زکوۃ میں دیتے ہو(36)

نیز ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اور اگر نہیں کرتے (چھوڑتے) تو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ۔ اگر توبہ کرلو تو تمہارا اپنا اصل مال (اصل زر) تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہے۔ (38)

روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ 9 راتوں تک زندہ رہے (39) گویا سود کی قطعی حرمت آپ ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اسی بات سے عرب میں سود کی ہمہ گیریت اور اس کی قباحتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل حجۃ الوداع کے تاریخی خطاب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اور دور جاہلیت کے تمام سود موقوف کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں عباسؓ ابن عبدالمطلب کے جملہ سودی بقایا جات پر موقوف کرتا ہوں (40

Marfat.com

آپ ﷺ نے یہ اعلان ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے فرمایا اللہ حکم کا نفاذ آپ ﷺ نے اپنے گھر سے کیا، آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب وسیع پیمانے پر شخصی اور تجارتی قرضے دیا کرتے تھے، اس حکم کے تحت ان کے علاوہ باقی لوگوں کی سودی رقمیں بھی منسوخ ہوگئیں۔

3۔ تیسرا اقدام، وراثت کی تقسیم: تقسیم وراثت کا قانون جیسا اسلام میں ہے دنیا کسی اور معاشی نظام میں نہیں ہے۔ دوسرے معاشی نظاموں کا میلان اسی طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے سمیٹ کر جمع کر لی ہے وہ اس کے بعد بھی ایک یا زائد اشخاص کے پاس سمٹی رہے۔ مثلاً برطانیہ میں اولاد اکبر کی جانشینی کا قانون (Law of Primogeniture) اور مشترک خاندان کا طریقہ یعنی (Joint Family System) لیکن اسلام دولت کے سمیٹنے کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تاکہ دولت گردش میں رہے اور معاشرے کے تمام افراد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ "کی لایکون دولته بین الاغنیاء منکم"

ترجمہ: تاکہ مال تمہارے مالداروں میں ہی چکر نہ لگاتا رہے۔

عرب معاشرے میں تو باپ کی نہ صرف جائیداد وراثت میں صرف بڑے بیٹے کو چلی جاتی بلکہ وہ اسکی بیویوں تک کا وارث ہوتا اور بہنیں وراثت سے محروم رہ جاتیں۔ آپ ﷺ نے "للذکر مثل حظ الانیثن" (مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ) کے اصول کے مطابق وراثت کی تقسیم کا حکم فرمایا۔ آج پھر مسلمانوں میں بھی وہی برطانیہ والا قانون اس تصرف کے ساتھ رائج ہے کہ سب بیٹوں کو برابر برابر حصہ ملتا ہے لیکن بہنیں آج پھر وراثت سے محروم ہوگئی ہیں۔

Marfat.com

4۔ چوتھا اقدام۔ اجارہ داری کا خاتمہ: احتکار کرنے والا (اجارہ داری)Monoposlist دولت کے ذخیروں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے اور بسا اوقات زائد سامان کو تلف کر دیتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح اپنی مرضی کا نرخ لوگوں پر مسلط کر سکے۔ یہ طرز عمل صریح طور پر سامان معیشت کے ان سماجی خزانوں کی بربادی ہے جن کو اللہ تعالی نے تمام انسانوں کے فائدے کے لئے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے احتکار کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے والا جرم قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا:

من احتکر طعاما اربعین یوما فقد بری من الله و بری الله منه

ترجمہ: جس نے چالیس دن تک خوراک کو ذخیرہ کئے رکھا، اس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں نہ اللہ کو اس کی کوئی پرواہ ہے (مسند امام احمد)

5۔ اسراف و تبریر کے خلاف اقدام: ہمارے معاشرے میں جہاں لوگوں کی اکثریت نان جویں کو محتاج ہے، وہاں ایک محدود اقلیت ذرائع و وسائل معاش پر قابض ہے اور وہ اپنی بے انتہا و بے حساب دولت و ثروت میں نادار و محروم لوگوں کو شریک کرنے کی روادار نہیں ہے یعنی حال یہ ہے۔

ہے ادھر بھی آدمی، ہے ادھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک اس کے چہرے پر نہیں

ان سے جب رفاہی کاموں میں امداد مانگی جائے تو وہ دس روپے دیتے ہوئے بھی دس دفعہ سوچتے ہیں لیکن جب بسنت منانا ہو تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ پتنگ بازی پر لاکھوں روپے کا ضیاع وقت کا ضیاع اور لہو و لعب ہے یہ اسراف ہے اس کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین بے شک فضول خرچی کرنے

Marfat.com

والے شیاطین کے بھائی بند ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

6- سیاسی اقدام: تاریخ کی یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالکل اجنبی ماحول میں باہم متضاد و منتشر عناصر کے تعاون سے ایک نظریاتی ریاست قائم فرمائی اور وہ بھی بغیر کسی تشدد و طاقت یا جبر و ظلم کے بلکہ محض ایک نوشتہ یا دستاویز کے ذریعہ۔ سیاست نبوی ﷺ کا اعجاز یہ بھی ہے کہ بہ کمال تدبر و فراست مدینہ سے لے کر ینبوع کی بندرگاہ تک علاقے میں رہنے والے قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا یا امان نامے دے کر اپنے اختیار کو منوا لیا اور یا پھر انہیں کم از کم قریش کی امداد و اعانت سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کر لیا۔ اس یعنی منشور مدینہ کے ذریعے تاریخ عرب میں پہلی بار اتحاد و سالمیت کا عجیب و غریب مظاہرہ ہوا کہ اس منشور نے تمام مرکز گریز قوتوں کو ایک قانون ایک ضابطے اور ایک نظم پر متفق و متحد کر دیا اور وہ سب ایک کل میں ضم ہو گئیں۔ سارے جاہلی امتیازات کو ختم کر کے تمام باشندوں کو یکساں حقوق دیئے گئے اور ان کے فرائض و واجبات کو متعین کر دیا گیا غرض مدینہ کے تمام متضاد و منتشر عناصر کے تعاون و اشتراک سے مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر دیا جو آج تک تمام دنیا کے نظام ہائے سیاست کے لئے نظیر بن گیا اور اس طرح آپ ﷺ نے اپنے رفاہی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

عہد حاضر میں اس کی ضرورت: عہد حاضر میں رسول اکرم ﷺ کے اس رفاہی منصوبے پر عمل کی (جو بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ نے شروع کر دیا تھا جب حضرت خدیجہؓ نے آپ سے کہا تھا ''اللہ آپ کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں'' نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں (جیسے حلف الفضول میں آپ کی شرکت)۔ دوسروں کے عیال اور ضعفاء یعنی یتیموں

Marfat.com

اور بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کے کفیل ہوتے ہیں، حوادث میں لوگوں کی اعانت کرتے ہیں) ضرورت شدید بلکہ اشد ہو جاتی ہے کیونکہ آج خواہ اسلامی معاشرے ہوں یا غیر اسلامی یا سیکولر یا جمہوری سرمایہ پرست معاشرے ہوں یا اشتراکی سب میں ماشاءاللہ وہی برائیاں اور عیوب پیدا ہو گئے ہیں جن کا ہم نے اپنے مضمون کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سرمایہ پرستوں اور امراء و حکام نے اللہ کی زمین میں تکبر و غرور کے ساتھ بڑی سرکشی و نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے اور فساد برپا کیا ہوا ہے اللہ کی مخلوق پر خالق کے اور اس کے حبیب ﷺ کے قوانین و احکام نافذ کرنے کی بجائے اپنے بنائے ہوئے قوانین میں ان کو جکڑا ہوا ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے اموال میں سے اس کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کرنے کی بجائے اپنے کتے بلیوں پر خرچ کر رہے ہیں اور اپنے اموال کو روز بروز بڑھانے کے لئے سود جیسی لعنت' حرام کو شیر مادر سمجھ کر کھا پی رہے ہیں اور اس کے ذریعے غریبوں کی تھوڑی بہت بچت جمع پونجی کو بغیر ڈکار لئے ہضم کر رہے ہیں۔ اپنے مفاد کی خاطر غریب عوام کو گروہوں میں بانٹا ہوا ہے۔ ان کو آپس میں لڑا رہے ہیں اور خود مل کر ان کے مال ہڑپ کر رہے ہیں اور ان سے بڑے بڑے طویل و عریض عالیشان محلات و مکانات تعمیر کر رہے ہیں۔ عاد و ثمود کی طرح اور ان میں تعیشات کے انبار لگا رہے ہیں لیکن نادار و بے سہارا لوگوں پر خرچ کرنے سے شیطان انہیں ڈراتا ہے۔ "ان الشیطن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء" ہمارے تاجر اہل مدین کی طرح ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور احتکار و منافع خوری میں مبتلا ہیں۔

اگر ہم نے رسول اکرم ﷺ کے قائم کردہ رفاہی منصوبے پر عمل نہ کیا تو خدشہ ہے کہ یہ دنیا جو اسلحے اور سرمائے اکٹھا کرنے اور جمع کرنے کی دوڑ میں دیوانی ہوئی جا رہی ہے کسی روز بھک سے اڑ نہ جائے جبکہ آپ کے رفاہی منصوبے کا مطمع نظر یہ تھا:

Marfat.com

نکتہ شرع مبین ایں است و بس
کم نہ باشد در جہاں محتاج کس
(وآخردعونا ان الحمد اللہ رب العالمین)

مصادر ومراجع

1۔القرآن الکریم سورہ بنی اسرائیل آیت16

2۔القرآن سورۃ الشعراء آیت ااا

3۔القرآن الکریم ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی، شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ1409ء14:2ص4

4۔القرآن سورۃ سبا: آیت 34,35

5۔القرآن سورۃ مریم آیت73,74

6۔سید سلیمان ندوی، ارض القرآن مطبع معارف اعظم گڑھ1955ج۔1، ص163

7-القرآن سورۃ الشعراء آیات128 تا130

8-القرآن سورۃ الشعراء آیات151 تا153

9-القرآن سورۃ الشعراء آیت149 نیز سورۃ الاعراف: آیت74

10-سید سلیمان ندوی ارض القرآن مطبع معارف اعظم گڑھ1955ء ج1، ص187

11-القرآن سورۃ النمل آیات48,49

Marfat.com

12-القرآن سورۃ النمل آیت 54

13-لقرآن سورۃ الشعرا آیت 167

14-القرآن سورۃ ہود آیات 72,73

15-القرآن سورۃ ہود آیت 87

16-القرآن سورۃ الاعراف آیت 90

17-القرآن سورۃ القصص آیت 40

18-مودودی ابوالاعلی سید- سیرت سرور عالم ﷺ ادارہ ترجمان القرآن لاہور 1983ء ج 2'
ص 414

19-Ebenatein Wiliam Great Political Thinkers (Photo to the present) Hott Pinburt and 17-Pwinston the New York 1969

20-Gibbon Edward: The decline and fall of the Roman Empire The Modern Library New 436-P York Vol-1

21-Briffault Rober: The Making of Humanity Allan and Unon Ltd London 1968 P-159

22- تاریخ ابن خلدون ج-2 'نفیس اکیڈمی کراچی 1986ء ص 154

23- ندوی ابوالحسن علی' انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر' مکتبہ اسلام لکھنو' ص 85

24- ہیکل محمد حسین' حیات محمد ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1990ء' ص 84

25- تاریخ ابن خلدون نفیس اکیڈمی کراچی 1986ء' جلد 1' ص 154

26- ہیکل محمد حسین' حیات محمد ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' 1990ء' ص 115

Marfat.com

27- آزاد ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج1، ص313

28- القرآن الکریم ترجمہ شیخ الہند تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، الحجرات13 ص686

29- ابن حبیب بغدادی، محمد، دائرہ المعارف حیدر آباد دکن 1942ء، ص70,71

30- ابن سید الناس، عیون الاثرفی فنون المغازی والشمائل والیسر، مکتبہ القدس، قاہرہ 1356ء، ج1، ص199

31- زرقانی، الزرقانی علی المواہب الدنیہ مطبع ازہریہ مصر، 1365ھ، ج1، ص373

32- ابن ہشام، الیسر النبویہ، قاہرہ، 1356ء، ص313

33- القرآن، سورۃ حم السجدہ، آیت 6,7

34- ترمذی سید خالد محمود پروفیسر، مجلہ ''منہاج'' مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، اسلامی معیشت نمبر، ج10، شمارہ 3-1، ص385

35- مودودی ابوالاعلیٰ سید، اسلام اور جدید معاشی نظریات، لاہور 1987ء، ص110

36- القرآن کریم سورۃ الروم، آیت 39

37- القرآن سورۃ البقرہ، آیات 6 تا 7

38- القرآن سورۃ البقرہ، آیات 278 تا 280

39- ابن کثیر، ج1، جز3 - ، ص27

40- صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ

....

Marfat.com